اسوۂ حسنہ

چند عملی پہلو

ورفعنا لك ذكرك

سید عزیز الرحمن

Marfat.com

زوار اکیڈمی
پبلیکیشنز

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

Marfat.com

سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ کے حوالے سے مجموعۂ مضامین

اسوۂ حسنہ۔ چند عملی پہلو

سید عزیز الرحمن

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

۱۲۴۶۹۴
۱/

نام کتاب	:	اسوۂ حسنہ۔ چند عملی پہلو
مؤلف	:	سید عزیز الرحمٰن
اشاعت اول	:	اکتوبر ۲۰۱۴ء
صفحات	:	۴۳۲
ناشر	:	زوار اکیڈمی پبلی کیشنز
قیمت	:	۳۹۰

ناشر

زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز

اے۔۴/۱۷۔ ناظم آباد نمبر ۴۔ کراچی

پوسٹ کوڈ: ۷۴۶۰۰ فون: ۰۲۱-۳۶۶۸۴۷۹۰

E-mail: info@rahet.org

www.rahet.org

Marfat.com

فہرست

۱۔محبت واتباع نبوی ﷺ اور اس کے ثمرات	۲۰
محبت	۲۵
اتباع	۳۰
اتباع رسول کے فوائد وثمرات	۳۳
۲۔اسوۂ حسنہ کا ایک اہم پہلو۔غور وفکر اور حکمت وتدبر	۳۸
۳۔اسلامی تہذیب اور اس کا عالم گیر تصور	۶۴
تہذیب(CULTURE)	۶۵
تہذیب کے ترکیبی عناصر	۷۰
جغرافیائی عنصر	۷۱
حیاتیاتی عنصر	۷۲
نظریاتی عنصر	۷۵
تہذیب وثقافت مذہب اور اسلام کا امتیاز	۷۷
اسلامی تہذیب	۷۹
تہذیب اسلامی کے عناصر ترکیبی	۷۹
عقائد	۸۰
توحید	۸۰

Marfat.com

رسالت	۸۸
آخرت	۹۲
عبادات	۹۵
نماز	۹۶
زکوٰۃ	۹۹
روزہ	۱۰۱
حج	۱۰۳
جہاد	۱۰۵
اخلاق	۱۰۹
اسلامی تہذیب کے مظاہر	۱۰۹
احترامِ انبیا	۱۱۰
اخوت	۱۱۱
مشاورت	۱۱۲
مساوات	۱۱۲
احترامِ آدمیت	۱۱۳
اسلامی تہذیب کے اثرات	۱۱۵
اسلامی تہذیب کے خصائص و امتیازات	۱۱۷
۴۔ فلاحِ انسانیت۔ سیرتِ طیبہ کی روشنی میں	۱۲۲
انسانیت	۱۲۳
فلاح	۱۲۵
فلاح کا قرآنی تصور	۱۲۷
فلاح انسانیت کے لئے مذہب کی ضرورت	۱۲۸
مقامِ انسانیت، اسلام کی نظر میں	۱۳۱
فلاحِ انسانیت	۱۳۳

Marfat.com

اخلاقی تربیت	۱۳۴
روحانی واعتقادی تربیت	۱۳۸
تعلیم	۱۴۲
اجتماعیت	۱۴۶
نظامِ زکوٰۃ	۱۴۹
خلاصۂ کلام	۱۵۱
۵۔ خانگی زندگی اور اسوۂ حسنہ	۱۵۴
خاندان	۱۵۶
والدین	۱۵۷
بہ حیثیت شوہر	۱۶۴
اولاد سے تعلق	۱۷۴
اہل قرابت سے روابط	۱۸۱
ملازمین سے رویہ	۱۸۶
خلاصۂ کلام	۱۹۲
۶۔ صبر کی ضرورت اور اہمیت، عصرِ حاضر میں	۱۹۶
۷۔ ہماری موجودہ مشکلات اور سیرت طیبہ	۲۰۸
حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی	۲۰۸
وقت وصلاحیتوں کا ضیاع	۲۱۱
اسراف ودکھلاوا	۲۱۳
کذب بیانی اور وعدہ خلافی	۲۱۶
خیانت وبددیانتی	۲۱۸
رزق حلال کی ضرورت	۲۲۰
مایوسی اور ناامیدی	۲۲۱
۸۔ اسلامی نظمِ معیشت اور کفالتِ عامہ میں زکوٰۃ کی اہمیت	۲۲۶

Marfat.com

زکوٰۃ، اشتقاق ولغوی معنی ۲۲۷
وجہ تسمیہ ۲۳۰
اصطلاحی معنی ۲۳۱
لفظِ زکوٰۃ کا استعمال قرآنِ حکیم میں ۲۳۲
لفظ زکوٰۃ، احادیثِ نبویہ میں ۲۳۲
زکوٰۃ زمانہ قبل از اسلام میں ۲۳۳
زکوٰۃ، اسلام میں ۲۳۴
زکوٰۃ کے فوائد وفضائل ۲۳۵
اسلامی نظامِ زکوٰۃ کی خصوصیات ۲۳۷
زکوٰۃ عبادت ہے یا ٹیکس؟ ۲۳۸
زکوٰۃ، اسلام اور دیگر مذاہب کی تعلیمات کا تقابل ۲۳۸
زکوٰۃ کی مدت ۲۳۹
مقدارِ زکوٰۃ ۲۳۹
زکوٰۃ کے مصارف میں اسلامی اصلاحات ۲۴۰
کفالت عامہ کے حوالے سے اسلامی نظمِ معیشت کے بنیادی نکات ۲۴۲
اسلامی نظم معیشت میں زکوٰۃ کی اہمیت ۲۴۴
کفالتِ عامہ میں زکوٰۃ کا کردار اور اس کا فلاحی پہلو ۲۴۶
مصارفِ زکوٰۃ ۲۴۸
ا۔ فقرا ۲۴۹
۲۔ مساکین ۲۴۹
۳۔ عاملینِ زکوٰۃ ۲۵۰
۴۔ رقاب ۲۵۱
۵۔ غارم ۲۵۱
۶۔ فی سبیل اللہ ۲۵۲

Marfat.com

۷۔ابن السبیل	۲۵۳
۸۔موء لفۃ القلوب	۲۵۴
زکوٰۃ اور تشکیلِ ذہنیت	۲۵۶
خلاصۂ بحث	۲۵۹
۹۔کسب حلال اور عصر حاضر کے تقاضے	۲۶۲
کسب حلال ،لغوی معنی	۲۶۲
کسب حلال کی ترغیب	۲۶۴
کسب حلال کے آداب	۲۷۳
حرام سے بچنے کی تلقین	۲۷۴
کسب کی ناجائز صورتیں	۲۷۶
مصارف کے اصول	۲۸۰
۱۰۔تجارت کے اصول۔تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں	۲۸۶
تجارت کیا ہے؟ لغوی معنی	۲۸۹
اصطلاحی تعریف	۲۹۰
تجارت کی اہمیت	۲۹۱
تجارت کی اہمیت قرآنِ حکیم کی روشنی میں	۲۹۳
تجارت کی ترغیب	۲۹۷
عرب اور تجارت	۳۰۱
ہادیٔ اعظم ﷺ بحیثیت تاجر	۳۰۳
تجارت کے فروغ کے لئے اسلام کے اقدامات	۳۰۵
مسلمانوں کی تجارتی سرگرمیاں	۳۰۶
اسلامی تجارت کے اصول	۳۰۷
۱۔اصولِ تجارت کا جاننا	۳۰۷
۲۔تجارت کی اہلیت	۳۰۸

Marfat.com

۳۔ برکت کے اوقات ۳۰۹
۴۔ باہمی تعاون ۳۱۰
۵۔ ایک دوسرے کی خیر خواہی ۳۱۱
۶۔ مضطر کی تجارت ۳۱۲
۷۔ دھوکہ دہی سے اجتناب ۳۱۳
۸۔ فروخت کرنے والی چیز پر قبضہ ہونا ۳۱۴
۹۔ پھلوں کی قبل از وقت فروخت ۳۱۵
۱۰۔ ذخیرہ اندوزی ۳۱۶
۱۱۔ نرخ بڑھانے کے لئے مداخلت کرنا ۳۱۹
۱۲۔ بازار میں آنے سے پہلے مال خرید لینا ۳۲۰
۱۳۔ ناپ تول میں کمی کرنا ۳۲۱
۱۴۔ وزن کرتے ہوئے احتیاط ۳۲۳
۱۵۔ جھوٹی قسم کھانا ۳۲۴
۱۶۔ حرام اشیاء کی تجارت ۳۲۵
۱۷۔ سود (ربا) کی ممانعت ۳۲۷
۱۸۔ دیانت داری ۲۲۹
۱۹۔ صداقت شعاری ۳۳۱
۲۰۔ زکوٰۃ کی ادائیگی ۳۳۲
۲۱۔ قرض کی ادائیگی ۳۳۳
۲۲۔ انفاق فی سبیل اللہ ۳۳۳
۲۳۔ پس اندازی ۳۳۵
۲۴۔ ذکرِ الٰہی ۳۳۵
۲۵۔ تجارت میں آسانی کرنا ۳۳۷
خلاصۂ کلام ۳۳۸

Marfat.com

بہترین تاجر	٣٣٩
١١۔مزدوروں کے حقوق وفرائض۔تعلیماتِ ہادیٔ اعظم ﷺ کی روشنی میں	٣٤٢
حق کیا ہے؟	٣٤٢
فرض کی تعریف	٣٤٣
اسلامی حقوق کی وسعت	٣٤٤
معاش کی حقیقت	٣٤٥
کسب حلال کا حکم	٣٤٥
کسب میں میانہ روی	٣٤٩
حرام کمائی سے اجتناب کی تلقین	٣٥٠
کسب معاش کے قرآنی اصول	٣٥٢
• محنت ومزدوری کے فضائل	٣٥٣
١۔حضرت آدم علیہ السلام	٣٥٣
٢۔حضرت ادریس علیہ السلام	٣٥٥
٣۔حضرت نوح علیہ السلام	٣٥٥
٤۔حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام	٣٥٥
٥۔حضرت موسیٰ علیہ السلام	٣٥٦
٦۔حضرت داؤد علیہ السلام	٣٥٧
٧۔حضرت زکریا علیہ السلام	٣٥٨
٨۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم	٣٥٨
• صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم	٣٦٠
• صحابیات رضی اللہ عنہن	٣٦٠
• محنت ومزدوری کی ترغیب	٣٦١
محنت واجرت	٣٦٤
اسلام کا فلسفۂ اجرت	٣٦٤

Marfat.com

اجرت اور اشترا کیت ۳۶۷
اجرت و سرمایہ داری ۳۶۸
مزدوروں کے فرائض ۳۶۸
۱۔ کسی بھی پیشے کو حقیر نہ سمجھنا ۳۶۹
۲۔ مالک کی خیر خواہی ۳۷۰
۳۔ معاہدے کی پابندی ۳۷۱
۴۔ امانت داری ۳۷۲
۵۔ خیانت سے اجتناب ۳۷۳
۶۔ کام پوری ذمے داری سے کرنا ۳۷۴
مزدوروں کے حقوق اور اشترا کیت ۳۷۵
اسلام میں مزدوروں کے حقوق ۳۷۶
۱۔ آجر و اجیر میں مساوات ۳۷۶
۲۔ مزدوری کی ادائیگی ۳۷۷
۳۔ اجرت طے کرنا ۳۷۹
۴۔ اضطراری اجرت کی ممانعت ۳۸۰
۵۔ بیگار کی ممانعت ۳۸۰
۶۔ طاقت سے زیادہ کام نہ لینا ۳۸۱
۷۔ پیداوار میں مزدوروں کا حصہ ۳۸۲
۸۔ نقصان کی ذمے داری مزدور پر نہیں ۳۸۳
خلاصہ کلام ۳۸۴
۱۲۔ دور جدید میں بین المذاہب یگانگت و ہم آہنگی کا تصور ۳۸۶
اسلام میں بین المذاہب ہم آہنگی اور یگانگت کا تصور ۳۸۹
اسلامی ریاست میں غیر مسلموں سے تعلقات
کے سلسلے میں اسلام کے اقدامات ۳۹۰

Marfat.com

جان کی حفاظت	۳۹۱
مال کی حفاظت	۳۹۳
عزت کی حفاظت	۳۹۳
مذہبی آزادی	۳۹۴
ریاستی امور میں غیر مسلموں کا حصہ	۳۹۶
شخصی معاملات	۳۹۶
عدل وانصاف	۳۹۷
دفاعی امور میں غیر مسلموں کی شرکت	۳۹۸
غیر مسلموں سے تعلقات کی نوعیت اور اس کی مختلف صورتیں	۳۹۹
خاندانی تعلقات	۳۹۹
عام معاشرتی روابط	۴۰۳
کاروباری تعلقات	۴۰۸
غیر مسلموں سے بین الاقوامی تعلقات	۴۱۰
بین الاقوامی معاہدے	۴۱۰
مختلف معاہدے	۴۱۵
تجارت	۴۲۰
مالی مدد	۴۲۱
ہدایا کا تبادلہ	۴۲۱
سفیروں کا احترام	۴۲۲
غیر مسلموں سے دوستی یا تعلقات؟ اسلام کا نقطۂ نظر	۴۲۳
اسلام کے غیر مسلموں سے تعلقات اور رواداری غیر مسلموں کی نظر میں	۴۲۹
دی گوبینیو کی رائے	۴۲۹
آر۔ دی۔ سی۔ بوڈلے کی رائے	۴۳۰
خلاصہ کلام	۴۳۰

Marfat.com

انتساب

استاد محترم

حضرت مولانا مفتی غلام قادر رحمہ اللہ

کے نام

سید عزیز الرحمٰن

Marfat.com

پیش گفتار

اسوۂ حسنہ ہماری عملی زندگی کو شاہ راہ کام یابی پر گام زن کرنے کے لئے نہایت ناگزیر اور مکمل و مربوط نظام حیات ہے۔ سائبان کی تلاش میں بھٹکتی اور طرح طرح کے اندھیروں میں روشنی کی ایک کرن کی متلاشی انسانیت اب تک اس نظام حیات سے غافل ہے۔ اس کا سبب ہم بھی ہیں کہ طرح طرح کے خیالات میں الجھی ہوئی انسانیت تک اسلام کا پیغام اول تو پوری طرح پہنچا ہی نہیں سکے، اور اگر کہیں کوشش بھی ہوئی تو وہ یا تو جزوی اور نامکمل تھی، یا اس میں ذوق، روایت، تعصب، وجدان اور فکری نارسائیوں کی اس قدر آمیزش ہوگئی کہ وہ دعوت کی بہ جائے ردعمل کا عنوان بن گئی۔

اب صورت حال یہ ہے کہ ایک جانب تو عصری تفہیم، عصر حاضر، فہم جدید، عصری اسلوب، جدید فکر وغیرہ ایسے عنوانات ہی ایک طبقے کے لئے اجنبیت اور مغایرت کا سلوگن بن گئے ہیں، اور دوسری جانب یہ عنوانات ایک طبقے کے لئے محض اس لئے کشش رکھتے ہیں کہ ان کے جامے میں ملفوف کر کے وہ اسلامی روایت، تعامل امت حتیٰ کہ نصوص کی جگہ اپنے خیالات، انحرافی طریق کار اور تشکیکی افکار کے ثمرات کو ہی اصل دین بنا کر پیش کر سکتے ہیں۔ اور اس تگ و دو کا مقصد بھی بہ ظاہر صرف اس قدر نظر آتا ہے کہ اسلام پر ہونے والے فرسودہ اور پامال اعتراضات سے بچنے کے لئے مسلمات دین سے یا تو انکار ہی کر دیا جائے، یا کم از کم اس کے تعارف میں اتنے اگر، مگر کیوں اور کیا کے ساتھ ساتھ شوشے اور کامے لگا دیے جائیں کہ کوئی کم زور بنیاد والا مگر سلیم الفکر شخص بھی انہیں پڑھے تو الجھنیں اور فکری انتشار ہی لے کر اٹھے۔

ایسے میں ضروری ہے کہ بل کہ نہایت ناگزیر ہو گیا ہے کہ ہمارے اہل قلم، جنہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے سوچنے، حالات پر نظر رکھنے، مسائل کو سمجھنے اور ان پر بولنے اور لکھنے کی توفیق ارزانی ہوئی ہے، ان موضوعات کی جانب خصوصی توجہ فرمائیں، اور ایسا لٹریچر تخلیق فرمائیں جو اس خلا کو پر کر سکے اور ہماری ضرورتوں کی تکمیل میں معاون ثابت ہو۔ یہ مجموعہ اس ضرورت کی تکمیل کے لئے نہیں لکھا گیا،

Marfat.com

فقط یہ سطور تحریر کرتے ہوئے یہ بات نوک قلم پر جاری ہوگئی۔

الحمد اللہ! چند مطبوعہ مضامین سیرت پر مشتمل یہ مجموعہ پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے، جو بارہ مضامین پر مشتمل ہے۔ جن میں شش ماہی السیرہ عالمی کے بعض اداریے بھی شامل ہیں۔ اس مجموعے میں شامل تین مضامین اس سے قبل علیحدہ علیحدہ کتابچوں کی صورت میں بھی شامل ہو چکے ہیں۔

اس مجموعے میں شامل مضامین چوں کہ مختلف اوقات میں تحریر کئے گئے ہیں، جس کا دورانیہ ۱۳، ۱۴ سال پر محیط ہے، اس لئے اس میں کہیں کہیں تکرار کے عیب کے ساتھ ساتھ اسلوب کا فرق بھی ناگریز ہے۔ اس لئے اسے کسی مربوط اور مضبوط کتاب کا عنوان دینے کی جرأت نہیں کی جاسکتی۔ اس کی حقیقت فقط اس قدر ہے کہ رب کائنات نے محض اپنے فضل وکرم سے سیرت ومتعلقات سیرت پر لکھنے کی توفیق ارزانی فرمائی ہے، اس کے چند نقوش یہاں جمع کردیے گئے ہیں، تاکہ بہ وقت ضرورت مراجعت کے لئے خود راقم کو یک جا میسر آسکیں۔ یہ کاوش شاید قارئین کے کسی طبقے کے لئے بھی کسی درجے میں مفید ثابت ہو کہ بیان کی کم زوری تو اپنی جگہ پر لیکن ذکر تو ذات رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ و السلام کا ہے، اور اس کی قوت اثر پذیری میں کسے کلام ہوسکتا ہے؟

ان مضامین کو ترتیب دیتے ہوئے جو اغلاط سامنے آئیں انہیں درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے، حوالوں کی تصحیح کے لیے اکثر حصے پر دوبارہ مراجعت کی گئی ہے، نیز ہر کتاب کے پہلے حوالے کو مکمل کر کے آئندہ آنے والے مقامات میں اسے مختصرہی ذکر کیا گیا ہے، اور ہر مضمون کی بابت آغاز میں یہ وضاحت بھی کردی گئی ہے کہ یہ کہاں یا کہاں کہاں طبع ہوا ہے۔ نیز مضامین کی ترتیب میں موضوعاتی ربط قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بہ ہر کیف جو بن پڑا، حاضر ہے۔

مخدوم مکرم مولانا زاہد الراشدی نے راقم کی درخواست پر مختصر مگر بامعنیٰ تقدیم عطا فرمائی۔ برادر بزرگ ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری اور بزرگ وار من مولانا محمد ابراہیم فیضی کی تحریک وتشویق ہمیشہ کی طرح اس کتاب کی بھی محرک بنی۔ حافظ محمد عارف گھانچی کی مشاورت بھی ہمیشہ کی طرح کتاب کا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو اجر جزیل سے نوازے اور یہ حقیری کاوش اپنے کرم سے ذخیرۂ آخرت بنادے۔

اس لمحۂ نازک کے لئے، جب رب رحیم وکریم کی رحمت وعفو ودرگزر کے سوا کچھ کام نہ آئے گا۔ بجاہ سید المرسلین و علیٰ آلہ وصحبہ اجمعین

سید عزیز الرحمٰن

یکم ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ/ ۲۷ ستمبر ۲۰۱۴ء

Marfat.com

مقدمہ

مولانا زاہد الراشدی ☆

نحمده تبارك و تعالى و نصلى و نسلم على رسوله الكريم و على آله واصحابه واتباعه اجمعين

اما بعد!

آسمانی تعلیمات اور وحی الٰہی سے اعراض اور روگردانی کا ایک لمبا چکر کاٹنے کے بعد ان کی دانش ایک بار پھر وحی الٰہی، آسمانی تعلیمات اور وجدانیات کے خلا کو محسوس کرنے لگی ہے اور اہل دانش کو مذہب کی طرف واپسی کی ضرورت دھیرے دھیرے درپیش آ رہی ہے۔

مجھ سے ایک مغربی دانش ور نے چند سال قبل سوال کیا تھا کہ ہمیں نظر آ رہا ہے کہ معاشرے میں مذہب کی واپسی کے عمل کا آغاز ہو گیا ہے اور اس کی رفتار میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے لیکن ہمیں یہ خدشہ بھی درپیش ہے کہ مذہب کہیں دوبارہ معاشرے کے اجتماعی معاملات میں دخل اندازی تو شروع نہیں کر دے گا؟ میں نے عرض کیا کہ میرے بھائی اگر وہ فی الواقع مذہب ہے تو ضرور کرے گا، اس لئے کہ مذہب صرف فرد کی راہ نمائی کے لئے نہیں آتا معاشرے کی راہ نمائی بھی اس کے کردار کا حصہ ہوتی ہے۔ اس جواب پر اس دوست کا ردعمل تو میرے سامنے نہیں آیا۔ مگر خود میرے ذہن میں یہ سوال اٹھ کھڑا ہوا کہ ''فی الواقع

☆ ڈائریکٹر الشریعہ اکادمی۔ گوجرانوالہ
خطیب مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ

Marfat.com

مذہب'' کو آج کی ضروریات اور تقاضوں کے حوالے سے دنیا کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت اور اس سلسلے میں ہماری ذمے داری پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے، جب کہ ہمیں اس کا اس درجے میں احساس نہیں ہے۔

اس پس منظر میں معاشرے کے عملی اور اجتماعی مسائل کے بارے میں جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ اور سیرت و اسوۂ حسنہ کو عام فہم انداز میں لوگوں تک پہنچانا پہلے سے کہیں زیادہ اہمیت اختیار کر گیا ہے، اور اس سلسلے میں ہماری ذمے داری میں اضافہ ہو رہا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ اس ضرورت کو محسوس کرکے اس سلسلے میں عملی کام کا اہتمام کرنے والوں میں زوار اکیڈمی پبلی کیشنز کراچی پیش پیش ہے اور حضرت مولانا سید فضل الرحمٰن کے ساتھ ان کے فرزند ڈاکٹر سید عزیز الرحمٰن بھی بھرپور کردار ادا کر رہے ہیں۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف پہلوؤں پر ڈاکٹر سید عزیز الرحمٰن صاحب کے زیر نظر مضامین میرے خیال میں اسی سمت پیش رفت کی غمازی کرتے ہیں اور اپنے اندر اہل علم و دانش کے لئے توجہ اور دعوت کے بہت سے پہلوؤں کو سمیٹے ہوئے ہیں۔ دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت اس کاوش کو قبول فرماتے ہوئے زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لئے نافع بنائیں۔ آمین یا رب العالمین

ابو عمار زاہد الراشدی

Marfat.com

محبت واتباع نبوی ﷺ اور اس کے ثمرات

شش ماہی السیرہ، عالمی: شمارہ ۲۷۔ فروری ۲۰۱۲ء

Marfat.com

محبت واتباع نبوی ﷺ اور اس کے ثمرات

نبوت اللہ تعالیٰ کا خاص انتخاب ہے، اس کا کسب سے کوئی تعلق نہیں، اسی لئے جسے اللہ تعالیٰ نے چاہا اس کو مقامِ بلند سے نواز دیا، اور جب چاہا اپنے ایک خاص بندے پر اس سلسلۂ نبوت کو ختم فرما دیا۔ وہ ''خاص بندہ'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جن کا قرآن کریم نے خود اسی اسلوب میں ذکر فرمایا ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کی طرف بھی اشارہ ہے، اور بندۂ خدا ہونے کا بھی بیان ہے، ارشاد ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ط اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ O (۱)

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے (محمد ﷺ) کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گئی، جس کے گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں، تاکہ ہم اس کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہی (اللہ) سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

نبوت کے اس عظیم سلسلے میں جن عظیم المرتبت ہستیوں کو اللہ تعالیٰ نے اعزاز سے نوازا، وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بھی تھے اور چنیدہ یعنی منتخب فرمودہ بھی۔ یہ انتخاب اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہے۔ قرآن کریم اس انتخاب کا ذکر ایک مقام پر یوں کرتا ہے:

۱۔ الاسراء:۱

Marfat.com

اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ ۢ بَصِيْرٌ ○ (۲)

فرشتوں اور انسانوں میں سے اللہ جس کو چاہتا ہے، پیغام پہنچانے کے لئے منتخب کر لیتا ہے۔ بے شک اللہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

دوسرے مقام پر چند انبیائے کرام کو چن لینے اور منتخب کر لینے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○ (۳)

بے شک اللہ نے آدم ونوح اور آل ابراہیم وآل عمران کو سارے جہان پر (اپنی رسالت کے لئے) ترجیح دی۔

اور ایک مقام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے ان کے انتخاب کا ذکر یوں کیا:

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ (۴)

اللہ نے فرمایا: اے موسیٰ! میں نے تمہیں اپنی پیغمبری اور ہم کلامی کے ذریعے لوگوں پر امتیاز دیا۔

اور جب رسول اللہ ﷺ کا مرحلہ آیا تو آپ نے خود فرمایا، واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا:

ان اللّٰہ اصطفیٰ کنانۃ من ولد اسماعیل، واصطفیٰ قریشا من کنانۃ، واصطفیٰ من قریش بنی ھاشم واصطفانی من بنی ھاشم (۵)

اللہ تعالیٰ نے اسماعیلؑ کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو منتخب کیا، بنو کنانہ میں سے قریش کا انتخاب کیا، قریش میں سے بنو ہاشم کو چنا اور بنو ہاشم میں سے مجھے

۲۔الحج:۷۵

۳۔آل عمران:۳۳

۴۔الاعراف:۱۴۴

۵۔مسلم۔الصحیح۔بیروت، دارالکتب العلمیہ ۱۹۹۸ء: ج۴،ص۱۹، رقم ۲۲۷۶

☆ترمذی۔الجامع السنن۔بیروت، دارالفکر ۱۹۹۴ء: ج۵،ص۳۵۰، رقم ۳۶۲۵

Marfat.com

منتخب کیا۔

اور دوسری روایت میں مزید تفاصیل بیان کرتے ہوئے قبائل اور بطون تک کا ذکر فرمایا، آپ ﷺ نے ایک بار خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

انامحمد بن عبد اللّٰہ بن عبدالمطلب، ان اللّٰہ خلق الخلق فجعلنی فی خیرھم، ثم جعلھم فرقتین فجعلنی فی خیرھم فرقة، ثم جعلھم قبائل فجعلنی فی خیرھم قبیلة، ثم جعلھم بیوتا فجعلنی فی خیرھم بیتا وخیرھم نفسا (٦)

میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں، بلاشبہ اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے ان میں سے بہتر لوگوں میں رکھا، پھر ان کے دو گروہ بنائے اور مجھے ان میں سے بہترین گروہ میں رکھا، پھر ان کے کئی قبیلے بنائے اور مجھے ان میں سے بہترین قبیلے میں پیدا کیا، پھر ان کے کئی گھرانے بنائے اور مجھے ان میں سے بہترین گھرانے میں پیدا کیا اور اسی طرح بہترین ذات میں بھی۔

آپ ﷺ کا یہ فضل واعزاز روز قیامت بھی اپنی معراج پر ہوگا، اس انتہائی بلندی پر جس سے آگے کوئی درجہ نہیں، جہاں سب مقامات اور ساری منازل ختم ہوجاتی ہیں، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہیں، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

انا سید ولد آدم یوم القیامة، واول من ینشق عنه القبر، واول شافع واول مشفع (٧)

میں روز قیامت اولاد آدم کا سردار ہوں گا، میں پہلا فرد ہوں جو سب سے پہلے قبر سے نکلے گا، میں ہی سب سے پہلا سفارش کرنے والا اور سب سے پہلا شخص ہوں گا، جس کی سفارش قبول ہوگی۔

اس انتخاب خداوندی کے مظاہر بہت سے ہیں، اور ہر پہلو تفصیل کا منتظر، یہاں چند اہم پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اصل موضوع کی جانب آئیں گے، تاکہ محبت

٦۔ ترمذی: ج ٥، ص ٣٥١، رقم ٣٦٢٨

٧۔ مسلم: ج ٤، ص ١٩، رقم ٢٢٧٨

124494

Marfat.com

نبوی ﷺ کی اہمیت واضح ہو سکے۔

ذات رسالت مآب ﷺ کے حوالے سے جو چیز سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے، وہ صحت نسب، اور عفت وعصمت نسب ہے۔آپ ﷺ کا نسب پورا نہ صرف محفوظ ہے، اس کی تفصیلات معلوم ہیں، بل کہ وہ معصوم بھی ہے، اس نسب میں کہیں کوئی ایسا مرحلہ نہیں آیا، جو عفت وعصمت کے خلاف ہوتا۔ عربوں کی تاریخ ذہنوں میں تازہ ہو تو اسے اعجاز نبوی کے علاوہ کوئی دوسرا عنوان دیا ہی نہیں جاسکتا۔

نسب مطہر کے حوالے سے ابن عساکر کی روایت میں رسول اکرم ﷺ سے منقول ہے، آپ نے فرمایا:

کسی پیغمبر کی بیوی نے کبھی بدکاری نہیں کی۔ (۸)

رسول اکرم کا حسب ونسب تو آپ کے مخالفین کے سامنے بھی اس طرح روشن تھا کہ کوئی بھی اس حوالے سے حرف گیری کی جرأت نہ کرسکا۔ چناں چہ ہرقل کے دربار میں جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا نامہ مبارک لے کر پہنچے تو ہرقل نے اس وقت وہاں موجود قریش کے نمائندے ابوسفیان سے آپ ﷺ کے بارے میں بہت سے سوالات کئے، ابوسفیان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔اس کے باوجود انہوں نے اس امر کا اعتراف کیا کہ حسب ونسب میں آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ یہ سن کر ہرقل بول پڑا کہ یہ بھی نبوت کی ایک علامت ہے۔ (۹)

ابن عباس رضی اللہ سے منقول ہے کہ عرب کے ہر قبیلے سے آں حضرت ﷺ کا نسبی تعلق تھا، ابن عباس ہی کی ایک روایت میں مرفوعاً منقول ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں دور جاہلیت کی مروج بدکاری سے پیدا نہیں ہوا، بل کہ اسی طرح کا نکاح میری ولادت کا سبب بنا جیسا اسلامی نکاح ہوتا ہے۔ (۱۰)

اسی عصمت کے ساتھ آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا اور پھر آپ کو ختم نبوت سے

۸۔مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ سیرت مصطفیٰ۔ مکتبہ عثمانیہ، لاہور، ۱۹۷۹ء: ج۱،ص ۱۵

۹۔ابن حجر عسقلانی۔ فتح الباری۔ کراچی، قدیمی کتب خانہ: ج۸،ص ۲۷۵

۱۰۔زرقانی۔ شرح المواہب اللدنیہ۔ دار المعرفہ، بیروت، ۱۹۹۳ء: ج۱،ص ٦٦

Marfat.com

سرفراز فرما کر آپ پر سلسلہ انعامات واعزازات کی بھی تکمیل فرمادی گئی۔ اب سفر رسالت ونبوت مکمل ہوگیا۔ فلسفۂ ختم نبوت کی ایک تمثیل کے ساتھ وضاحت جناب نبی کریم ﷺ نے اپنے ایک ارشاد میں خود ہی فرمادی۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اور مجھ سے پہلے (گزرے ہوئے) انبیا کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک گھر بنایا ہو اور اس میں ہر طرح کی حسن وخوب صورتی پیدا کی ہو، لیکن ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوٹ گئی ہو۔ اب تمام لوگ آتے ہیں اور مکان کو چاروں طرف سے گھوم پھر کر دیکھتے ہیں اور حیرت زدہ رہ جاتے ہیں، لیکن یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ یہاں پر ایک اینٹ کیوں نہ رکھی گئی؟ تو میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔ (۱۱)

حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں خاتم النبین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ (۱۲)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ختم بی النبیون (۱۳)

نبیوں کا سلسلہ مجھ پر ختم کر دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کا آپ کو بہ طور خاص منتخب فرمانا، آپ صلی اللہ علیہ وسلمکا تمام انسانوں کے مقابلے میں امتیاز ہے، اور ختم نبوت سے سرفراز فرمانا دیگر انبیائے کرام کے مقابلے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور افضلیت کی واضح برہان اور زندہ دلیل تو ہے ہی، مگر اس کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت کی بھی واضح دلیل ہے۔

۱۱۔ بخاری۔ الصحیح۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۵ء: ج ۲، ص ۴۲۲، رقم ۳۵۳۴

۱۲۔ ترمذی: ج ۴، ص ۹۳، رقم ۲۲۲۶

☆ ابوداؤد۔ السنن۔ دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۴ء: ج ۴، ص ۷۶، رقم ۴۲۵۲

۱۳ مسلم: ج ۱، ص ۳۰۳، رقم ۵۲۳

☆ ترمذی: ج ۳، ص ۱۹۶، رقم ۱۵۵۹

Marfat.com

محبت

محبت دلی تعلق اور اس کے میلان کو کہتے ہیں، لغت میں اس کی کافی تفصیلات بیان ہوئی ہیں۔ (۱۴)

امام نووی محبت کی تفصیلات پر کلام کرنے کے بعد محبت نبوی کے بارے میں گفت گو کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ محبت اصل میں میلان کو کہتے ہیں، یہ کئی وجوہ سے ہوتا ہے، کبھی حسن صورت، اور حسن صوت وغیرہ کے سبب ہوتا ہے، جسے انسان پسند کرتا ہے اور اس سے لطف اٹھاتا ہے، کبھی عقلی طور پر وہ کسی کو پسند کرتا ہے، اور اس سے لطف اندوز ہوتا ہے، مثلاً اچھے لوگوں، علما اور فضلا کی محبت اس نوعیت کی ہے، اور کبھی محبت کا سبب اس شخص کا کوئی احسان ہوتا ہے، جس سے محبت ہوگئی ہے، یا اس کی وجہ سے انسان کسی نقصان اور تکلیف سے محفوظ ہو جاتا ہے، یہ بھی اس سے محبت کا ایک سبب بن جاتا ہے۔ یہ تمام اسباب نبی کریم ﷺ میں موجود ہیں۔ آپ ظاہری و باطنی ہر اعتبار سے حسن و جمال کے کامل مظہر ہیں، ہر طرح کے فضائل آپ کی ذات میں جمع ہیں، اور پوری امت آپ کی احسان مند ہے کہ آپ ہی کے سبب اسے سیدھے راستے کی ہدایت نصیب ہوئی ہے، جنت کی ہمیشہ کی نعمتیں عطا ہوئی ہیں اور جہنم کے ہمیشہ رہنے والے عذاب سے چھٹکارا نصیب ہوا ہے۔ (۱۵)

قرآن حکیم نے کئی مقامات پر محبت نبوی کی تلقین کی ہے، ایک مقام پر فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ O (۱۶)

۱۴۔ چوں کہ وہ تفاصیل ہمارے موضوع سے بہ راہ راست تعلق نہیں رکھتیں، اس لئے انہیں ہم ترک کرتے ہیں، تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے۔ ابن منظور۔ لسان العرب: ج ۱، ص ۲۸۹۔ راغب اصفہانی۔ المفردات: ص ۱۰۵۔ قاضی عیاض۔ الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ: ج ۲، ص ۲۹

۱۵۔ نووی۔ شرح مسلم۔ بیروت۔ دار الفکر ۱۴۰۱ھ: ج ۲، ص ۱۴

۱۶۔ آل عمران: ۳۱

Marfat.com

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو (اس کے نتیجے میں) اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور وہ تمہارے گناہ معاف فرما دے گا، اور اللہ تو بڑا بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔

محبت انسیت سے پیدا ہوتی ہے، بل کہ اس کے بعد کا مرحلہ ہے، عام طور پر پہلے انسان مانوس ہوتا ہے، پھر محبت کا آغاز ہوتا ہے، موانست کے لئے قربت شرط ہے، خواہ وہ قربت نسبی ہو یا کوئی اور تعلق اس کا سبب بنے۔ رسول اکرم ﷺ کا امت سے تعلق اس حوالے سے بھی سب سے قریبی ہے، یہ بہ جائے خود محبت کا سبب ہے۔ ایک مقام پر قرآن کریم اس تعلق کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (۱۷)

بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان کیا جب ان میں ان ہی میں کا ایک رسول بھیجا، جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور بے شک اس سے پہلے وہ صریح گم راہی میں تھے۔

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ (۱۸)

بے شک تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک ایسا رسول آ گیا ہے، جس پر تمہاری تکلیف شاق گزرتی ہے، جو تمہاری بھلائی کا بڑا خواہش مند ہے۔ وہ مومنوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔

اس بنا پر بھی محبت نبوی ہر مسلمان کا دلی تقاضا ہے، یہ فطرت کی پکار ہے جو اس کے

۱۷۔ آل عمران: ۱۶۴

۱۸۔ التوبہ: ۱۲۸

Marfat.com

خمیر میں شامل ہے۔ اور محبت نبوی ﷺ شریعت کے بنیادی تقاضوں میں سے ایک تقاضا ہے، خود نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لایومن احدکم حتی اکون احب الیه من والده وولده و الناس اجمعین O (۱۹)

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ میری ذات اس کے نزدیک اپنے باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجائے۔

اسی طرح ایک روایت میں ذات رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب رکھنا ایمان کا لازمی تقاضا قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا:

لایومن عبد حتی اکون احب الیه من نفسه، واهله احب الیه من اهلی وذاتی أحب الیه من ذاتی (۲۰)

کوئی شخص اس وقت تک ہرگز مومن نہیں ہوسکتا، جب تک میں اس کے نزدیک اس کی جان سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں، اور میرے اہل وعیال اس کے نزدیک اس کے اپنے اہل وعیال سے زیادہ محبوب نہ ہو جائیں اور میری ذات اس کے نزدیک اس کی اپنی ذات سے زیادہ محبوب نہ ہو جائے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن ہشامؓ روایت کرتے ہیں:

کنّامع النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وهو آخذ بید عمر بن الخطّاب، فقال له عمر: یا رسول اللّٰه! لأنت احبّ الیّ من کلّ شیء الا من نفسی. فقال النبیّ صلی اللّٰه علیه وسلم: لا والّذی نفسی بیده! حتّی أکون احبّ الیك من نفسك فقال له عمر: فانه الآن، واللّٰه

۱۹۔ بخاری: ج ۱، ۱۱، رقم ۱۴

۲۰۔ بیہقی۔ شعب الایمان۔ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۰ء: ج ۲، ص ۷۵، رقم ۱۵۰۵

☆ طبرانی۔ المعجم الکبیر: ج ۷، ص ۷۵، رقم ۶۴۱۶

☆ طبرانی۔ المعجم الاوسط: ج ۶، ص ۵۹۔ رقم ۵۷۹۰

Marfat.com

لانت احب الیّ من نفسی فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: الآن، یا عمر
ہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپ ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ! مجھے آپ اپنی جان کے علاوہ ہر شے سے زیادہ محبوب ہیں۔ اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: نہیں (تمہارا ایمان کامل نہیں ہوسکتا)، قسم ہے اُس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے! یہاں تک کہ میں تمہاری جان سے بھی زیادہ تمہیں محبوب نہ ہو جاؤں۔ (یہ سن کر) حضرت عمرؓ عرض گزار ہوئے: خدا کی قسم! اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ چناں چہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے عمر! اب (یعنی اب تمہارا ایمان مکمل ہوا)۔

ان احادیث کا مطالعہ ہمیں وضاحت سے بتاتا ہے کہ ذات رسالت مآب علیہ الصلوۃ والتسلیم سے انتہائی درجے کا کمال محبت ایمان کا حتمی اور ناگزیر تقاضا ہے، جس میں ذرا سی کمی بھی ایمان میں کمی کا باعث بن سکتی ہے۔

ذات رسالت مآب ﷺ سے محبت ایمان کا اولین مظہر بھی ہے، قرآن کریم سے بھی یہی ترتیب معلوم ہوتی ہے کہ پہلے وہ ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا اثبات کراتا ہے، پھر ایمان کی دعوت دیتا ہے، یا یوں کہیے کہ ایمان لانے کے لئے دلیل، محبت اور شاہد کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو پیش کرتا ہے، اور اثباتِ ذات کی دعوت دیتا ہے، فرماتا ہے:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۲۱)

میں تو اس سے پہلے تم میں ایک عمر گزار چکا ہوں۔ سو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟

یعنی قرآن کریم نے دعوت ایمان دیتے ہوئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو پیش فرمایا، اور آپ کے اثبات کو ایمان کے لئے لازم قرار دیا، تا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ۴۰ سالہ معصوم ومنزہ حیات کا اثبات ہو جائے تو آپ کے دیگر

۲۱۔ یونس:۱۶

Marfat.com

احکامات کو قبول کرنا اور انہیں دل سے مان لینا آسان ہو جائے، اسی بنا پر ایک روایت میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو ایمان کی چاشنی پا لینے کا سبب قرار دیا، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ثلاث من کن فیه وجد حلاوة الایمان: ان یکون اللّٰه و رسوله احب الیه مما سواهما، وان یحب المرء لایحبه الا للّٰه، وان یکره ان یعود فی الکفر کما یکره ان یقذف فی النار (۲۲)

تین خصلتیں ایسی ہیں جس میں وہ ہوں گی، وہ ایمان کی مٹھاس پا لے گا: یہ کہ اللہ اور اس کا رسول اسے ان کے ماسوا ہر چیز (پوری کائنات) سے زیادہ محبوب ہو، اور یہ کہ وہ کسی آدمی سے صرف اللہ کے لیے محبت کرے، اور یہ کہ وہ دوبارہ کفر میں لوٹنے کو اسی طرح ناپسند کرے جیسے آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔

پھر محبت نبوی کا مقام مزید بڑھاتے ہوئے یہ بھی فرما دیا گیا کہ اگر واقعتاً کسی دل میں محبت نبوی موج زن ہوگی تو اس کا ٹھکانہ خود ذات رسالت مآب علیہ الصلاۃ والتسلیم کے ساتھ ہوگا، یہ مضمون کئی احادیث میں بیان ہوا ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: اے اللہ کے رسول! آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کسی قوم سے محبت تو کرتا ہے لیکن وہ ان تک نہیں پہنچ سکا (ان جیسے عمل نہیں کیے)؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

المرء مع من أحب

آدمی اسی کے ساتھ ہوگا، جس سے اس نے محبت کی۔

سیدنا انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے متعلق پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

وماذا أعددت لها؟

تو نے قیامت کے لئے کیا تیاری کی ہے؟

۲۲۔ بخاری: ج۱، ص۱۲، رقم ۱۶

Marfat.com

اس نے کہا: کچھ بھی نہیں۔ مگر یہ کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

أنت مع من أحببت

تو اسی کے ساتھ ہوگا جس سے تجھے محبت ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمیں کسی چیز سے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان سے ہوئی۔ میں نبی ﷺ، ابوبکرؓ اور عمرؓ سے محبت کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ میں ان سے محبت کرنے کی وجہ سے ان کے ساتھ ہوں گا، اگرچہ میں نے ان جیسے عمل نہ بھی کئے ہوں۔ (۲۳)

سیدنا ابو ذرؓ نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کی: اللہ کے رسول! آدمی کچھ لوگوں سے محبت کرتا ہے لیکن ان جیسے عمل کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

فانك مع من احببت

بلا شبہ تو اسی کے ساتھ ہوگا جس سے تجھے محبت ہے۔

حضرت ابو ذرؓ نے یہ بات پھر دہرائی تو رسول اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی جواب مرحمت فرمایا۔ (۲۴)

اتباع

محبت کا لازمی تقاضا اتباع ہے، انسان جس سے بھی تعلق رکھتا ہے، اس کی بات دل وجان سے قبول کرتا ہے، اور اس کی رضا اور پسند و ناپسند کو اپنی زندگی کا حصہ بنانے کی کوشش کرتا ہے، اور اس کی یہ بھی کوشش ہوتی ہے کہ محبوب کو خوش رکھے، اس کا ایک طریقہ مکمل اتباع بھی ہے۔ اتباع لغت میں تو کسی کے نشانات قدم پر چلنے کو کہتے ہیں، بعد میں اس کا استعمال عام ہوگیا، اور اس کا مفہوم ہوا کسی دوسرے کے عمل جیسا عمل کرنا۔ اتباع کی اصطلاحی تشریح کرتے ہوئے امام احمد سے منقول ہے:

۲۳۔ بخاری: ج۳، ص۶۰۴، رقم ۳۶۸۸

☆ صحیح مسلم: ج۴، ص۲۰۲، رقم ۲۶۳۹

۲۴۔ ابوداود: ج۴، ص۳۶۹، رقم ۵۱۲۶

Marfat.com

هو ان يتبع الرجل ماجاء عن النبی ﷺ وعن اصحابه (۲۵)

اتباع یہ ہے کہ آدمی اس چیز کی پیروی کرے جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ سے منقول ہے۔

قرآن کریم نے اتباع نبوی ﷺ کو بہت وضاحت سے بیان کیا ہے، اور اس کے لئے مختلف انداز اختیار کئے ہیں۔ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کی محبت کو اتباع نبوی پر منحصر قرار دیتے ہوئے فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌO (۲۶)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو (اس کے نتیجے میں) اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور وہ تمہارے گناہ معاف فرمادے گا، اور اللہ تو بڑا بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔

جو رسول عربی ﷺ کی اتباع کرتے ہیں، ان کا مقام بیان کرتے ہوئے ایک مقام پر فرمایا:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ (۲۷)

جو لوگ اس رسول نبی امی کی پیروی کریں گے جس کو وہ اپنے ہاں تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

مزید فرمایا:

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ِنالَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْیٖ وَيُمِيْتُ ص فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ

۲۵۔ موسوعۃ نضرۃ النعیم: ج ۲، ص ۱۰

۲۶۔ آل عمران: ۳۱

۲۷۔ الاعراف: ۱۵۷

Marfat.com

تَهْتَدُوْنَ O (۲۸)

آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں جس کی بادشاہت آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ سوتم اللہ اور اس کے رسول نبی امی پر ایمان لاؤ جو اللہ پر اور اس کی باتوں پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی پیروی کرو تا کہ تم ہدایت پاؤ۔

اتباع کے اس مفہوم کو مزید وضاحت کے ساتھ احادیث نبویہ میں بھی بیان کیا گیا ہے:

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لکیر کھینچی اور فرمایا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے، پھر اس لکیر کی دائیں اور بائیں جانب مزید لکیریں کھینچیں اور فرمایا کہ یہ دوسرے راستے ہیں۔ یہ تمام راستے ایک دوسرے کے مخالف ہیں، اور ان میں سے ہر راستے پر شیطان ہے، جو اس راستے کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی:

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ج وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ط ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ O (۲۹)

اور یہ کہ تم میرے اس سیدھے راستے ہی کی اتباع کرو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے ہٹا دیں گے، اس کا اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے، تا کہ تم متقی بنو۔ (۳۰)

دوسرے مقام پر فرمایا گیا:

وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ق وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (۳۱)

اور رسول جو کچھ تمہیں دیں، اُس کو لے لو اور جس سے روکیں اُس سے

۲۸۔ الاعراف: ۱۵۸

۲۹۔ الانعام: ۱۵۳

۳۰۔ احمد۔ المسند۔ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۳ء: ج ۲، ص ۴۳۵

☆ حاکم۔ المستدرک۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۰: ج ۲، ص ۳۱۸

۳۱۔ الحشر: ۷

Marfat.com

رک جاؤ۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ آ جانے کے بعد اس کو ماننے میں پس و پیش کرنا ایمان کے یک سر منافی ہے، اس لئے یہ مومن کا طریقہ نہیں ہے۔ ایسے میں ایمان کا تقاضا تو صرف یہی ہے کہ دربار نبوت سے جو حکم صادر ہو جائے، اسے قبول کرلو، اور اپنی پسند و ناپسند کو ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے مکمل طور پر وابستہ کرلو۔ اگر یہ مقام و مرتبہ حاصل ہو جائے تو اتباع اور اطاعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ عمل سے سچا ثابت ہو جائے گا، اور ایسے خوش نصیبوں کے لئے پھر یہ حکم نازل ہوا:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ انعم اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ (۳۲)

اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو وہ لوگ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا، (وہ) انبیا، صدیقین، شہدا اور نیک لوگ ہیں۔

اور ایک مقام پر فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (۳۳)

جس نے رسول کی اطاعت کی بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

یہی مضمون زبان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح ادا ہوا، فرمایا:

من أطاعني فقد أطاع اللّٰه، ومن عصاني فقد عصى اللّٰه (۳۴)

جس نے میری اطاعت کی تو یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی تو اس نے یقیناً اللہ کی نافرمانی کی۔

اتباع رسول کے فوائد وثمرات

قرآن حکیم میں محبت و اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے فوائد وثمرات بیان

۳۲۔ النساء: ۶۹

۳۳۔ النساء: ۸۰

۳۴۔ بخاری: ج ۴، ص ۴۷ ۳، رقم ۱۳۷ ۷

Marfat.com

ہوئے ہیں، بعض ثمرات کا تذکرہ احادیث مبارکہ میں بھی آیا ہے، ان میں سے بعض کی جانب ماقبل میں بیان ہونے والی آیات مبارکہ اور احادیث شریفہ میں بھی اشارہ ہو چکا ہے، ہم یہاں چند اہم ثمرات کو نکات کی صورت میں بیان کرتے ہیں۔

۱۔ مغفرت: محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو مغفرت کا سبب قرار دیا گیا ہے، قرآن حکیم میں فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌO (۳۵)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو (اس کے نتیجے میں) اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور وہ تمہارے گناہ معاف فرما دے گا، اور اللہ تو بڑا بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔

۲۔ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نتیجے میں انسان اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رحم کا حق دار بن جاتا ہے۔ فرمایا:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (۳۶)

اور اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

۳۔ اطاعت نبوی ہی ہدایت دنیاوی واخروی کا باعث ہے، فرمایا:

وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا (۳۷)

اور فرمایا: اگر تم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔

وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (۳۸)

اور تم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع کرو، تا کہ تم ہدایت پا جاؤ۔

۳۵۔ آل عمران: ۳۱

۳۶۔ آل عمران: ۱۳۲

۳۷۔ النور: ۵۴

۳۸۔ الاعراف: ۱۵۸

Marfat.com

۴۔ اور جب دنیا وآخرت کی رہ نمائی انسان کو میسر آجائے اور اسے پوری ہدایت نصیب ہوجائے تو پھر ہمیشہ کی دائمی کام یابی اس کا نصیب بن جاتی ہے۔ سب سے بڑی اور سب سے عظیم کام یابی۔ قرآن حکیم میں فرمایا:

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَفَوْزًا عَظِيْمًا (۳۹)

اور جس نے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کی، اس نے بہت بڑی کام یابی حاصل کرلی۔

۵۔ اور سب سے بڑھ کر وہ صراط مستقیم یعنی سیدھے راستے پر گام زن ہوجاتا ہے، کیوں کہ اتباع نبوی کے علاوہ سیدھے راستے تک پہنچنے کا کوئی اور راستہ نہیں۔ فرمایا:

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ (۴۰)

اور یہ کہ تم میرے اس سیدھے راستے ہی کی اتباع کرو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمھیں اللہ کے راستے سے ہٹا دیں گے۔

۶۔ اور سب سے بڑھ کر وہ جنت کا مستحق قرار پاتی ہے، جو مومن کی اصل زندگی، اس کی ساری تگ و دو کا حاصل اور ہمیشہ رہنے والا ٹھکانا ہے۔ خو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ اُمَّتِيْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰى

میری پوری امت جنت میں داخل ہوگی، سوائے اس کے جس نے انکار کیا۔

صحابہ کرامؓ نے پوچھا: اللہ کے رسول! کون انکار کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ اَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ اَبٰى (۴۱)

جس نے میری اطاعت کی، وہ جنت میں داخل ہوگیا اور جس نے میری نافرمانی کی تو تحقیق اس نے (جنت میں جانے سے) انکار کیا۔

۳۹۔ الاحزاب: ۷۱

۴۰۔ الانعام: ۱۵۳

۴۱۔ صحیح البخاری: رقم ۷۲۸۰

Marfat.com

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

انما مثلی و مثل مابعثنی اللّٰہ به کمثل رجل اتی قوما فقال یا قوم انی رایت الجیش بعینی وانی انا النذیر العریان، فالنجاء، فاطاعه طائفة من قومه فادلجوا فانطلقوا علٰی مهلهم فنجوا، وکذبت طائفة منهم فاصبحوا امکانهم، فصبحهم الجیش فاهلکهم واجتاحهم، فذلك مثل من اطاعنی فاتبع ماجئت به، و مثل من عصانی وکذب بما جئت به من الحق (۴۲)

بلاشبہ میری مثال اور جو دے کر اللہ نے مجھے بھیجا ہے اس کی مثال، اس شخص کی طرح ہے جو کسی قوم کے پاس آئے اور کہے: اے میری قوم! بلاشبہ میں نے اپنی آنکھوں سے لشکر دیکھا ہے اور میں تمہیں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں، چناں چہ بچاؤ کی فکر کرو تو اس قوم کے ایک گروہ نے اس کی بات مان لی اور رات کے آغاز ہی میں نکل بھاگے اور اپنی حفاظت کی جگہ چلے گئے، لہٰذا نجات پا گئے۔ اور ان میں سے ایک گروہ نے جھٹلایا اور اپنی جگہ ہی پر رہے، چناں چہ صبح سویرے ہی لشکر نے انہیں آلیا اور ان کو ہلاک اور تباہ و برباد کر دیا۔ پس یہ مثال ہے اس کی جس نے میری اطاعت کی اور جو چیز (قرآن وحدیث) میں لے کر آیا ہوں، اس کی پیروی کی اور اس کی مثال ہے جس نے میری نافرمانی کی اور جو حق میں لے کر آیا ہوں، اسے جھٹلایا۔

محبت واتباع نبوی ﷺ اور اس کے ثمرات پر گفت گو کرتے ہوئے جن پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا، ان کا خلاصہ یہی ہے کہ محبت نبوی دراصل اتباع نبوی کی تمہید ہے۔ اتباع کے بغیر محبت کے دعوے محض دعوے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اتباع نبوی کی تلقین کی ہے، جو ایمان کا اولین تقاضا بھی ہے، اور مومن کا تعارف بھی۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

۴۲۔ صحیح بخاری: رقم ۷۲۸۳

Marfat.com

غور و فکر اور حکمت و تدبر۔ اسوۂ حسنہ کا ایک اہم پہلو

Marfat.com

غور وفکر اور حکمت وتدبر

اسوۂ حسنہ کا ایک اہم پہلو

اسلام وہ واحد مذہب ہے جو غور وفکر کی نہ صرف تعلیم دیتا ہے بل کہ اس پر ابھارتا اور اس کی ترغیب دلاتا ہے۔ اسلام کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ ایک بہت بڑی نعمت عقل سے کام لے کر انسان غور وفکر کی عادت اپنائے، اور اپنے ہر طرح کے امور، خواہ وہ دنیاوی ہوں یا دینی، حکمت وتدبر کے ساتھ انجام دے۔ جس کے لئے عقل سے کام لینا اور غور وفکر کو وظیفۂ حیات بنانا ناگزیر ہے، تاکہ اس دنیا کے معاملات بھی درست نہج پر استوار ہوسکیں اور آخرت کی تیاری بھی ممکن ہوسکے۔ قرآن حکیم کی ایک سورت میں یہ آیت تکرار کے ساتھ بیان ہوئی ہے:

وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّکْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ O (۱)

بے شک ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کردیا، سو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔

اس طرح غور وفکر کی تلقین وہی کلام کرسکتا ہے جو حد درجہ بل کہ انسانی قوت واختیار سے ماورا سچائیوں کا علم بردار ہو، کیوں کہ اساطیری اور دیو مالائی قصوں مشتمل پر دینی روایات کے حامل مذاہب غور وفکر کے زیادہ متحمل نہیں ہوسکتے۔ یہ اسلام ہی کا اعجاز ہے کہ

۱۔ القمر: ۱۷

Marfat.com

جوں جوں انسان اس کی تعلیمات میں غور وفکر کرتا جاتا ہے، اور قرآن وسنت کے صفحات سے اپنا عقلی رشتہ جوڑتا جاتا ہے، اسی رفتار سے اسلام پر اس کا یقین بڑھتا جاتا ہے، اور اگر اس مطالعے سے قبل اس کا ایمان نامکمل تھا تو اس مطالعے کے نتیجے میں وہ کمال ایمان کی وسعتوں اور گہرائیوں کی لذتوں سے آشنا ہوجاتا ہے۔ اسی بنا پر قرآن حکیم نے نہ ماننے والوں کو بند دلوں والا قرار دیا ہے، جن کے دلوں پر تالے پڑ گئے ہیں، جو سمجھنے اور سوچنے کی صلاحیتوں سے عاری ہو گئے ہیں۔ قرآن کہتا ہے:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَاO (۲)

کیا وہ قرآن میں وہ غور وفکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے ہیں؟

اسلام اسی بنا پر عقل اور علم دونوں کی تلقین کرتا ہے، اور دونوں سے ہدایت لینے کی تعلیم دیتا ہے۔ اسی لئے وہ بار بار عقل والوں کو مخاطب کرتا ہے۔ ہم پھر اپنی بات دہراتے ہیں کہ عقل کو اور اہل عقل کو صرف اور صرف اسلام نے مخاطب کیا ہے۔ اسلام کے علاوہ اس کی کوئی دوسری مثال عالم انسانیت کے پورے مذہبی لٹریچر میں نہیں ملتی۔

قران حکیم مسلسل اہل عقل کو خطاب کرتا ہے، ایک مقام پر عقل والوں کو جھنجوڑتے ہوئے کہتا ہے:

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِیُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِیَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِیَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِO (۳)

یہ (قرآن) ایک پیغام ہے لوگوں کے لئے تاکہ اس کے ذریعے لوگوں کو ڈرایا جائے اور تاکہ لوگ جان لیں کہ وہی ایک معبود برحق ہے: اور تاکہ عقل والے نصیحت پکڑیں۔

قرآن حکیم ایک موقع پر قیام قیامت کے بعد اہل جہنم کی گفت گو نقل کرتے ہوئے کہتا ہے:

۲۔ محمد: ۲۴

۳۔ ابراہیم: ۵۲

Marfat.com

وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِO (۴)

اور وہ کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو ہم اہل دوزخ میں نہ ہوتے۔

یعنی وہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارا انجام ہماری بے عقلی کی علامت ہے۔ اگر ہم غور وفکر سے کام لیتے اور عقل کی خداداد صلاحیتوں کو استعمال کرتے تو اس انجام بد سے ہم یقیناً محفوظ رہ سکتے تھے۔

اسی طرح ایک مقام پر قرآن حکیم ان لوگوں کا تذکرہ کرتا ہے جن کے احساسات مردہ ہو چکے ہیں، جن کے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو چکی ہے، اور جنہوں نے اپنے ذہن کے دریچے بند کر لئے ہیں۔ اب چوں کہ نئی ہواؤں کا گزران کے بالا خانوں سے نہیں ہو سکتا، اس لئے اب غور وفکر کے نتائج وثمرات وہ حاصل نہیں کر سکتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے خائب وخاسر اور راندۂ درگاہ قرار پاتے ہیں۔ قرآن ان محروموں کی منظر کشی کرتے ہوئے کہتا ہے:

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَO (۵)

اور کافروں کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی چلا چلا کر اس چیز کو پکارے جو پکارنے اور چلانے کے سوا کچھ نہ سن سکے۔ (یہ کافر بھی) بہرے، گونگے، اندھے ہیں، سو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔

ایک مقام پر قرآن حکیم نے علم کو بلند ترین مقام پر رکھتے ہوئے اس کا درجہ اس قدر بڑھا کر بیان فرمایا ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی اور مقام شاید ممکن نہ ہو، کیوں کہ علم بھی عقل کا ثمرہ اول ہے، اور علم ہی غور وفکر کی بنیاد بن سکتا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَاۗىِٕمًۢا بِالْقِسْطِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُO (۶)

۴۔ ملک: ۱۰

۵۔ البقرۃ: ۱۷۱

۶۔ آل عمران: ۱۸

Marfat.com

اللہ، فرشتوں اور علم والوں نے انصاف کے ساتھ گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زبردست حکمت والا ہے۔

یقیناً یہ بات درست ہے اور اس میں کوئی تعجب نہیں، کیوں کہ اپنے خیالات اور رسومات کی تنگنائیوں میں محصور انسان نہ تو عقل وشعور کی بلندیوں سے آشنا ہوسکتا ہے، نہ وہ اپنے آپ کو پہچان سکتا ہے کہ معرفتِ رب کا یہ مرحلۂ اول ہے۔ خود خالق کائنات نے قرآن حکیم میں جا بہ جا غور وفکر کی جو تلقین فرمائی ہے، اس کا مقصد وحید یہی ہے کہ مخلوق کو پہچان کر خالق کی معرفت حاصل کی جائے، اور مظاہر قدرت سے خالق ومالک کے مقام ومرتبے کا شعور بے دار کیا جائے۔ جو شخص اپنی عقل کی درماندگی کے سبب اس منزل کا شعور نہیں رکھتا، وہ ذاتِ جلالت مآب کی معرفت کیسے حاصل کرسکتا ہے؟

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں غور وفکر کی بات کرتے ہوئے ہمیں ایک اور پہلو کی طرف بھی توجہ کرنے کی ضرورت ہے، وہ یہ ہے کہ غور وفکر کی تلقین کرتے ہوئے اس کے مقاصد میں قرآن حکیم نے تاریخ سے عبرت پذیری کو بھی شامل کیا ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیمات کا مفہوم یہ ہے کہ دنیا میں چلو پھرو، مگر یہ سارا عمل آنکھیں کھول کر اور عبرت پذیری کے لئے ہو، اس کے بغیر یہ ساری مشقت محض بے کار ٹھہرے گی۔ قرآن حکیم فرماتا ہے کہ انسانی تاریخ کا مطالعہ کرو اور گھوم پھر کر سابقہ امتوں کے حالات کا مشاہدہ کرو، اور دیکھو کہ ان کے عروج وزوال کے اسباب کیا تھے؟ وہ کام یاب ہوئے تو کیوں کر؟ اور اگر ناکام ٹھہرے تو کن اسباب وعلل کی بنیاد پر؟ تاکہ آج کا انسان ان دونوں گروہوں سے، کام یاب لوگوں سے بھی اور ناکام لوگوں سے بھی، عبرت حاصل کرے اور سبق سیکھے۔

قرآن کہتا ہے:

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَکُوْنَ لَہُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِہَآ اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِہَا ۚ فَاِنَّہَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ○ (۷)

۷۔ الحج: ۴۶

Marfat.com

کیا ان لوگوں نے زمین کی سیر نہیں کی کہ (تباہ شدہ بستیوں کو دیکھ کر) ان کے دل ایسے ہو جاتے جن سے یہ سمجھتے یا ان کے کان ایسے ہوتے جن سے یہ سنتے۔ پس آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بل کہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

اور ایک مقام پر قرآن حکیم ماضی میں دنیا سے گزر جانے والی اقوام وملل کے حالات سے عبرت حاصل کرنے کی دعوت یوں دیتا ہے:

قَدْخَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَO هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَO (۸)

تم سے پہلے بہت سے واقعات گزر چکے ہیں سو تم زمین پر چل پھر کر تو دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ یہ لوگوں کے لئے تو بیان ہے اور پرہیز گاروں کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے۔

پھر قرآن حکیم ایک جگہ یہ فرماتا ہے کہ آج کے انسان کی گم راہی کا اصل سبب یہ ہے کہ اس نے تاریخ سے بھی سبق نہیں سیکھا، اور اپنے سے پہلے گزرنے والوں کے حالات سے بھی عبرت حاصل نہیں کی۔ فرمایا:

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍO (۹)

کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھ لیتے کہ ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کا کیا انجام ہوا۔ وہ لوگ قوت میں اور ان آثار میں جو وہ زمین پر چھوڑ گئے ہیں، ان سے بہت زیادہ تھے۔ سو اللہ نے ان کے گناہوں پر ان کو پکڑ لیا اور کوئی انہیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا نہ ہوا۔

اسلام نے اسی بنا پر حکمت وتدبر کو بھی نہایت اہمیت عطا کی ہے۔ قرآن اپنے بہ قول

۸۔ آل عمران: ۱۳۷۔۱۳۸

۹۔ المومن: ۲۱

Marfat.com

کتاب حکمت ہے، اسی بنا پر کتاب ہدایت ہے۔ پھر خود اللہ تعالیٰ کا ایک اسم گرامی حکیم بھی ہے۔ حکیم یعنی صاحب حکمت اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہ تقاضا بھی ہے کہ وہ اپنی مخلوق کے لئے ہدایت کا اہتمام فرمائے۔ چناں چہ قرآن حکیم کا تعارف کراتے ہوئے ایک مقام پر خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَO (۱۰)

اور ہم نے آپ پر ایک ایسی کتاب (قرآن) نازل کی ہے جو ہر چیز کو صاف صاف بیان کرتی ہے اور وہ مسلمانوں کے لئے ہدایت و رحمت اور بشارت ہے۔

یہ اور اس طرح کی دوسری آیات میں یہ واضح پیغام دیا گیا ہے کہ قرآن حکیم نہ صرف یہ کہ حکمت ودانائی کا سرچشمہ ہے، بل کہ بے شمار لامتناہی علوم ومعارف کا منبع واحد بھی وہی ہے۔

مولانا سید زوار حسین شاہ رحمہ اللہ حکمت کی تشریح اور اس کے مفاہیم کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حکمت کا لفظ قرآن کریم میں متعدد معانی مثلاً علم، عقل، حلم، بردباری، نبوت، اصابت رائے وغیرہ کے لئے استعمال ہوا ہے۔ ابوحیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حکمت سے مراد وہ کلام ہے جس سے لوگ نصیحت حاصل کرسکیں اور وہ ان کے دلوں میں اثر کرجائے اور جس کو لوگ محفوظ کر کے دوسروں تک پہنچائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حکمت سے مراد عقل وفہم اور ذہانت ہے۔ درحقیقت ان معانی میں کوئی تضاد نہیں ہے، کیوں کہ یہ سب چیزیں حکمت میں داخل ہیں اور قرآن حکیم ان سب خوبیوں کا حامل اور جامع ہے، کلماتِ حکمت میں سب سے پہلی بات عقائد کی درستی ہے، قرآن کریم میں عقائد کی درستی کو مقصد اول قرار دیا گیا ہے اور عقائد کی درستی میں

۱۰۔ النحل:۸۹

Marfat.com

سب سے پہلی چیز اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانا، اللہ تعالیٰ کو بلاشرکت غیرے تمام جہانوں کا خالق اور مالک جاننا اور اس کی عبادت میں کسی غیر اللہ کو شریک نہ ٹھہرانا ہے۔ اس عقیدے کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں جگہ جگہ ارشاد فرمائی ہے اور معمولی سے تدبر سے بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس عقیدے کو قرآن کریم کا نہایت بنیادی مقصد قرار دیا ہے، اسی طرح عقائد سے متعلق دوسرے امور یعنی فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور یومِ آخرت وبعث بعدالموت وتقدیر پر ایمان لانے کی وضاحت واہمیت کو نہایت حکیمانہ انداز میں متعدد مقامات پر مختلف ودل کش ودل پذیر انداز میں بیان فرمایا ہے۔ (۱۱)

حکمت مومن کی متاع گم شدہ ہے، مومن کا تعارف اور پہچان ہے، ابوامامہ اور ابو سعید رضی اللہ عنہما سے منقول ایک روایت میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کی فراست کو نورِ الٰہی کا پرتو قرار دیا ہے۔ فرمایا:

اِتَّقُوا فراسة المومن، فانه ينظر بنور اللّٰه (۱۲)

مومن کی فراست سے ہوشیار رہو، کیوں کہ وہ اللہ کے نور کے ذریعے دیکھتا ہے۔

اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے، فرمایا:

الحكمة ضالة المومن (۱۳)

حکمت تو مومن کی متاع گم شدہ ہے۔

یہی سبب ہے کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے فرائض منصبی بیان کرتے ہوئے فرمایا:

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ

۱۱۔ مولانا سید زوار حسین شاہ۔ مقالات زواریہ۔ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی ۱۹۹۸ء: ص ۲۲

۱۲۔ ہیثمی۔ مجمع الزوائد۔ دارالفکر، بیروت، ۱۹۹۴: ج ۱۰، ص ۴۷۳، رقم ۱۷۹۴۰

۱۳۔ العجلونی۔ کشف الخفاء: ج ۱، ص ۴۳۵

Marfat.com

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (۱۴)

اسی نے امیوں (ان پڑھ عربوں) میں اپنا رسول بھیجا جو انہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چار مقاصد بیان فرمائے ہیں:

۱۔ آیات کی تلاوت

۲۔ تزکیہ نفوس

۳۔ تعلیم کتاب

۴۔ تعلیم حکمت۔

پھر یہی چار مقاصد بعثت الفاظ کی قدرے تقدیم وتاخیر کے ساتھ سورہ بقرہ آیات ۱۲۹، ۱۵۱ اور آل عمران ۱۶۴ میں بھی بیان کیے گئے ہیں۔ چناں چہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ (۱۵)

اے ہمارے پروردگار! ان میں ان ہی میں سے ایک ایسا رسول بھیج جو ان کو تیری آیتیں (پڑھ کر) سنایا کرے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے (پاک صاف بنادے)۔

ان مقاصد میں حکمت ایک علیحدہ مقصد کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ حکمت کے بہت سے مفاہیم ہوسکتے ہیں، لیکن اس آیت کی تشریح اور تفسیر میں صحابہ کرام اور تابعین سمیت مفسرین نے جو مفہوم بیان کیا ہے، اس کی رو سے اس کا مفہوم سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کچھ اور نہیں نکلتا۔ دوسرے مقام پر قرآن حکیم یہ وضاحت بھی فرماتا ہے کہ حکمت کا نزول اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ چناں چہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۴۔ الجمعہ: ۲

۱۵۔ البقرۃ: ۱۲۹

Marfat.com

وَاَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ (۱۶)

اور اللہ نے آپ پر کتاب وحکمت نازل کی اور آپ کو وہ باتیں سکھائیں جو آپ نہیں جانتے تھے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَمَاۤ اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ الۡكِتٰبِ وَالۡحِكۡمَةِ يَعِظُكُمۡ بِهٖ (۱۷)

اور تم پر جو اللہ کی نعمتیں ہیں ان کو یاد کرو اور یہ احسان بھی یاد کرو کہ اس نے تم پر کتاب وحکمت نازل کی اور وہ اس کے ذریعے تمہیں نصیحت کرتا ہے۔

خود جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے منقول ہے کہ آپ نے اسی قرآنی مفہوم کو اپنے الفاظ میں بیان فرمایا۔ مقدام بن معدی کرب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

آگاہ رہو مجھے کتاب (قرآن) عطا کی گئی ہے اور اس کے ساتھ اسی جیسی ایک اور چیز بھی دی گئی ہے۔ آگاہ رہو! قریب ہے کہ ایک پیٹ بھرا شخص اپنی مسند سے ٹیک لگائے ہوئے کہے گا کہ تمہارے لئے صرف یہ قرآن حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ پس جو کچھ تم اس میں حلال پاؤ، اسے حلال سمجھو اور جو کچھ اس میں حرام پاؤ، اسے حرام سمجھو۔ (۱۸)

حضرت معاذ بن جبل کے ساتھیوں سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو (قاضی بنا کر) یمن بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ جب تمہارے سامنے فیصلے کے لئے کوئی معاملہ پیش ہوگا تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟ حضرت معاذ نے عرض کیا کہ میں اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے دریافت

۱۶۔ النساء: ۱۱۳

۱۷۔ البقرۃ: ۲۳۱

۱۸۔ ابوداؤد: ج ۴، ص ۲۰۴، رقم ۴۶۰۴

☆ ترمذی: ج ۴، ص ۳۰۲، رقم ۲۶۷۳

Marfat.com

فرمایا کہ اگر اللہ کی کتاب میں اس کا جواب نہ پاؤ تو؟ حضرت معاذ نے عرض کیا: پھر سنت رسول سے (فیصلہ کروں گا) آپ ﷺ نے فرمایا: اگر اللہ کے رسول کی سنت میں بھی (اس کا حکم) نہ پاؤ تو؟ حضرت معاذ نے عرض کیا تو پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھوں گا۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت معاذ کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا:

الحمد لله الذی وفق رسول الله رسول الله لما یرضی رسول الله

تمام تعریف اللہ کو سزاوار ہے جس نے رسول اللہ کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پسند کرتے ہیں۔ (۱۹)

یہی سبب ہے کہ جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بارے میں اہل سیر متفق ہیں کہ آپ کے حکمت و دانائی، غور و فکر، فہم و فراست اور تدبر کا کوئی دوسرا مثیل نہیں ہوسکتا۔ اس لئے بھی کہ ماقبل میں بیان ہو چکا ہے کہ خود جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ فراستِ مومن سے ہوشیار رہو۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ فراست ایمان کی کوکھ سے جنم لیتی ہے، تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان کی بلندی اور وسعت کو دنیا میں کیوں کر ناپا جاسکتا ہے؟ اس لئے آپ کی فراست، حکمت اور دانائی کی بلندی، وسعت اور گہرائی کی بھی کسی دوسرے سے مثال نہیں دی جاسکتی۔

چناں چہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں فہم و فراست، ذکاوت و ذہانت، تدبر و تعقل اور حکمت و دانائی کے باب میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے فائق نظر آتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہری اسباب کے لحاظ سے اُمّی تھے کہ ایک لمحے کے لئے بھی آپ نے کسی مکتب، درس گاہ یا کسی شخصیت سے کسی نوعیت کا بھی اکتساب فیض نہیں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ عطا ہوا، سب کا سب بہ راہ راست اللہ تعالیٰ کا عطا فرمودہ تھا۔ اس اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فہم و فراست، ذکاوت اور حکمت بھری حیات طیبہ آپ ﷺ کی نبوت کی بہت بڑی دلیل ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سب سے برگزیدہ

۱۹۔ ابوداؤد: ج ۳، ص ۲۹۵، رقم ۳۵۹۲

☆ حاکم۔ المستدرک: ج ۱، ص ۱۷۲، رقم ۳۱۹

Marfat.com

پیغمبر اور سب سے عالی مرتبت نبی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فطری طور پر ذکاوت و ذہانت، فہم و فراست، سلامتِ فکر اور جودتِ طبع کے اعتبار سے بے مثال و باکمال پیدا کیا تھا، اور انسانی تاریخ کا مکمل غیر جانب داری سے مطالعہ کرنے والا شخص بالآخر یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اس مرتبے اور مقام کا حامل کوئی اور نہ آپ سے پہلے آیا، نہ آپ کے بعد، اور سچ تو یہ ہے کہ مجموعی اعتبار سے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال کیا ملے گی، حیاتِ انسانی کے کسی ایک شعبے اور زندگی کے کسی ایک معاملے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبے کا کوئی شخص پاسنگ بھی نظر نہیں آتا۔

گو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا، نہ کسی سے تعلیم حاصل کی، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات تمام علوم و معارف اور حقائق و معارف کا سرچشمہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات جس قدر علوم و معارف کا منبع و ماخذ ہے، دنیا میں کسی کو اتنے علوم کی ترویج و ترتیب کا شرف حاصل نہیں ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلا ہوا ہر لفظ دنیائے علم و حکمت میں نئی راہیں پیدا کرنے کا موجب بنا اور آپ ﷺ کی ذات سے وابستہ ہر بات مسلمانوں کے لئے ہی نہیں، غیر مسلم دانشوروں اور اہل علم کے لئے بھی تحقیق و تدقیق کا بہترین موضوع بنی ہوئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بے مثال علمی ورثہ چھوڑا ہے، وہ آج بھی پوری کائنات کے لئے سرچشمۂ ہدایت اور پوری بنی نوع انسان کے لئے چراغِ راہ کا کام کر رہا ہے۔ (۲۰)

حکمت و دانائی رسول اللہ ﷺ کے مزاج کا بھی حصہ ہے اور آپ کا تعارف بھی۔ آپ کی عسکری زندگی ہو یا سیاسی، دونوں محاذوں پر آپ کی کامیابی آپ کی حکمت و دانائی کا بین ثبوت ہے اور یہی حکمت و دانائی ہمارے لئے ایک سبق بھی ہے اور مثالی اسوۂ حسنہ بھی اہم ترین بات یہ ہے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات مبارکہ میں اپنے ہر ہر محاذ پر اپنی حکمت و دانائی کے سبب کامیاب و کامران رہے۔ آپ کی یہ کامیابی و کامرانی پورے عالم اسلام میں آپ کو بہ حیثیت قائد اور مدبر ممتاز اور نمایاں ترین مقام پر فائز کرتی

۲۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ دانش گاہ پنجاب: جلد محمد رسول اللہ ﷺ، ص ۱۱۱

Marfat.com

ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت اور تدبر پر گفت گو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک اور چیز جو رسول اللہ ﷺ کو دوسرے تمام مدبرین کے مقابلے میں امتیاز اور ان پر فوقیت بخشتی ہے، وہ یہ ہے کہ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا قائد اور مدبر بھی کبھی اس میں کام یاب نہیں ہو سکا کہ اپنی زندگی میں یا اپنے بعد ہی ایسے لوگ پیدا کر سکتا جو اس کے پیغام، اس کی فکر، اس کے فلسفے، اس کے قائم کردہ نظام اور اس کے پیش کردہ طریق زندگی کی روح سے واقف ہوں، اسی انداز سے اس کی اٹھائی ہوئی تحریک کو لے کر آگے چل سکیں اور اس کی جانشینی کے جملہ تقاضے پورے کر سکیں۔ اس معاملے میں اگر کسی کو بہت زیادہ کام یابی حاصل ہوئی ہے تو صرف اس قدر کہ اس کے مرنے کے بعد دو ایک آدمی ایسے کھڑے ہو گئے جنھوں نے جزوی طور پر اس کے شروع کئے ہوئے مشن کی کچھ خدمت کی اور پھر وہی قحط الرجال اور بے مردی کا عالم۔ مہاتما بدھ، کنفیوشش اور حضرت عیسیٰ مسیح سے لے کر موجودہ زمانے کے قائدین تک کون ہے جس نے اپنے جیسے جانشینوں کی ایک جماعت چھوڑی ہو، جس نے اپنے قائد کے مشن کو کما حقہ آگے بڑھایا ہو اور ان ہی خطوط پر تحریک کی رہ نمائی کی ہو جو قائد تحریک کے پیش نظر تھے۔

دوسری طرف محمد رسول اللہ ﷺ کو دیکھئے اور آپ کے پاک باز ساتھیوں پر نظر ڈالئے ان میں سے ہر ایک بہ قول زبان وحی آسمان ہدایت کا نجم تاباں ہے۔ ان حضرات نے کہاں تک پیغام محمد کی روح کا درک حاصل کیا؟ اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ ماہرین حدیث نے تصریح کی ہے کہ صحابہ کا وہ گروہ جس سے آں حضرت ﷺ کے متعلق کوئی نہ کوئی حدیث مروی ہے، ایک لاکھ سے زائد تعداد رکھتا ہے، محمد رسول اللہ ﷺ نے ۲۳ سال کے عرصے میں کیسے ساتھی تیار کئے تھے؟ یہ حضرت ابوبکرؓ کے عزم و استقلال، حضرت عمرؓ کے عدل و انصاف حضرت عثمانؓ کی حیا اور حضرت علیؓ کی قضا سے معلوم ہوگا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے مشن کو ان کے بعد کیسے لوگوں نے آگے بڑھایا؟ یہ اللہ کی تلوار حضرت خالدؓ بن ولید کی شجاعت، عمرو بن العاص کی سیاست، فاتح ایران سعد بن ابی وقاص کی عسکری قیادت سے پتا چلے گا۔ پیغام محمد کی روح کو سمجھنے والے کیسے تھے؟ یہ ہم کو حضرت عائشہؓ اور ابو ہریرہؓ کے درسِ حدیث، ابو درداؓ اور زید بن ثابتؓ کے درس قرآن، عبداللہ بن عباسؓ کے درسِ تفسیر اور

Marfat.com

عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے درسِ فقہ میں معلوم ہوگا۔ الغرض محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھیوں کی کس کس صفت کا ذکر کیا جائے:

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمۂ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجا ست (۲۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں ہمہ گیری اور اسوہ حسنہ کی ہمہ جہتی کے سبب ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ میں انسانی زندگی کے حوالے سے ہر پہلو سے رہ نمائی میسر آتی ہے۔ تدبر و تفکر اور حکمت کے مظاہر جس قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں نظر آتے ہیں، اس قدر کسی اور ذات میں ملنا ممکن نہیں۔

لیکن تدبر اور حکمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا محض ایک پہلو ہے اور بہ حیثیت مدبر بھی آپ کا مقصد یہی تھا کہ لوگوں تک ان کے رب کا پیغام ہدایت پہنچایا جائے اور پھر اس پیغام کو قبول کرنے والوں کی تعلیم و تربیت کے ذریعے ایک امت مسلمہ کی تشکیل ہو، یہ امت مسلمہ زمین پر اللہ تعالیٰ کی حجت و برہان قرار پائے، اس کے جملہ انفرادی و اجتماعی نظامات اسلام کی بنیادوں پر قائم ہوں، اس کے تمدن کی اساس قرآن و سنت پر ہو۔ یہ امت دنیا میں عدل و انصاف کی علم بردار ہو، اور زبان حال اور زبان قال سے شہادت حق کا عظیم الشان فریضہ سرانجام دے۔ حق و باطل کا میعار وہی اصول قرار پائیں، جن پر اس امت کی اساس ہو۔ اقوام عالم کی فکری تہذیبی رہ نمائی کا منصب اس امت کو حاصل ہو۔ یہ امت ان اصولوں پر دنیا بھر کی اصلاح کے لئے کوشش کرے اور دنیا کے انسانوں تک دین حق کی دعوت کو پہنچائے۔ حق و باطل کے فرق کو واضح کرنے کی کوشش کرے اور اسی طرح دنیا میں اللہ کی حجت تمام ہو جائے:

لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَیَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ (۲۲)

جو ہلاکت میں پڑنا چاہے (وہ سوچ سمجھ کر) دلیل کے ذریعے ہلاک ہو اور

۲۱۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت و تدبر۔ ماہ نامہ مسیحائی، سیرت رسول نمبر، اپریل ۲۰۰۳ء: ص ۹۱

۲۲۔ الانفال: ۴۲

Marfat.com

جو زندہ رہنا چاہے وہ بھی (علی وجہ البصیرت) دلیل کے مطابق زندہ رہے۔ (۲۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تدبر اور حکمت کے مظاہر آپ ﷺ کی پوری حیات مبارکہ پر محیط ہیں۔ ان واقعات میں سے ہر واقعہ ہمارے لئے بصیرت افروز بھی ہے اور نصیحت آمیز بھی۔ اس بنا پر ہم چند واقعات اور ان سے اخذ شدہ نتائج ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے پہلے کا واقعہ ہے۔ بیت اللہ کی تعمیر نو کا فیصلہ کیا جاتا ہے، تعمیر شروع ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں بہ نفس نفیس حصہ لیتے ہیں۔ روایات کے مطابق اس وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک ۳۵ برس تھی۔ حجر اسود کی تنصیب کا مرحلہ آتا ہے، حجر اسود اس وقت بھی عظمت و افتخار کی علامت تھا، قبائل عرب اپنی روایت کے عین مطابق اس فخر و مباہات کو حاصل کرنے کے لئے لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس بحث مباحثے میں کئی روز بیت گئے۔ پانچ روز تک کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ عربوں کی تاریخ، ان کے مزاج اور رواج کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ اگر اس وقت ان کے مابین اس بنیاد پر کوئی لڑائی چھڑ جاتی تو برس نہیں، بل کہ صدیاں اس لڑائی کی نذر ہو جاتیں، اور فیصلہ پھر بھی نہ ہوتا۔

پانچویں روز یہ طے ہوا کہ کل صبح سب سے پہلے حرم میں آنے والے شخص کو ثالث بنا لیا جائے۔ اتفاق کہیئے یا مشیت الٰہی، جب سب لوگ علی الصبح حرم میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پر تشریف فرما ہیں۔ سب نے دیکھتے ہی بے ساختہ کہا کہ یہ تو محمد ہیں، یہ امین ہیں، ہم امین کی ثالثی پر راضی ہیں۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو اس شرف کو اپنے لئے، اپنے قبیلے کے لئے یا اپنے خاندان کے لئے خاص کر لیتے، مگر آپ کے تدبر نے اس کا راستہ یہ تجویز کیا کہ آپ نے ایک چادر منگوائی اور حجر اسود کو اپنے دست مبارک سے اس پر رکھ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر قبیلے کا سردار اس چادر کو تھام لے، تا کہ ہر قبیلے کو اس شرف میں شرکت کا اعزاز حاصل ہو جائے۔ جب حجر اسود کو مقام تنصیب تک پہنچا دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے

۲۳۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت و تدبر: ص ۹۱

Marfat.com

اسے وہاں نصب فرما دیا۔ (۲۴)

درحقیقت یہ محض آپ ﷺ کی فہم وفراست اور حسن تدبر سے ہی ممکن ہوا، ورنہ مشرکین عرب تو پانچ روز تک غور وفکر کے باوجود اس مسئلے کو حل کرنے سے عاجز آچکے تھے۔ قبل از نبوت ذات رسالت مآب علیہ صلوٰۃ والتسلیم کی حکمت کی یہ نہایت نمایاں مثال ہے۔

روایات سے یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل از نبوت بھی مشرکین مکہ کی عملی خرافات اور اعتقادی برائیوں یعنی مراسم شرک سے مجتنب ومحفوظ تھے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جاہلیت کی تمام برائیوں سے محفوظ و مامون رکھا، یہ آپ کی کرامت اور مستقبل میں ملنے والی رسالت کے سبب سے ممکن ہوا۔ (۲۵)

یہ بات نہایت حیرت کا باعث ہے کہ اس ماحول میں جب کہ مراسم شرک کا رجحان ان کی زندگی کا لازمہ بن چکا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے کس طرح محفوظ رہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اس مرحلے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غور وفکر اور فہم و فراست نے اللہ تعالیٰ کی رہ نمائی میں آپ پر یہ واضح فرما دیا تھا کہ مشرکین مکہ کے توہمات، معمولات، مراسم شرک اور دیگر اعتقادی وعملی خرابیاں انسان کی فطرت کے خلاف ہیں، اور انسانی فطرت اور شرافت نفس کا تقاضا یہی ہے کہ انسان ان سب چیزوں سے محفوظ و مامون رہے۔ (۲۶)

۲۴۔ ابن سید الناس۔ عیون الاثر۔ مکتبہ دار التراث، مدینہ منورہ ۱۹۹۲ء: ج ۱، ص ۱۲۱

☆ حلبی۔ انسان العیون۔ دار احیاء التراث العربی، بیروت: ج ۱، ص ۲۲۹

☆ زرقانی علی المواهب اللدنیہ: ج ۱، ص ۲۰۳

۲۵۔ دکتور سلیمان بن حمد العودۃ۔ السیرۃ النبویہ فی الصحیحین وعند ابن اسحاق۔ ریاض، دار الطیبہ ۲۰۰۲ء: ص ۱۳۴

۲۶۔ مراسم شرک سے اجتناب کے حوالے سے تفصیلات کے لئے ملاحظہ کیجئے:

☆ ابن ہشام۔ دار المعرفہ، بیروت، ۱۹۷۸ء: ج ۱، ص ۲۰۷

☆ فتح الباری: ج ۷، ص ۱۷۹

☆ مسند احمد: ج ۵، ص ۵۹

Marfat.com

وحی الٰہی کی آمد کے قریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحنث کا سلسلہ اختیار فرمایا۔ آپ ﷺ سامان خورد ونوش لے کر رہائشی آبادی سے دور غار حرا کی بلندی پر تشریف لے جاتے اور تمام دنیاوی علائق سے الگ اور انسانی زندگی کے جھمیلوں سے دور رہ کر کائنات کی حقیقتوں میں غور وفکر، مظاہر قدرت میں تفکر اور مجاہدے، ریاضت وعبادت میں مشغول رہتے۔

علامہ بدرالدین عینی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق عبادت اور تحنث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قيل ما كان صفة تعبده اجيب بان ذلك كان بالتفكر والاعتبار (۲۷)

یہ سوال کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کیا تھی؟ جواب یہ ہے: کہ غور وفکر اور عبرت پزیری۔

بخاری کی روایت میں یہ صراحت بھی موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ روز کا زادراہ لے کر تشریف لے جاتے، اور جب سامان ختم ہو جاتا تو آپ پھر لوٹتے اور پھر مزید گزربسر کی ضروری چیزیں لے کر غار حرا تشریف لے جاتے۔ (۲۸)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکمت، فہم و فراست کے ذکر میں آپ کی اسلوب دعوت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ سب جانتے ہیں کہ اسلام کے آغاز کے بعد تین سال نہایت خاموشی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغی ذمے داریاں ادا کیں، اس دوران آپ نماز بھی ادا فرماتے تو ایسے مقام پر جہاں عام طور پر لوگوں کا گزر نہ ہوتا، اس مقصد کے لئے عموماً مکہ مکرمہ کی کسی وادی کا انتخاب ہوتا۔ پھر تین سال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلانیہ تبلیغ کے لئے حکم نازل ہوا اور قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ○ (۲۹)

۲۷۔ علامہ بدرالدین عینی۔ عمدۃ القاری۔ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، بیروت: ج ۱، ص ۶۷

۲۸۔ بخاری: ج ۱، ص ۵، رقم ۳

☆ مسلم: ج ۱، ص ۱۲۷، رقم ۲۵۲

۲۹۔ الحجر: ۹۴

Marfat.com

آپ کو جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اسے خوب کھول کر بیان کیجئے اور مشرکوں کی ذرا پروانہ کیجئے۔

چناں چہ اس آیت کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی کھل کر سامنے آ گئے اور علانیہ تبلیغ کرنے لگے۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ○ (۳۰)

اور آپ (سب سے پہلے) اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈرایئے۔

چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خاندان سے دعوت اسلام کا آغاز کیا اور قرابت داروں کو قرآن کریم کی ہدایت کے مطابق دعوت اسلام دی۔ اب یہاں پر غور طلب بات یہ ہے کہ اس آیت میں تبلیغ رسالت کے لئے خاندان کے لوگوں کی تخصیص کیوں کی گئی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ کنبے اور خاندان کے لوگ اپنے تعلق اور رشتے کی بنا پر اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ ہر اچھے کام میں ان کو دوسروں پر ترجیح دی جائے۔ اس کے علاوہ باہمی تعلقات اور ذاتی واقفیت کی بنا پر ان کے سامنے کسی قسم کا جھوٹا دعویٰ کام یاب نہیں ہوسکتا۔ اگر قریبی رشتے دار کسی اچھی تحریک کے حامی بن جائیں تو ان کی حمایت وامداد پائے دار ہوتی ہے۔ اس طرح حق وصداقت کی بنیاد پر جب قریبی رشتے داروں کا ایک ماحول اور فضا تیار ہو جاتی ہے تو اس سے دین کے احکام پر عمل کرنے میں سہولت پیدا ہوتی ہے اور پھر یہ مختصر سی طاقت، جماعتی شکل اختیار کر کے دوسروں تک دعوت وتبلیغ میں مدد دیتی ہے۔

اسی لئے اس آیت کریمہ میں قریبی رشتے داروں کی تخصیص کی گئی ہے۔ چناں چہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے خاندان کے تمام لوگوں کو جمع فرما کر پیغام حق سنایا۔ اگر چہ اس وقت لوگوں نے حق قبول کرنے سے انکار کیا مگر رفتہ رفتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے، اور آپ کے چچا حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے سے اسلام کو بڑی قوت ملی۔ (۳۱)

نبوت کے آغاز کے بعد ہی مسلمانوں کو سخت ترین آزمائش کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے

۳۰۔ الشعراء: ۲۱۴

۳۱۔ مفتی محمد شفیع۔ معارف القرآن۔ ادارۃ المعارف، ۱۹۷۶ء: ج ۶، ص ۵۵۳

Marfat.com

اپنے شہر کے در و دیوار ان کے لئے اجنبی بنا دیئے گئے اور ان کا، محض کلمہ توحید کا اقرار کرنے کی پاداش میں، جینا دوبھر کر دیا گیا۔ ایسے میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی خدا داد فہم و فراست سے کام لیتے ہوئے فیصلہ کیا کہ مسلمان ہجرت کر کے حبشہ منتقل ہو جائیں، چناں چہ ابن شہاب زہری کی روایت میں مذکور ہے کہ جب مسلمانوں کو کفار کی طرف سے پہنچنے والی ایذا رسانی میں اضافہ ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ زمین میں پھیل جاؤ، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں عن قریب پھر جمع کرے گا۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ کہاں جائیں تو آپ ﷺ نے حبشہ کی جانب اشارہ فرمایا۔ (۳۲)

یہ ہجرت مسلمانوں کے لئے عارضی سہارا اور ان کے جذبات کو بلند رکھنے کا بہت بڑا سبب ثابت ہوئی۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنی فہم و فراست اور ہمت و تدبر سے کام لے کر مسلمانوں کے بہت بڑے طبقے کو ایک مشکل دور اور خطرناک حالات سے نجات دلائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر ہجرت بھی ایک عظیم الشان واقعہ ہے، ہجرت کے لئے مدینہ منورہ کا انتخاب اللہ کی جانب سے ہوا اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے فہم و فراست سے کام لے کر اسلام اور دعوت اسلام کو فروغ دینے والے عوامل تلاش کئے اور انہیں بنیاد بنا کر ایک ایسی ریاست کی تشکیل دی، جس نے آئندہ چل کر پوری کائنات میں امامت کا فریضہ سرانجام دیا۔ اس وقت وہاں موجود قبائل پہلے سے بالادست حیثیت کے حامل تھے، اس بنا پر مسلمانوں کو ایک نئے نظام کی تنفیذ اور نئے معاشرے کی تاسیس کے لئے فضا ہموار ملی اور رسول اللہ ﷺ نے وہاں اسلامی ریاست کی داغ بیل ڈالی۔

اس ریاست کے قیام میں ایک حکمت یہ پنہاں تھی کہ اس کی نتیجے میں اسلام کی تعلیمات کا وہ حصہ جو حکومت و ریاست سے تعلق رکھتا تھا، عملی صورت میں عوام الناس کے سامنے آیا اور انہوں نے جان لیا کہ اسلامی نظام کی برکتیں انسانی زندگی کے ہر پہلو کو محیط ہیں۔ یہاں آنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ بھی ممکن ہوا کہ آپ مختلف قبائل سے برابری کی سطح پر معاہدے کریں اور اسی طرح اطراف کی حکومتوں اور قبائل کو یہ پیغام دیں کہ اسلام ایک قوت ہے اور مسلمان اس کائنات کی نہایت اہم حقیقت، اب ان

۳۲۔ عبدالرزاق۔ المصنف۔ مجلس العلمی، کراچی، ۱۹۷۲ء: ج ۵ ص ۳۸۴

Marfat.com

سے برابری کی سطح پر بات کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ اس طرح قریش مکہ کی جانب سے مسلمانوں کو عام معاشرے سے کاٹ کر الگ کرنے اور نظر انداز کرنے کی کوشش ناکام ہو گئی۔ اسی طرح ہجرت مدینہ ہی سے یہ بھی ممکن ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے امیر ریاست کی حیثیت سے دعوت اسلام سے اطراف کی حکومتوں اور قبائل کو آگاہ کیا اور انہیں خطوط لکھ کر اسلام کی حقانیت کی جانب متوجہ کیا۔ ان خطوط کے اسلوب سے بھی یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ حکم رانوں کو اسلام کی دعوت دی، بل کہ دعوت قبول نہ کرنے کی صورت میں نتائج وعواقب کی ذمے داری بھی ان ہی پر عائد کی۔ ان خطوط اور معاہدات کی روشنی میں اسلامی ریاست کو اطراف کی چھوٹی بڑی تمام قوتوں نے قبول کر لیا اور یوں مسلمانوں کی حیثیت مسلم اور ان کی ریاست مستحکم ہو گئی۔ یہ سب کچھ ہجرت مدینہ ہی کے ذریعے ممکن ہوا۔

ہجرت مدینہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اہم چیلنجز درپیش تھے، ان میں سب سے بڑا چیلنج ان سیکڑوں مسلمان خاندانوں کی آبادکاری کا چیلنج تھا، جو ہجرت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر مدینہ طیبہ آئے تھے اور مکہ مکرمہ میں اپنا سب کچھ چھوڑ کر انہوں نے اپنا زندگی بھر کا اثاثہ اسلام پر قربان کر دیا تھا۔ ان کی آبادکاری محض ایک معاشی مسئلہ نہیں تھا، بل کہ اس کے سماجی اثرات بہت نمایاں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حل اس طرح پیش کیا کہ دنیا میں اس کی مثال نہ آپ سے پہلے ملتی ہے نہ آپ کے بعد۔ آپ نے مواخات اور اسلامی بھائی چارے کا عالم گیر نظریہ پیش کیا اور ذی حیثیت انصار کو ایثار پیشہ مہاجرین کا بھائی بنا دیا۔ ایک ایک شخص کو مہاجرین میں سے ایک۔ ایک انصاری کے ساتھ رشتہ مواخات میں منسلک کر دیا گیا، اور یہ رشتہ اس قدر مضبوط بنیادوں پر استوار کیا گیا کہ ہر انصاری نے اس رشتے کو سگے رشتے سے زیادہ فوقیت دی اور گھر کی ہر چیز حتیٰ کہ جن کی دو بیویاں تھیں، انہوں نے طلاق کے ساتھ مشروط کر کے ایک بیوی اپنے مہاجر بھائی پر قربان کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ (۳۳)

۳۳۔ چناں چہ ملاحظہ کیجیے سعد بن ربیع اور عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہما کا واقعہ۔ بخاری: ج ۲، ص ۲۱۲

Marfat.com

یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت و تدبر اور فہم و فراست کی بہ دولت ہوا۔ اس مواخات کے ذریعے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے دونوں طبقات مہاجرین اور انصار کے درمیان کسی قسم کی سماجی تفریق جنم نہ لے سکی، بل کہ ان کے معاشی مسائل بھی حل ہو گئے اور رفتہ رفتہ مہاجرین نے اپنی محنت اور ذہانت کے بل بوتے پر نہ صرف یہ کہ اپنے آپ کو مستحکم کر لیا بل کہ اسلامی ریاست کے ایک کارکن کی حیثیت سے اس کے دست و بازو بن گئے۔ (۳۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تدبر اور فہم و فراست کے حوالے سے ایک اور واقعہ جو قابل غور ہے، وہ صلح حدیبیہ کا واقعہ ہے۔ یہ واقعہ نہایت اہمیت کا حامل ہے، اس بنا پر کہ اس واقعے نے نہ صرف یہ کہ جغرافیائے عرب پر مثبت اثرات مرتب کیے، بل کہ پورے جزیرۃ العرب کی تاریخ میں اس سے بہت بڑا تغیر واقع ہوا اور ماضی کے برعکس مستقبل کے بہت سے روشن امکانات نے اس واقعے سے جنم لیا۔

صلح حدیبیہ کی پوری تفصیلات بیان کرنے کی ضرورت نہیں، نہ اس کا موقع ہے، البتہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی افواہ پھیلی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ردعمل میں صحابہ کرامؓ سے، جن کی تعداد روایات میں چودہ سو سے سولہ سو کے درمیان بیان ہوئی ہے، جہاد کی بیعت لی اور حالات کی سنگینی اور مسلمانوں کی بے سروسامانی کے باوجود ان کے جذبہ جہاد نے اس بے یقینی کے ماحول میں ایسی فضا کی تشکیل کی کہ ایک جانب تو قرآن حکیم نے اس بیعت کو بیعت رضوان قرار دے کر اس کی ستائش میں پورا بیان نازل فرمایا اور اس بیعت میں شریک صحابہ کرام کو نزول سکینہ اور رضائے خداوندی کی بشارت دی۔ (۳۵)

۳۴۔ شامی۔ سبل الہدیٰ والرشاد۔ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۳ء: ج ۳، ص ۳۶۳

☆ سہیلی۔ الروض الانف۔ دارالمعرفہ، بیروت، ۱۹۷۸ء: ج ۲، ص ۲۵۲

☆ زرقانی: ج ۱، ص ۳۷۳

۳۵۔ شامی: ج ۵، ص ۵۰

☆ زرقانی: ج ۲، ص ۲۰۷

Marfat.com

چناں چہ سورۂ فتح میں اس بیعت کا ذکر ان الفاظ میں بیان ہوا ہے:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَافِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًاO وَمَغَانِمَ كَثِیْرَةً یَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًاO (۳۶)

البتہ اللہ ایمان والوں سے راضی ہوگیا، جب کہ وہ اس درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے، پھر اس نے معلوم کرلیا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا پھر ان پر سکینت اتاری اور ان کو نزدیک آنے والی فتح دی۔ اور بہت سی غنیمتیں بھی دے گا، جن کو وہ لیں گے، اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔

اور دوسری جانب بیعت رضوان کا وہ منظر اس قدر مرعوب کن تھا کہ اس سے قبل لڑائی کے بہانے تلاش کرنے والے قریش بیعت کا منظر دیکھتے ہی خوف زدہ ہو گئے اور صورت حال سے مرعوب ہو کر انہوں نے صلح پر آمادگی ظاہر کر دی۔ (۳۷)

یہ صلح جن حالات میں اور جن شرائط کے تحت ہوئی، وہ مسلمانوں کے نقطہ نظر سے قطعاً خوش کن نہیں تھیں۔ اس بات کا اندازہ ان شرائط کے سرسری مطالعے سے ہی کیا جا سکتا ہے۔ چناں چہ ملاحظہ کیجئے کہ اس صلح کی شرائط کیا تھیں:

۱۔ دس سال تک دونوں فریقوں میں جنگ بند رہے گی، اس دوران کوئی ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار نہ اٹھائے گا اور نہ کوئی کسی سے خیانت کرے گا۔

۲۔ مسلمان اس سال عمرہ کئے بغیر واپس چلے جائیں گے، آئندہ سال آئیں اور کوئی ہتھیار اپنے ساتھ نہ لائیں، سوائے تلوار کے اور وہ بھی نیام یا غلاف میں ہو۔ صرف تین دن مکے میں قیام کریں اور عمرہ کر کے واپس چلے جائیں۔

۳۔ قریش کا جو شخص اپنے ولی یا آقا کی اجازت کے بغیر بھاگ کر مدینے جائے گا، اس کو واپس کیا جائے گا، اگر چہ وہ مسلمان ہو کر جائے۔

۴۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھیوں میں سے جو شخص قریش کے پاس مکہ چلا جا

۳۶۔ الفتح: ۱۸۔۱۹

۳۷۔ زرقانی: ج ۱، ص ۹۴

Marfat.com

ئے گا۔ اس کو واپس نہیں کیا جائے گا۔

۵۔ عرب قبائل کو اختیار ہوگا کہ وہ جس فریق کے ساتھ چاہیں، معاہدے میں شریک ہو جائیں۔

۶۔ جو مسلمان پہلے سے مکے میں مقیم ہیں، ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص مکے میں رہ جانا چاہے تو اس کو روکا نہ جائے۔ (۳۸)

یہ شرائط اس قدر کڑی اور مسلمانوں کے حق میں اس قدر توہین آمیز تھیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسا مدبر بھی اس پر خاموش نہ رہ سکا۔ ان کے جذبات اور ان جذبات کا اظہار صلح حدیبیہ کے ماحول کے حوالے سے ہمارے سامنے ایک نمایاں تصویر پیش کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سوالات اور ان کے جوابات سے اس فضا کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عمر خود فرماتے ہیں کہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا: کیا آپ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: بے شک میں اللہ تعالیٰ کا سچا نبی ہوں۔ پھر میں نے عرض کیا کہ کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں: حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ پھر دین کے معاملے میں ہمیں دبنا نہیں چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلا شبہ میں اللہ کا رسول ہوں اور میں اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا اور وہی میرا مددگار ہے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا: کیا آپ نے ہم سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم جلد بیت اللہ جا کر اس کا طواف کریں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں، مگر کیا میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ اسی سال بیت اللہ جائیں گے، حضرت عمرؓ نے کہا: نہیں، پھر آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: بے شک تم وہاں جاؤ گے اور بیت اللہ کا طواف کرو گے۔ (۳۹)

اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم خیال اور ہم نوا اگر تھے، اور اس صلح کی

۳۸۔ ابن کثیر۔ السیرۃ النبویہ۔ داراحیاء، التراث العربی، بیروت: ج ۳، ص ۳۲۲

۳۹۔ بخاری: ج ۲، ۱۹۹، رقم ۲۷۳۱، ۲۷۳۲

☆ مسلم: ج ۳، ۱۹۱، رقم ۹۰۔ (۱۷۸۳)

☆ مسند احمد: ج ۵، ۴۳۳

حقیقت سے کوئی واقف تھا تو ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، جنہوں نے پورے یقین کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اعتراضات کا جواب بھی دیا اور انہیں یقین بھی دلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب یقیناً سچا ہے اور تم سب بیت اللہ کا طواف ضرور کرو گے۔ (۴۰)

اس صلح کی اہمیت اس قدر تھی کہ جب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ مدینہ منورہ کی طرف واپس لوٹ رہے تھے تو سورۂ فتح کا نزول ہوا، جس کے ذریعے مسلمانوں کو یہ باور کرایا گیا کہ یہ صلح، جس کو وہ حالات نہ سمجھنے کی وجہ سے شکست سمجھ رہے ہیں، دراصل فتح عظیم ہے۔

پھر آپ ﷺ نے صحابۂ کرامؓ کو جمع فرما کر یہ سورۃ تلاوت فرمائی اور خاص طور پر حضرت عمرؓ کو بلا کر انہیں سنائی، کیوں کہ وہ سب سے زیادہ رنجیدہ تھے۔ صحابۂ کرامؓ اس سورۃ کو سن کر مطمئن ہو گئے۔ پھر جلد ہی اس صلح کے فوائد سامنے آنے لگے۔ یہاں تک کہ اس صلح کے عظیم الشان فتح ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہ رہا۔ (۴۱)

یہاں پر مناسب ہوگا کہ ہم صلح حدیبیہ کے فوائد بھی اختصار کے ساتھ پیش کر دیں، تا کہ اندازا کیا جا سکے کہ رسول اللہ ﷺ کی بصیرت اور فہم و فراست ان حالات کو کس نظر سے دیکھ رہی تھی:

۱۔ مسلمانوں کو باقاعدہ سیاسی قوت تسلیم کر لیا گیا اور دوسرے عرب قبائل کو اختیار دے دیا گیا کہ وہ دونوں سیاسی طاقتوں (قریش اور مسلمانوں میں سے) جس کے ساتھ چاہیں، حلیفانہ معاہدہ کر لیں۔

۲۔ دس سال تک جنگ نہ کرنے کے معاہدے نے مسلمانوں کو امن و سکون فراہم کیا اور عرب قبائل میں تیزی سے اسلام کی اشاعت کا موقع دیا، جس سے صرف دو سال کے

۴۰۔ بخاری: ج ۲، ص ۸۲

☆ مسند احمد: ج ۵، ص ۴۳۳

۴۱۔ شہاب الدین سید محمود آلوسی۔ روح المعانی۔ داراحیاء، التراث العربی، بیروت ۱۹۸۵ء: ج ۲۶، ص ۸۳، ۸۴

Marfat.com

مختصر عرصے میں مسلمانوں کی تعداد دوگنی سے بھی بڑھ گئی اور جب صلح کے صرف دو سال بعد قریش کی عہد شکنی کے نتیجے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ فتح کرنے کے لئے روانہ ہوئے تو آپ کے ہم راہ دس ہزار سے زیادہ کا لشکر تھا۔ جب کہ صلح حدیبیہ کے وقت آپ ﷺ کے ساتھ صرف ١٤ سو صحابہؓ کی جماعت تھی۔

٣۔ جنگ نہ کرنے کے معاہدے سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی حکومت کو اچھی طرح مستحکم کرلیا اور اسلامی قوانین جاری کر کے مسلم معاشرے کو مکمل تہذیب و تمدن کی شکل دے دی۔

٤۔ مسلمانوں کو عمرے کی اجازت دے کر قریش نے یہ تسلیم کرلیا کہ اسلام کوئی بے دینی نہیں ہے، بل کہ اس کے پیرو بھی عربوں کی طرح حج و عمرے کے مناسک ادا کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ اس سے اسلام کے خلاف عرب قبائل میں پائی جانے والی نفرت میں بھی کمی ہوئی۔

٥۔ اس صلح کے نتیجے میں مسلمانوں نے شمالی اور وسطی عرب کی مخالف قوتوں کو آسانی سے زیر کرلیا، جس میں یہود کے سب سے بڑے گڑھ خیبر کا فتح ہونا اور تبوک کی یہودی بستیوں کا زیر نگیں آنا بھی شامل ہے۔ ان فتوحات کے نتیجے میں عرب میں طاقت کا توازن بدل گیا مشرکین کم زور ہو گئے اور اسلام دن بہ دن قوت حاصل کرتا چلا گیا۔ (٤٢)

رسول اللہ ﷺ کی فہم و فراست، آپ کی دور اندیشی اور بصیرت کا بیان صلح حدیبیہ پر ہی مکمل نہیں ہو جاتا، غزوات و سرایا ہوں یا وفود عرب سے بات چیت، مختلف قبائل سے معاہدے ہوں یا منافقین کی جانب سے وقتاً فوقتاً اٹھائی جانے والی اندرونی شورشیں، ہر مقام پر یہ حقیقت واضح اور مجلی ہو کر سامنے آتی ہے کہ محض رسول اللہ ﷺ نے اپنی فہم و فراست اور بصیرت، حکمت و تدبر سے ان مسائل کو حل کیا اور امت مسلمہ کو دنیاوی اعتبار سے بھی امامت کے منصب پر سرفراز کیا۔

رسول اللہ ﷺ کی بصیرت اور فہم و فراست کے مظاہر ایک اور حوالے سے بھی سامنے آتے ہیں۔ آپ ﷺ نے جس شخصیت کو جس مقصد کے لئے نام زد فرمایا، اس نے

٤٢۔ سید فضل الرحمٰن۔ ہادیٔ اعظم۔ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی، ٢٠٠٠ء: ج ١، ص ٣٨٢

Marfat.com

وہاں اس ذمے داری کو بھرپور طریقے سے ادا کر کے یہ ثابت کر دیا کہ اس ذمے داری کے لئے اس سے بہتر شخصیت کا انتخاب ممکن نہیں تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بصیرت اور فہم وفراست اور حکمت وتدبر کے حوالے سے پیش کئے جانے والے ان چند اشارات میں ہمارے لئے چند در چند اسباق پوشیدہ ہیں۔ ہماری بے عملی بل کہ بدعملی اپنی جگہ، مگر جو کچھ ہم کرتے بھی ہیں، اس میں بھی بے ترتیبی، حالات سے ناواقفیت، منصوبہ بندی اور اہداف سے لاپرواہی عام طور پر نظر آتی ہے۔ اسوۂ حسنہ کا درس تو یہ ہے کہ جو کیا جائے، وہ پوری طرح سوچ سمجھ کر، پوری تیاری اور مناسب منصوبہ بندی کے ساتھ کیا جائے۔ یہ بھی سنت نبوی ہے۔ اس پر عمل کے نتیجے میں بھی ان شاء اللہ دنیا کی کام یابی اور آخرت کی برکتیں ہمیں میسر آسکتی ہیں۔

Marfat.com

اسلامی تہذیب اور اس کا عالم گیر تصور

مقالات سیرت، وزارت مذہبی امور، حکومت پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۰۹ء
سہ ماہی الثقافۃ الاسلامیۃ۔ شیخ زید اسلامک سینٹر، جامعہ کراچی۔ شمارہ: ۲۳۔ ۲۰۱۰ء

Marfat.com

اسلامی تہذیب اور اس کا عالم گیر تصور

کسی بھی قوم کے تہذیبی، ثقافتی اور سماجی تصورات کسی نہ کسی طور پر ان کے نظامِ اعتقادات سے پیوست ہوتے ہیں۔ بعض صورتوں میں تو یہ وابستگی محض نظری ہوتی ہے، لیکن بہت سی صورتوں میں یہ تعلق اور وابستگی اس قدر بدیہی اور فطری ہوتی ہے کہ انہیں علیحدہ کرنا بل کہ ان میں خط امتیاز کھینچنا بھی ممکن نہیں ہوتا۔ اس عام کلیے کا اطلاق اسلام اور اس کے تہذیبی و ثقافتی تصورات پر بھی ہوتا ہے۔ اسلام کے نظام اعتقادات کی بنیاد جن ارکان پر ہے، ان میں توحید سرفہرست اور بنیادِ اسلام کی خشتِ اول ہے، وہی توحید جس کا تصور کسی نہ کسی صورت اور کسی نہ کسی درجے میں تمام اہم مذاہبِ عالم میں موجود ہے۔ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ ان میں وہ مذاہب بھی شامل ہیں جو آسمانی مذاہب میں شمار نہیں کیے جاتے۔ ان مذاہب میں اس خالصتاً آسمانی ہدایت و تعلیم کا موجود ہونا ہمیں دعوتِ فکر بھی دیتا ہے اور دعوت تحقیق بھی۔ شاید اس سے یہ نکتہ اخذ کرنا، نامناسب تصور نہ کیا جائے کہ توحید فطرتِ انسانی کی وہ پکار ہے جس کی بالادستی انسانی شعور پر اس قدر واضح ہے کہ زبان اور عمل سے حقیقتِ توحید کا انکار کرنے والے بھی اس کے کم از کم اظہار سے لاتعلق نہیں رہ سکتے۔ یہی توحید اسلامی تہذیب کی اساس ہے، اور اسلامی تہذیب کے عالم گیر تصور کی بنیاد۔

تہذیب، اسلامی تہذیب، پھر تہذیبِ اسلامی کے عناصرِ ترکیبی، اس کے بنیادی خدو خال، اس کے مظاہر اور مغربی تہذیب و تمدن پر اس کے اثرات، یہ وہ چند عناوین ہیں جن

Marfat.com

کے تحت ہم اپنی گفت گو کو منضبط کرنے کی کوشش کریں گے، اور دیکھیں گے کہ اس باب میں نبی اکرم، محسنِ انسانیت، ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات و تعلیمات کیا ہیں؟

السعی منا و الا تمام من الله، وبیده التوفیق و علیه التکلان ولا حول ولا قوة الا بالله

تہذیب

تہذیب عربی زبان کا لفظ ہے، اور اس کا مادہ: ہ، ذ، ب ہے، جس کے معنیٰ ہیں: صاف کرنا، درست کرنا، پودوں اور درختوں کی شاخیں تراشنا، اصلاح کرنا (۱) چناں چہ اہلِ عرب جب کہتے ہیں کہ هذب الشعر تو ان کی مراد ہوتی ہے شعر کی اصلاح کرنا۔ اسی طرح هذب الرجل سے مراد ہوتی ہے پاکیزہ اخلاق والا بنانا۔ (۲)

انگریزی میں اس کا مترادف لفظ کلچر (Culture) ہے۔ انگریزی میں یہ لفظ ابتدا میں صرف کاشت کاری کے لئے استعمال ہوتا تھا، چناں چہ سترھویں صدی تک یہ لفظ درختوں کی نشونما اور کاشت کاری کے لئے ہی استعمال ہوتا رہا۔ (۳) پھر آہستہ آہستہ اس کے مفہوم میں تبدیلی پیدا ہوئی اور یہ انسانی تربیت کے لئے استعمال ہونے لگا، بالآخر انیسویں صدی میں اس لفظ نے وہ معنیٰ اختیار کئے جو آج کلچر سے مراد لئے جاتے ہیں۔ (۴)

بیگ بی (Bagby) نے کلچر پر مفصل بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کلچر (Culture) کا سب سے پہلے استعمال فرانسیسی مصنفین کے پاس ملتا ہے، جن میں والٹیئر کا نام

۱۔ لوبس معلوف ۔ المنجد ۔ مطبعہ کاثولیکیہ، مصر ۱۹۲۷ء: ص ۹۴۵

۲۔ ابن منظور الافریقی ۔ لسان العرب ۔ نشر ادب الحوزہ، قم ایران، ۱۴۰۵ھ: ج ۱، ص ۷۸۲

☆ المنجد: محولہ بالا

۳۔ آکسفورڈ انگلش ڈکشنری ۔ آکسفورڈ ۱۹۷۸ء: ج ۲، ص ۱۲۴۷

4. The Training development and refinement of mind taste and manners The intellectual side of civilization

Marfat.com

سرفہرست ہے۔ ان کے ہاں کلچر ذہنی تربیت اور تہذیب کا نام تھا، بعد میں اچھے آداب، آرٹ، سائنس اور تعلیم بھی اس کی تعریف کا حصہ بن گئے۔ (۵)

انگریزی میں لفظ کلچر کی تعریف خاصی پیچیدہ ہے، جس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ یہی مصنف بیگ بی (Bagby) اس حوالے سے بات کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس کی ایک سو ساٹھ سے زائد تعریفیں کی گئی ہیں۔ (۶) چناں چہ مغربی مفکرین کی جانب سے کی جانے والی کلچر کی چند تعریفیں آپ بھی ملاحظہ کیجیے۔

ای بی ٹائلر کہتا ہے:

کلچر ایسا مرکب ہے، جس میں علم، عقیدہ، فن، اخلاق، قانون، رسم و رواج اور دوسری ہر قسم کی صلاحیتیں اور عادتیں جن کا اکتساب انسان معاشرے کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے کرتا ہے، موجود ہیں۔ (۷)

رابرٹ بیرسٹڈ اس تعریف کو نقل کر کے ایک تعریف یوں بیان کرتا ہے:

کلچر وہ مرکب ہے جو سارے نظامِ فکر، نظامِ عمل اور ہر اس چیز پر مشتمل ہے جو معاشرے کا رکن ہونے کی حیثیت سے ہم میں موجود ہے۔ (۸)

میتھیو آرنلڈ کہتا ہے:

کلچر انسان کو کامل بنانے کی بے لوث سعی ہے۔ کلچر کمال کی تحصیل ہے۔ (۹)

ٹی ایس ایلیٹ (T. S. Eliot) کلچر کی تعریف کرتے ہوئے ابتدا میں کہتا ہے:

کلچر آداب کی شائستگی کا نام ہے، یعنی مدنیت اور انسانیت۔ (۱۰)

---

5. Philip Bagby-Culture and History-PP73 Longmans Green and Co., 1958

6. Culture and History.PP73

7. Robert Bier Stedt-The Social Order PP.127

۸۔ ایضاً

۹۔ میتھیو آرنلڈ۔ ثقافت وانتشار (اردو ترجمہ)۔ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی: ص ۱۶۱

10. T. S. Eliot-Notes Towards the Definition of Culture-London, Fother and Fother Ltd., 1948 PP.13

Marfat.com

آگے چل کر اپنے موقف کی وضاحت اس طرح کرتا ہے:

کلچر سے میری مراد وہ ہے جسے ماہرینِ لسانیات بیان کرتے ہیں یعنی ایک خاص مقام پہ رہنے والے مخصوص افراد کا طرزِ حیات۔ (۱۱)

تہذیب کا ہم معنیٰ ایک لفظ ثقافت ہے، اس کا مادہ: ث، ق، ف ہے، اس کے معنیٰ ہیں: سیدھا کرنا، مہذب بنانا اور تعلیم دینا، ثقف الولد کے معنیٰ ہیں: لڑکے کو مہذب بنانا۔ (۱۲) راغب علی بیروتی لکھتے ہیں:

الثقافة هل هی الا اصلاح النفس الصحیح الکامل بحیث یکون صاحبها مرآة الکمال و الفضائل، اصلاح الفاسد و تقویم المعوج (۱۳)

ثقافت اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ نفس کی صحیح اور مکمل اصلاح کا نام ہے، اس طرح کہ مہذب شخص کی ذات کمال اور فضائل کا آئینہ ہو، یعنی فاسد کی اصلاح اور ٹیڑھے کو سیدھا کرنا۔

ان تعریفوں سے جو بات وضاحت سے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ تہذیب (Culture) کے معنیٰ میں یہ نکات شامل ہیں:

۱۔ اصلاح کرنا (To Refine)

۲۔ عیوب سے پاک کرنا (To Cleanse)

۳۔ بہتر بنانا (To Improve)

۳۔ درست کرنا (To Repair)

۴۔ تعلیم و تربیت دینا (To educate)

۵۔ خوش اخلاق بنانا (To polish the Style) (۱۴)

---

11. T. S. Eliot-Notes Towards the Definition of Culture, PP.13

۱۲۔ لسان العرب: ج۹، ص۱۹، ۲۰

☆ المنجد: ص۶۹

۱۳۔ راغب علی بیروتی۔ الثقافۃ۔ مکتبۃ اصلیۃ، بیروت: ص۱۹

۱۴۔ پروفیسر محمد ارشد خاں بھٹی۔ مطالعۂ تہذیب اسلامی۔ اصباح الادب، اردو بازار، لاہور: ص۱۲

Marfat.com

اس تفصیل کی روشنی میں ہم جان سکتے ہیں کہ تہذیب کس چیز کا نام ہے، جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ''حیوانِ ناطق'' کو ''انسانِ کامل'' کے درجے پر فائز کردیا جائے، اور اس میں موجود فکری، علمی، سماجی اور اخلاقی خوبیوں کو تعلیم و تربیت کے ذریعے بے دار کردیا جائے۔ یہ ہے تہذیب، یا کلچر جس کا ہر کوئی محتاج ہے، مگر جس کی حقیقت سے شاید سب واقف نہیں۔

یہاں آگے بڑھنے سے پہلے مناسب ہے کہ ہم تہذیب کے ساتھ کثرت سے استعمال ہونے والی ایک اور اصطلاح تمدن (Civilization) کے بارے میں بھی غور کرلیں۔ تمدن عربی زبان کا لفظ ہے، اس کا مادہ: م، د، ن ہے، مدن کے معنیٰ ہیں قیام کرنا، شہر آباد کرنا، اور تمدن کے معنیٰ ہیں: شائستہ و مہذب ہونا۔ (۱۵) اصطلاح میں تمدن کی تعریف ہے: تمدن وہ نظامِ عمل ہے جو انسان کے نظامِ فکر (تہذیب) کے تابع ہوتا ہے۔ (۱۶)

عربی میں اس مفہوم کے لئے حضارۃ کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے، جس کا مفہوم بھی وہی ہے جو اردو میں تمدن کا ہے۔ (۱۷)

ایم زیڈ صدیقی نے تہذیب (Culture) اور تمدن (Civilization) میں فرق کی وضاحت نہایت جامع الفاظ میں کی ہے، وہ کہتے ہیں:

> ثقافت کی اصطلاح فکری ارتقا پر دلالت کرتی ہے، جب کہ تمدن معاشرتی ترقی کے بلند درجے کو ظاہر کرتا ہے، لہٰذا ثقافت ذہنی کیفیت کو بیان کرتی ہے، اور تمدن اس کے مساوی مظہر کی نمائندگی کرتا ہے، پہلے کا تعلق فکری عمل سے ہے، اور دوسرے کا مادی اکتسابات سے، پہلی ایک داخلی کیفیت ہے، جب کہ دوسرا خارجی دنیا میں اس کی عملیت کا نام ہے۔ (۱۸)

۱۵۔ المنجد: ۸۰۷

۱۶۔ ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر۔ مطالعۂ تہذیب۔ ثناء پبلی کیشنز، کراچی ۱۹۹۳ء: ص ۲۶

۱۷۔ لسان العرب: ج ۴، ص ۱۹۶

☆ المنجد: ص ۱۳۴

۱۸۔ ڈاکٹر خالد علوی۔ اسلام کا معاشرتی نظام۔ الفیصل، لاہور ۲۰۰۵ء: ص ۱۱۹

Marfat.com

تہذیب کے حوالے سے ایک اور بات اہم ہے۔ تہذیب اجتماعیت کی بنیاد ہے، یہ انسانی معاشرے کو مجتمع کر کے انہیں ایک اکائی بنانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ علامہ آئی آئی قاضی لکھتے ہیں کہ تہذیب کی خاصیت یہ ہے کہ اس میں ہمیشہ وحدت سے کثرت کے لئے سوچا جاتا ہے، اس کی مثال اس طرح دی جا سکتی ہے کہ ایک فرد کو دھرتی پر تنِ تنہا چھوڑا جائے تو ظاہر ہے کہ اسے تہذیب کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی، ایک فرد کی صورت میں تہذیب ممکن نہیں، اور نہ سوسائٹی کی تشکیل ہو سکتی ہے، لیکن کیا تنہا فرد کو تمدن کی ضرورت ہوگی؟ یقیناً ہوگی۔ (۱۹) علامہ صاحب آگے چل کر یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں: مہذب فرد کے لئے سوسائٹی کے بغیر رہنا مشکل ہے، اس بنا پر تہذیب کے معنیٰ ہیں اجتماعیت اور اجتماعی مقاصد کے لئے زندگی بسر کرنا۔ (۲۰)

مزید کہتے ہیں:

> ہر وہ چیز جو اچھی ہے، بہتر ہے اور دنیا کے لئے بہتر ہے، وہ کلچر میں شامل ہے، اب تہذیب کیا ہے؟ تہذیب دراصل سماجی کلچر ہے، جب کسی معاشرے میں جذبہ پیدا ہوتا ہے، شعور ابھرتا ہے، اخلاقی برتری پیدا ہوتی ہے تو اس طرح کے معاشرے کو تہذیب یافتہ کہتے ہیں، اور ان لوگوں کو مہذب کہتے ہیں، یہ ایک طرح سے تمدن کا حصہ ہے۔ (۲۱)

اس بحث سے تہذیب و تمدن کے مابین فرق بھی واضح ہو جاتا ہے یعنی جب تہذیب عملی شکل اختیار کرتی ہے تو تمدن ظہور میں آتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ تہذیب سوچ اور عقیدے کا نام ہے اور اس کے مطابق عمل تمدن کہلاتا ہے۔ چناں چہ کسی معاشرے میں لوگوں کا اٹھنا بیٹھنا، ملنا جلنا، سیر و تفریح، درس و تدریس، کاروباری معاملات، حکومتی انتظامات سب کچھ اُن نظریات و عقائد (تہذیب) کے مطابق ہوتا ہے جو

۱۹۔ علامہ آئی آئی قاضی۔ آئینہ حق۔ مرتب و مترجم محمد موسیٰ بھٹو۔ علامہ آئی آئی قاضی یادگاری سوسائٹی، حیدرآباد، ۲۰۰۰ء، ص۸۰

۲۰۔ ایضاً: ص۸۱

۲۱۔ ایضاً: ص۸۰

Marfat.com

وہاں کے لوگ مجموعی طور پر اپنائے ہوئے ہوتے ہیں۔ (۲۲)

تہذیب کے ترکیبی عناصر

وہ تکوینی عناصر جو مل کر کسی تہذیب کو جنم دیتے ہیں، جن کے ملنے سے انسانی معاشرے جنم لیتے اور تہذیب و ثقافت پروان چڑھتی ہے، تین ہیں:

۱۔ جغرافیائی عنصر Geographical Factor

۲۔ حیاتیاتی عنصر Biological Factor

۳۔ نظریاتی عنصر Ideological Factor

جغرافیائی عنصر

کسی خاص مقام، قبیلے یا علاقے کا ماحول اور اس کا گردو پیش، جس میں جائے وقوع، زمین کی ساخت، معدنی وسائل سب ہی شامل ہیں، تہذیب کے پروان چڑھنے کا جغرافیائی عنصر سمجھے جاتے ہیں۔ جغرافیائی ماحول انسان کے رہن سہن، جسمانی ساخت، خیالات، افکار و اعمال، معاشرت و معیشت سب ہی پر اثر انداز ہوتا ہیں۔ مفکرین کے ہاں جغرافیائی عنصر کی یہ اہمیت اور تہذیب کی تشکیل و ارتقا میں اس کا کردار ہمیشہ سے زیرِ بحث رہا ہے، اس سلسلے میں بقراط کا یہ خیال ہم تک پہنچا ہے، وہ کہتا ہے:

اکثر حالتوں میں آپ کو معلوم ہوگا کہ انسانوں کا جسم اور ان کی سیرت ملک کی نوعیت کے اعتبار سے بدلتے رہتے ہیں۔ (۲۳)

اس ضمن میں ایک محقق کا یہ قول بھی قابلِ غور ہے، ڈاکٹر سید عابد حسین کہتے ہیں کہ تہذیب کا ترکیبی عنصر جو طبعی ماحول اور سماجی حالات پر مشتمل ہے، خواہ نظریاتی عنصر کے مقابلے میں وہ اہم ہو یا نہ ہو، لیکن تہذیب میں مقامی رنگ یہی پیدا کرتا ہے۔ (۲۴) جغرافیائی عنصر انسانی فکر کو متاثر کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے، ماہرین عمرانیات کے

۲۲۔ مطالعۂ تہذیب اسلامی: ص ۲۳

۲۳۔ ایضاً: ص ۳۱

۲۴۔ ایضاً: ص ۳۴

Marfat.com

نزدیک یورپ میں ''وطنیت'' کا زیادہ عروج اسی سبب سے ہے، کیوں کہ یورپ کے مخصوص جغرافیائی حالات وطنیت کے جذبے کو پروان چڑھانے کے لئے انتہائی سازگار فضا فراہم کرتے ہیں۔ اس کے برعکس ایشیا کا جغرافیائی محلِ وقوع وسعتوں کو جنم دیتا ہے اور عمومیت کو فروغ دیتا ہے، اسی وجہ سے ماضی میں جس قدر وسیع وعریض سلطنتوں کا قیام اس خطے میں ممکن ہوسکا، یورپ میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ (۲۵)

حیاتیاتی عنصر

حیاتیاتی عنصر یا نسلی عامل میں رنگ، نسل اور زبان سمیت تمام وہ صلاحیتیں، عادات اور قابلیتیں شامل ہیں جو انسان کو وراثت میں اپنے اجداد سے منتقل ہوتی ہیں، اور جو رسوم ورواج کی شکل میں نسل در نسل منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ ٹوئن بی کے الفاظ میں اس کی تعریف یہ ہے:

> نسل کی اصطلاح سے مراد یہ ہے کہ انسانوں کے خاص گروہوں میں چند امتیازی وصف ہیں، جو ان کے جانشینوں میں بہ طور وراثت منتقل ہوجاتے ہیں۔ (۲۶)

ان نسلی اوصاف میں شخصی اوصاف و خصائص کے ساتھ ساتھ جسمانی خصائص بھی شامل ہیں۔ علامہ ابنِ خلدون کی رائے یہ ہے کہ کسی خاندان کے اوصاف عام طور پر چار پشتوں تک چلتے ہیں، کوئی خاندان مسلسل شرف ونسب کا مالک نہیں رہتا۔ لیکن ابنِ خلدون اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی وضاحت کرتا ہے کہ شرف وحسب کی زندگی و بقا کے لئے چار پشتوں کی حد کوئی قاعدہ کلیہ نہیں، کوئی خاندان اپنا شرف چار پشتوں تک بھی برقرار نہیں رکھ سکتا اور کوئی خاندان یہ سلسلہ پانچویں اور چھٹی پشت تک لے جاتا ہے، لیکن چار پشتوں کے بعد زوال شروع ہوجاتا ہے۔ (۲۷)

۲۵۔ ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر۔ مطالعۂ تہذیب: ص ۳۱ تا ۳۴

☆ ابنِ خلدون۔ المقدمہ

۲۶۔ مطالعۂ تہذیب: ص ۳۵

۲۷۔ ایضاً: ص ۲۵

Marfat.com

حیاتیاتی عنصر میں زبان کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے، جسے تہذیب کا ایک اٹوٹ حصہ سمجھا گیا ہے۔ زبان جو انسان کو موروثی طور پر اپنے والدین سے ملتی ہے نہ صرف اس کی شناخت کا ذریعہ ہے، بل کہ یہ تہذیب کو بھی زندہ رکھتی ہے کیوں کہ تہذیبوں کے حالات، ان کی ادبیات اور دیگر ایجادات زبان ہی کی وجہ سے محفوظ رہتی ہیں۔ جو زبانیں آج فنا ہو چکی ہیں ان کی تہذیبوں کا بھی نام و نشان مٹ چکا ہے۔ مگر یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ حیاتیاتی عنصر نسبتاً کم زور عنصر ہے اور بعض ماہرین کے نزدیک اس کی کوئی جداگانہ حیثیت بھی نہیں، کیوں کہ اگر ہم نسل کے سلسلے میں ٹوئن بی کی تعریف کو معیار قرار دیں جو ماقبل میں بیان کی گئی ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امتیازی وصف سے کیا مراد ہے؟ اگر اس سے مراد ان کے رسوم و رواج اور عادات و خصائل ہیں، جو ان میں من حیث القوم پائے جاتے ہیں تب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ عادات و خصائل کس کے عطا کردہ ہیں؟ کیا ان کو ان کے طبعی ماحول نے یہ عادات اختیار کرنے پر مجبور کیا؟ یا پھر ان کو عقائد و نظریات نے یہ امتیازی وصف عطا کیا؟ ان دونوں صورتوں میں حیاتیاتی عنصر کی جداگانہ حیثیت پر ضرب لگتی ہے۔ (۲۸)

نظریاتی عنصر

تہذیب کے ترکیبی عناصر میں تیسرا اور اہم عنصر نظریاتی عنصر ہے، اس میں انسان کا پورا نظامِ فکر، اعتقادات، خیالات سب ہی شامل ہیں۔ تہذیب کی تشکیل اور تشکیل سے زیادہ اس کا رخ متعین کرنے میں انسان کا نظامِ فکر سب سے اہم کردار ادا کرتا ہے، خصوصاً حیات و کائنات کے بارے میں انسان کے خیالات کا انسان کے عمومی سماجی رویوں پر انحصار ہوتا ہے۔ پھر اگر انسان کسی مذہب کو مانتا ہے تو یہ خیالات مذہبی نوعیت کے ہوں گے، اس اعتبار سے تہذیبی عناصر میں مذہب کا کردار بھی اہمیت رکھتا ہے، البتہ وہ نظریاتی عنصر کا ایک حصہ ہے۔ نظریاتی عنصر کسی بھی تہذیب کی ترتیب و تشکیل میں ایک نمایاں اہمیت ہے، جو اسے دیگر عناصر سے ممتاز کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ جغرافیائی عنصر کسی

۲۸۔ مطالعۂ تہذیب: ص ۳۷

Marfat.com

بھی تہذیب میں مقامیت پیدا کرتا ہے اور اسے محدود کرتا ہے، اس میں قیود لگاتا ہے، جب کہ نظریاتی عامل تہذیبوں میں آفاقیت پیدا کرتا ہے اور اسے عالم گیریت عطا کرتا ہے، کیوں کہ یہ فکری عنصر ان خیالات، نظریات اور اصولوں پر مشتمل ہوتا ہے، جو اقدارِ اعلیٰ کے شعور سے پیدا ہوتے ہیں اور وہ کسی خاص مقام کا پابند نہیں ہوتا، بل کہ ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک قوم سے دوسری قوم میں پہنچ سکتا ہے۔ قدیم اور جدید تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ (۲۹)

اس سلسلے میں سب سے نمایاں مثال اسلام اور اسلامی تہذیب کی ہے، جو اپنے مخصوص اسلامی نظامِ فکر پر استوار ہے، اور جو دنیائے عالم کے ہر گوشے میں نہ صرف موجود ہے بل کہ اس کی اثر پذیری کی انتہائی غیر معمولی صلاحیت بھی سب کے سامنے ہے۔ تہذیب کے اس فکری پہلو کا اثر اس تہذیب کے ماننے والوں کی ثقافت پر بھی نمایاں ہوتا ہے، اس کی نمایاں مثال ہمارے پڑوس میں آباد ہندومت کے پیروکاروں سے دی جاسکتی ہے۔ ہندومت اور اسلام کا نظامِ فکر آپس میں یک سر متضاد بنیادوں پر استوار ہے، اس تضادِ فکر کے اثرات دونوں کی ثقافتی اقدار پر بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین تہذیبی تفاوت کو بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے کئی مقام پر اپنی گفت گو میں واضح کیا ہے۔ ہم چند اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ جن میں ہماری بات کی وضاحت بھی موجود ہے۔

مارچ ۱۹۴۰ء کے مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے قائد اعظم نے فرمایا تھا:

"ہندوؤں اور مسلمانوں کا تعلق دو مختلف مذہبی فلسفوں، معاشرتی روایات اور ادبوں سے ہے، وہ نہ آپس میں شادیاں کرتے ہیں، نہ مل بیٹھ کر کھاتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان کا تعلق دو مختلف تہذیبوں سے ہے، جو خاص طور پر متصادم خیالات و تصورات پر مبنی ہیں، زندگی پر اور زندگی کے متعلق ان کے تصورات مختلف ہیں۔ یہ بالکل واضح ہے کہ ہندو اور مسلمان تاریخ کے مختلف ماخذوں

۲۹۔ مطالعۂ تہذیب: ص ۳۹

Marfat.com

سے فیضان حاصل کرتے ہیں۔ (۳۰)

ایک مرتبہ قائد اعظمؒ نے گاندھی کے نام اپنے ایک خط (۱۷ ستمبر ۱۹۴۴ء) میں مسلمانوں کے قومی تشخص کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

ہمارا دعویٰ ہے کہ قومیت کی ہر تعریف اور ہر معیار کی رو سے مسلمان اور ہندو دو بڑی قومیں ہیں۔ ہماری قوم دس کروڑ انسانوں پر مشتمل ہے اور مزید برآں یہ کہ ہم ایک ایسی قوم ہیں جو اپنے خاص تہذیب وتمدن، زبان وادب، فنون وتعمیرات، رسوم واصطلاحات، معیار اقدار وتناسب، تشریعی قوانین، ضوابط اخلاق، رسم ورواج، نظام تقویم، تاریخ وروایات اور رجحانات وعزائم رکھتی ہے، غرض یہ کہ ہمارا ایک خاص نظریہ حیات ہے اور زندگی کے متعلق ہم ایک ممتاز تصور رکھتے ہیں۔ (۳۱)

ایک اور موقع پر انہوں نے کہا:

تمام امور میں ہمارا انداز فکر ہندوؤں سے مختلف ہی نہیں، بل کہ متضاد ہے۔ ہمارا وجود، ہماری دنیا ہی مختلف ہے، آپ کو کوئی چیز بھی ایسی نہیں ملے گی جو ہمیں ہندوؤں سے ہم آہنگ کرتی ہو، ہمارا نام، ہماری غذا، ہمارا لباس سب کچھ ہندوؤں سے مختلف ہے، ہماری اقتصادی زندگی، ہمارا تعلیمی زاویہ نگاہ، خواتین سے ہمارا رویہ، حیوانات کے ساتھ ہمارا طرز عمل، غرض کہ ہر نقطۂ نظر سے، ہر اعتبار سے ہم ایک دوسرے سے واضح اختلاف رکھتے ہیں۔ گائے کے دیرینہ، دائمی اور مستقل قضیے ہی کو لیجئے، ہم گائے کو ذبح کرتے ہیں اور کھاتے ہیں، لیکن ہندو اس کی پوجا کرتے ہیں۔ (۳۲)

ایک مرتبہ طلبہ کے ایک وفد سے ملاقات کے دوران ہندوؤں اور مسلمانوں کا تقابل

۳۰۔ اشتیاق حسین قریشی۔ جدوجہد پاکستان۔ ترجمہ ہلال احمد زبیری، شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ، کراچی یونیورسٹی، کراچی ۱۹۹۰ء: ص ۱۷۹

۳۱۔ پروفیسر سید محمد سلیمؒ۔ تاریخ نظریہ پاکستان۔ ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، ۱۹۹۶ء: ص ۲۲۷

۳۲۔ ایضاً

Marfat.com

یوں کیا:

لڑکو! تم نے ہندوؤں کی پوریاں دیکھی ہیں؟ بہ مشکل ہاتھ کی ہتھیلی جتنی، تم نے مسلمانوں کی چپاتیاں دیکھی ہیں؟ کتنی بڑی ہوتی ہیں۔ تم نے ہندوؤں کے مندر دیکھے ہیں؟ دن میں بھی اتنے تاریک کہ چراغ روشن کرنا پڑتا ہے، مسلمانوں کی مساجد دیکھو، کتنی کشادہ اور روشن ہوتی ہیں۔ ہندوؤں کی دھوتی پر غور کیا ہے؟ بہ مشکل نصف گز کی، جس میں ستر بھی نہیں چھپتا، ہمارے ہاں سندھ میں آدھے آدھے اور ایک ایک تھان کی شلوار ہوتی ہے۔ (۳۳)

تہذیب و ثقافت مذہب اور اسلام کا امتیاز

تہذیب و ثقافت پر گفت گو کرتے ہوئے ایک اہم سوال جو درپیش ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ تہذیب کا مذہب سے کیا رشتہ ہے؟ یہ سوال جس قدر اہم ہے، اس کا جواب اسی قدر پیچیدہ ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اول تو خود مذہب ہی کی تعریف متفق علیہ نہیں (۳۴) پھر اس کرۂ ارض پر کسی بھی شکل میں موجود آسمانی اور غیر آسمانی مذاہب کی تعلیمات کی نوعیت میں اس قدر اختلاف ہے کہ ان کو بنیاد بنا کر تہذیب محض کے بارے میں کوئی نقطۂ نظر قائم نہیں کیا جا سکتا، نہ ان کی بنیاد پر مذہب کے ساتھ تہذیب کے تعلق کو واضح کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اسلام کا معاملہ اس سے مختلف ہے، وہ بدیہی طور پر یہ مبنی برحق دعویٰ کرتا ہے کہ وہ بہ حیثیت مذہب انسان کی پوری زندگی کو زیرِ بحث لاتا ہے اور یہی جملہ اسلام کی بہ طور مذہب تعریف کے طور پر بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔ اسلام اپنے آپ کو ایک دین کے طور پر پیش کرتا ہے، قرآن میں ارشاد ہے:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْاِسْلَامُ (۳۵)

۳۳۔ سید فضل الرحمٰن۔ تحریک پاکستان کے فکری محرکات۔ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی ۱۹۹۷: ص ۲۸

۳۴۔ انسائی کلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس۔ مقالہ نگار، سی جے ویب (C.L.J.W.EBB)

۳۵۔ آل عمران: ۱۹

Marfat.com

بلا شبہ دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

اور دین کی اصطلاح انسان کے پورے نظامِ حیات پر حاوی ہے، اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کے ساتھ تہذیب کا تعلق سرسری نوعیت کا ہے، نہ اس کے تعلقات معاندانہ ہیں، بل کہ یہاں تہذیب (Culture) مذہب اسلام کا ایک جز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تہذیب کے بارے میں اس قدر واضح ذہن کسی مذہب یا اہلِ مذہب کا نہیں ہوسکتا، جس قدر اسلام یا اہلِ اسلام کا ہے۔ اس میدان میں اسلام کا یہ امتیاز ہے۔

اسلامی تہذیب کا ایک اور اہم امتیاز یہ ہے کہ یہ کسی قسم کی محدودیت کا شکار نہیں ہوسکتی۔ ہم تہذیب کے ترکیبی عناصر کے ضمن میں یہ بحث دیکھ چکے ہیں کہ اس کا ایک اہم عنصر جغرافیائی عنصر ہے اور دوسرا حیاتیاتی، اسلامی تہذیب کو ان دونوں عناصر سے کوئی علاقہ نہیں۔ وہ محض تیسرے عنصر یعنی نظریاتی عنصر سے جنم لیتی، اسی کے سائے میں پروان چڑھتی، اسی سے زندگی حاصل کرتی اور اسی کے زور پر پھلتی پھولتی ہے، یہی سبب ہے کہ اس میں بلال حبشی، صہیب رومی، سلمان فارسی، طفیل دوسی رضوان اللہ علیہم نبی رحمت، نبی برحق، ہادیٔ اعظم، محمد بن عبداللہ الہاشی المطلبی صلی اللہ علیہ وسلم ا کے ساتھ ایک ہی دستر خوان پر بیٹھے نظر آتے ہیں، ایک ہی صف میں مسجد نبوی میں بارگاہِ خداوندی میں صف بستہ کھڑے دکھائی دیتے ہیں اور ایک ہی رنگ میں یوں رنگے جاتے ہیں کہ آنے والے اجنبی کے لئے تمیز تک مشکل ہوتی ہے کہ پیغمبر کون ہے اور امتی کون؟ حاکم کون ہے اور رعایا کون؟ آقا کون ہے اور غلام کون؟ یہی وہ خدائی رنگ ہے، جس سے بہتر کوئی رنگ ہو ہی نہیں سکتا، خدائے واحد کی وحدانیت اور اس کی جانب سے انسانیت کو عطا کئے جانے والے سب سے بڑے اعزازِ عبودیت کو اختیار کرنے کا یہ انعام بھی ہے اور اعلان بھی۔ قرآن سچ کہتا ہے:

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً (۳۶)

اللہ کا رنگ (اختیار کرو) اور اللہ کے رنگ سے کس کا رنگ بہتر ہوسکتا ہے؟

اسلامی تہذیب اپنی ماہیت کے اعتبار سے ایک اہم خاصیت یہ رکھتی ہے کہ وہ ذاتی معاملات یا بعض معاشرتی اقدار تک محدود نہیں، بل کہ وہ جیسا کہ عرض کیا گیا پورے نظامِ

۳۶۔ البقرہ: ۱۳۸

Marfat.com

حیات پر حاوی ہے، جس میں فرد کے انفرادی رویئے، خانگی امور، معاشرے سے روابط اور سماجی تقاضے، اجتماعی نظام اور تشکیل حکومت و نظامِ سیاست، امورِ مالی اور نظمِ معیشت سب ہی شامل ہیں۔ مغرب اور اسلام کے تصورات میں یہ بنیادی فرق ہے، جس پر تمام تہذیبی اور ثقافتی اقدار کا انحصار ہے۔ بعض سنجیدہ مغربی مفکرین کو بھی اس کا احساس ہے، ایک مفکر لکھتا ہے:

> Islam (is) personal piety and worship of God in a framework of revealed universal ethical principles which are to bc implemented in human life...... Islam in its personal pietism and Quranic ethical universalism is meant to do his. (37)

اسلام وحی پر مبنی آفاقی اخلاقی اقدار کے اندر انفرادی پاک بازی اور اللہ کی بندگی کا نام ہے۔ اسلام اسے انسانی زندگی میں نافذ کرنا چاہتا ہے۔ اسلام اپنی انفرادی پاک بازی کی تعلیمات اور قرآن کی آفاقی اخلاقیات کے تحت اسے رو بہ عمل کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔

اسلامی تہذیب

اس مرحلے پر سب سے اہم سوال یہ ہے کہ خود اسلامی تہذیب کیا ہے؟ اور اس کے عناصر ترکیبی جن سے یہ تہذیب تشکیل اور ترتیب پاتی ہے، کیا ہیں؟ یہ سوال موضوعِ زیرِ بحث کو واضح کرنے کے لئے تو اہم ہے ہی، اس بنا پر بھی اہم ہے کہ اس بارے میں مسلم مفکرین کی آرا مختلف ہیں، اور بعض صورتوں میں آپس میں تضاد بھی، خصوصاً تہذیب کے بنیادی عناصر یا اجزائے ترکیبی بیان کرتے ہوئے ہر ایک کی رائے جداگانہ ہے۔ ہم اس بحث کو نتیجہ خیز بنانے کے لئے مشتے از خروارے چند مثالیں بیان کریں گے، تاکہ ہمارا

---

37. David Marquand, Ronald L. Nettler, Religion and Democracy, Blackwell Publishers, 108-Cowley Road, Oxford, OX4 1JF, UK, 2000, pp.53-54

Marfat.com

مفہوم واضح ہو سکے۔

تہذیب اسلامی کی تعریف کرتے ہوئے فیضی کا کہنا ہے کہ اسلامی تہذیب سے تین چیزیں مراد ہیں:

ا۔ بلند ترین فکری سطح اور معیار جو اسلامی حکومت کے کسی دور میں پیدا ہوا۔

ب۔ تاریخی لحاظ سے وہ کام رانی جسے اسلام نے ادب، سائنس اور آرٹ کے میدان میں حاصل کیا۔

ج۔ مسلمانوں کا طریق زندگی، مذہبی عمل، زبان کے استعمال اور معاشرتی رسوم و رواج کے خصوصی ربط کے ساتھ۔ (۳۸)

ایک اور مصنف زبیر صدیقی کہتے ہیں:

اسلامی ثقافت، جہاں تک میں سمجھا ہوں، ایک مخصوص ذہنی مسلک کی نشان دہی کرتی ہے جو اسلام کی بنیادی تعلیمات سے مرتب ہوتا ہے، مثلاً وحدت ربانی، عظمت انسانی اور وحدت نسل انسانی کا عقیدہ۔ (۳۹)

پروفیسر محمد ارشد خان بھٹی کا کہنا ہے:

اسلامی تہذیب سے مراد وہ اسلامی عقائد ہیں جن پر ایمان لا کر ایک شخص مسلمان کہلاتا ہے اور ایک مخصوص طرزِ فکر اختیار کر لیتا ہے۔ اسلامی عقائد میں ایک خدا کو ماننا، اس کے فرشتوں، رسولوں، کتابوں اور آخرت کی زندگی پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ان نظریات کے مطابق مسلمان اپنی زندگی میں اللہ کے دیئے ہوئے قوانین (قرآن) پر عمل کرتے ہیں اور اس طرح کی اسلامی معاشرت، اسلامی تمدّن کہلاتی ہے جس میں کلمۂ طیبہ کو ماننے والے نظامِ مساجد و صیام، زکوٰۃ کی ادائیگی اور حج کا بالخصوص التزام ہوتا ہے۔ (۴۰)

۳۸۔ ڈاکٹر خالد علوی۔ اسلام کا معاشرتی نظام: ص ۱۲۴

۳۹۔ ایضاً

۴۰۔ پروفیسر محمد ارشد خاں بھٹی۔ مطالعۂ تہذیب اسلامی: ص ۲۴

Marfat.com

بعض مصنفین نے تہذیب اسلامی کے خصائص ضرور گنوائے ہیں، امتیازی اوصاف کا بھی عمدہ ذکر کیا ہے، مگر ان کے بیان کے طول و عرض سے تہذیب اسلامی کی کسی متفقہ تعریف کو اخذ کرنا مشکل ہے۔ (۴۱)

اصل میں جیسا کہ آغاز میں ذکر کیا گیا کہ تہذیب کی اصطلاح ہمارے ہاں کلچر (Culture) کے متبادل استعمال ہوتی ہے۔ موجودہ مفہوم میں سب سے پہلے کلچر کا لفظ استعمال کیا گیا، چوں کہ یہ اصطلاح متقدمین کے عہد میں موجود نہیں تھی، اس لئے ان کے ہاں اس کے مباحث نہیں ملتے۔ البتہ متاخرین بل کہ عہد جدید کے قلم کاروں نے اس پہ خامہ فرسائی کی ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اہل مغرب کے ہاں کلچر کی تعریف پر نظر ڈال لی جائے۔ گو کہ یہ اصطلاح ان کے ہاں بھی کوئی متفقہ مفہوم نہیں رکھتی، مگر عام کلچر کے جو معنیٰ ان کے ہاں استعمال ہوتے ہیں وہ یہ ہیں: اصلاح کرنا، عیوب سے پاک کرنا، بہتر بنانا، درست کرنا، تعلیم و تربیت دینا، خوش اخلاق بنانا۔

اس کی روشنی میں تہذیب اسلامی کی تعریف یہ کی جاسکتی ہے:

> ایسی تہذیب جو انسان کی علمی، فکری اور عملی اصلاح کر لے اور اُسے تعلیم و تربیت سے آراستہ کر کے دنیا و آخرت دونوں زندگیوں میں کام یاب ہونے والا فرد بنا دے۔

تہذیبِ اسلامی کے عناصر ترکیبی

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اس باب میں بھی مسلم مفکرین اہلِ قلم کے ہاں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہم اپنی محدود گنجائش کے پیشِ نظر اس سے صرفِ نظر کرتے ہیں۔ اوپر مذکور ہونے والی تہذیب اسلامی کی تعریف کی رو سے اس کے یہ چند اہم عناصرِ ترکیبی معلوم ہوتے ہیں:

۱۔ عقائد

۴۱۔ مطالعۂ تہذیب: ص ۱۴۰۔۱۳۹۔ اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی۔ اسلامک پبلی کیشنز، لاہور۔ ۲۰۰۶ء: ص ۶، ۸

Marfat.com

۲۔ عبادات

۳۔ اخلاق

ان عناوین کی تفصیل خاصی دل چسپ بھی ہے اور طویل بھی۔ ہم اپنے موضوع پر رہتے ہوئے خصوصیت کے ساتھ تہذیب اسلامی کے صرف ان اجزا کا تفصیلی ذکر کریں گے، جن کا تہذیبِ اسلامی کے عالم گیر تصور کو نمایاں کرنے میں کردار نہایت اہم ہے، اور جن کی بنیاد پر اسلامی تہذیب ایک ایسے عالم گیر تصور کی حامل ہے، جو پوری انسانیت کے درد کا مداوا، اس کے مسائل کا حل اور مصائب و مسائل کے بوجھ تلے سسکتی انسانیت کے لئے واحد جائے امن ہے۔

عقائد

انسان کے نظامِ فکر میں سب سے اہم نکتہ اس کے اعتقادات کا ہے، یہ اعتقادات کس نوعیت کے ہیں؟ اس سوال کے جائزے سے انسانی شخصیت کی بہت سی پرتیں کھلتی ہیں اور اس کے دوسرے امور اور معاملات کا جائزہ لینا بھی آسان ہو جاتا ہے۔ تہذیب و تمدن اور فنون و ثقافت کا بھی کوئی میدان اس کے اثرات سے آزاد نہیں ہے۔ ہماری اس بات کی تصدیق و تفہیم کے لئے دنیا کے چند بڑے مذاہب کی تعمیرات کو دیکھ لیجئے، اور ان کی عبادت گاہوں کا جائزہ لیجئے، پھر ان کے عقائد کا مطالعہ کیجئے۔ ان کے نظامِ فکر اور نظامِ تعمیر میں مماثلتیں خود بہ خود آپ کے سامنے ظاہر ہو جائیں گی۔ چوں کہ ہم تہذیب اسلامی کے حوالے سے گفت گو کر رہے ہیں، اس بنا پر عقائد سے یہاں اسلامی عقائد مراد ہیں۔

اسلامی عقائد کی بنیاد ان تین نکات پر ہے:

۱۔ توحید

۲۔ رسالت

۳۔ آخرت

توحید

توحید کائنات کی سب سے بڑی سچائی ہے۔ توحید انسانی عروج و زوال کا پیمانہ اور

Marfat.com

اصلاحِ احوال کی صورت حال کو ماپنے کی کسوٹی ہے۔ یہ وہ امتحان گاہ ہے جہاں سے کام یاب ہونے والا ہر قدم کامرانیوں سے سرفراز ہوتا ہے، اور یہاں ٹھوکر کھا جانے والا پھر کہیں کا نہیں رہتا۔

نسلِ انسانی کے آغاز کے بارے میں دو نقطۂ نظر ہیں:

سائنس کہتی ہے کہ یہ کارخانۂ قدرت خود بہ خود معرض وجود میں آیا اور ''اندھی'' قوتوں کے زیرِ اثر اپنے طبعی فرائض پورے کر رہا ہے۔ دیکھا جائے تو وہ قوتیں اندھی نہیں، جن کے زیرِ اثر اہل سائنس کی کائنات چل رہی ہے، بل کہ اندھے کہلانے کے مستحق تو وہ خود ہیں جنہیں ''ان دیکھی'' قوت نظر نہیں آتی۔ جس کے شواہد سے اس کائنات کا کوئی حصہ خالی نہیں۔

دوسرا نقطۂ نظر قرآن کا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ نسلِ انسانی کا آغاز حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کی پیدائش سے ہوا۔ ابتدا میں معاملات درست ڈگر پر رواں دواں رہے، پھر آہستہ آہستہ ان میں بگاڑ آتا گیا۔ پھر انبیائے کرام کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا، ارشاد ہے:

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً قف فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ص وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ (۴۲)

پہلے سب لوگ ایک ہی گروہ تھے پھر (جب ان میں اختلاف ہوا تو) اللہ نے نبی بھیجے جو خوش خبری دیتے اور ڈراتے تھے اور ان کے ساتھ سچی کتاب بھی نازل کی تا کہ اللہ اختلافی باتوں میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دے۔

قرآن سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہر قوم میں انبیائے کرام کی آمد ہوئی ہے۔ قرآن حکیم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہے:

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ؀ (۴۳)

بے شک آپ کا کام تو خبردار کر دینا ہے اور ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوا ہے۔

۴۲۔ البقرہ: ۲۱۳

۴۳۔ الرعد: ۷

Marfat.com

مزید فرمایا:

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ (۴۴)

اور ہر امت کے لئے ایک رسول ہوا ہے۔

توحید کی درست اور مکمل شکل وہی ہے جو انبیائے کرام کی تعلیمات سے ثابت ہے، مگر خود یہ بات تحقیق طلب ہے کہ انبیائے کرام کی تعلیمات کس حد تک کائنات کے سفر میں آنے والے مدو جزر سے محفوظ رہیں، اور آج جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ کس حد تک صاف اور واضح ہے، اس باب میں اگر کوئی چیز شک وشبہے سے بالاتر قرار دی جاسکتی ہے تو وہ اسلامی تعلیمات ہیں، جس کے بنیادی مآخذ دو ہیں: قرآن وسنت۔ توحید کے بنیادی نکات اور ان کی تشریح خود قرآن کریم سے ثابت ہے۔ اس بنا پر اس باب میں اسلام کا تصور توحید سب سے ممتاز، مستند اور عقل وشعور کے زیادہ قریب ہے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثتِ مبارکہ نے ایک بار پھر دنیا کو مفاہیم توحید سے روشناس کرایا۔ اس سے قبل گم راہیوں کے گرداب میں مبتلا یہ کائنات توحید کے مفہوم و مقاصد دونوں سے عملاً نا آشنا ہو چکی تھی۔ توحید کا مفہوم یہ ہے کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے، جس نے اسے پیدا کیا، اور وہی اس کے اس وسیع وعمیق نظم ونسق کو چلا رہا ہے، اسی کو اسلام اللہ کہتا ہے، وہی ذات تمام کائنات کی مالک، مختار، خالق، رازق، زندگی اور موت دینے والی ہے۔ اس کا کوئی شریک وسہیم نہیں۔ وہ اپنی ذات وصفات میں یکتا وتنہا ہے۔ قرآن کہتا ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌO اَللّٰهُ الصَّمَدُO لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْO وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌO (۴۵)

کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس کی کوئی اولاد ہے، نہ وہ کسی کی اولاد ہے، اور نہ اس کا کوئی ہم سر ہے۔

یعنی وہ تنہا، واحد، اور بالکل ایک ہے، اس کے اجزا کا تصور ہی نہیں، وہاں نہ

۴۴۔ یونس: ۴۷

۴۵۔ الاخلاص: ۱۔۴

Marfat.com

اجزائے عقلیہ ہیں نہ خارجیہ، اور یہ یکتائی اس کی صفت ہے، جو نا قابلِ تقسیم ہے، وہ احد ہے۔ کثرت کو اس کی ذات میں دخل ہی نہیں۔ پھر وہ صمد ہے، صمدیت، احدیت کا لازمی نتیجہ ہے۔ صمد کے معنیٰ ہیں: پاک و بے نیاز، جس کی طرف خلق کا رجوع ہو، جو کھانے پینے، بھوک اور پیاس سے پاک ہو، جو ہر طرح کے احتیاج اور ضرورت سے پاک ہو، صمد وہی ہے، جو کسی کا بھی محتاج نہ ہو، نہ وجود کے لئے، نہ بقائے وجود کے لئے، وہ خود ہی سب کچھ ہو، کسی اصل و فرع، شاخ اور جڑ، کسی چیز کے تصور کا بھی وہاں گزر نہ ہو، اس کے نہ بیٹے بیٹیاں ہیں، نہ ماں باپ، اس کی نہ ابتدا ہے، نہ انتہا، اس کا نہ کوئی مثل ہے نہ مقابل، اور نہ کوئی ہم سر ہے۔ (۴۶)

حقیقت یہ ہے کہ عقیدۂ توحید آفاقیت کا مظہر ہے، اس کے بالمقابل شرک محدودیت کو جنم دیتا ہے، کیوں کہ شرک کا معاملہ محض چند اعتقادات کا مذہبی معاملہ نہیں، بل کہ یہ پورے انسانی نظامِ حیات کو متاثر کرتا ہے۔ توحید کا فطری جذبہ انسان کو ایک دربار میں جھکنے پر مجبور کرتا ہے، جب یہ جذبہ فساد کا شکار ہوتا ہے تو اس کا جذبۂ خود سپردگی تو موجود رہتا ہے، اس کا فطری اظہار برقرار نہیں رہتا۔ یہی عقیدے کے بگاڑ اور فساد کی بنیاد ہے۔ ایسے میں انسان خالق سے تعلق توڑ کر مخلوق میں اپنے جذبۂ عبودیت کی تسکین تلاش کرتا ہے، حال آں کہ پوری کائنات مخلوق ہے، اس بنا پر اس میں موجود ہر چیز مخلوق ہے، اسے مقدس قرار دینا ظلم ہے، اسی کو شرک کہتے ہیں۔ ظلم کی تعریف یہ کی گئی ہے:

وضع الشئی فی غیر موضعه المختص به (۴۷)

کسی چیز کو ایسی جگہ پر رکھنا جو اس کی اصل جگہ نہ ہو۔

کسی بھی مخلوق کو خالق کے مقام پر فائز کرنے سے بڑا ظلم کیا ہوگا؟ اسی لئے قرآن شرک کو صرف ظلم نہیں، ظلمِ عظیم کہتا ہے۔ (۴۸)

انسان جب اپنی راہِ ہدایت سے بھٹکا تو اس نے فطرت کو پوجنا شروع کر دیا اور اسے

۴۶۔ سید عزیز الرحمٰن۔ خطباتِ محرم۔ القلم، ناظم آباد، کراچی ۲۰۰۶ء: ص ۳۴

۴۷۔ جرجانی۔ کشف اصطلاحات الفنون: بہ ذیل مادہ

۴۸۔ لقمان: ۱۳

Marfat.com

مقدس قرار دے دیا۔ پھول، پودے، ریت، پہاڑ، سمندر، دریا، چاند، تارے، سورج، کچھ محفوظ نہیں رہا۔ حال آں کہ یہ سب مخلوق تھے، اور انسان کے خادم، انہیں تو حضرت انسان کی خدمت کے لئے مسخر کیا گیا تھا۔ دیکھئے اس باب میں قرآن کریم کی ہدایات کس قدر واضح ہیں:

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ O (۴۹)

اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اس نے تمہارے لیے مسخر کردیا۔ یقیناً غور کرنے والوں کے لیے ان میں (بھی) بہت سی نشانیاں ہیں۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ O (۵۰)

اور اس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو بھی تمہارے لئے مسخر کر دیا اور ستارے بھی اسی کے حکم کے تابع ہیں۔ بے شک اس میں عقل مند قوم کے لئے نشانیاں ہیں۔

نتیجہ یہ ہے کہ وہ مخلوق جسے ہمارے لئے مسخر کر کے ہمارا خادم قرار دیا گیا تھا، اسے مقدس قرار دے کر ہم نے ترقی کی راہیں خود اپنے لئے مسدود کرلیں۔ اسلام نے توحید کے صحیح تصور سے دنیا کو آشنا کر کے انسان کے لئے تحقیق اور ترقی کی راہیں وا کیں۔ اگر ترقی کے صرف ایک پہلو مادی اور سائنسی ترقی کی جانب ہی نظر کریں تو ہم دیکھیں گے کہ اسلام سے قبل ستاروں کو صرف پرستش کا مرکز تصور کیا جاتا تھا۔ اسلام نے آکر انسان کو غور وفکر کی راہ پر گام زن کیا۔ پھر انسان نے رصد گاہیں تعمیر کیں اور فلکیات پر عظیم الشان تحقیقات سامنے آئیں۔ اسی طرح اسلام سے قبل درختوں سے پراسرار کہانیاں وابستہ تھیں، جن کے بہ موجب درختوں کو بھی مقدس اور قابلِ تعظیم تصور کیا جاتا تھا۔ اسلام نے ان کہانیوں

۴۹۔ الجاثیۃ: ۱۳

۵۰۔ النحل: ۱۲

Marfat.com

کو یک سر مسترد کر کے انہیں مخدوم سے خادم کے درجے پر فائز کیا۔ تب انسان اس قابل ہوا کہ وہ نباتات پر تحقیق کا آغاز کرے۔ یہی حال زمین، آسمان، چاند، سورج وغیرہ دیگر اجرامِ فلکی سمیت دوسری مخلوقات کا ہے۔ (۵۱)

اسلام کا پیغام توحید لا سے شروع ہوتا ہے، لا الہ کہہ کر اسلام سب سے پہلے شرک کے وہ تمام کانٹے اور جھاڑ صاف کرتا ہے جو توحید کی فصل کے لئے کسی صورت بھی مضر ثابت ہوسکتے ہیں۔ پھر الا اللہ سے ایک خدا کا اثبات کرتا ہے۔ یہ اسلوب اسلامی معاشرے سے غیر اللہ کا ہر نقشِ فاسد مٹا دیتا ہے، پھر وہ فضا تیار ہوتی ہے جس میں اسلامی تہذیب پروان چڑھتی ہے، اور اسے اپنی وسعتوں اور آفاقیت کے اظہار کا موقع ملتا ہے۔ اسلامی تہذیب کی خشتِ اول یہی توحید ہے۔ اس کا سب سے زیادہ موثر اظہار یہ ہے کہ اسلامی تہذیب پوری انسانیت کو ایک نگاہ سے دیکھتی ہے، وہ جغرافیائی، لسانی، حیاتیاتی کسی نوعیت کی محدودیت سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی۔ اس کی آغوشِ رحمت میں آجانے والا ہر شخص مومن ہے، اور اس سلسلے میں وہ نہ کسی ابہام کی شکار ہوسکتی ہے نہ کسی تعصب کا۔ دنیا بھر کی تہذیبوں میں یہ افتخار صرف اسلام اور اس کی تہذیب کو ہی حاصل ہے۔

شرک ہر طرح انسانیت کے لئے ضرر رساں ہے، اس کی وضاحت ایک مثال سے ہوسکتی ہے۔ ہندوؤں اور ہندومت کے عام تصورات کے مطابق کسی جان کو مارنا سب سے بڑا گناہ ہے، اور چوں کہ گوشت کو بہ طور غذا استعمال کرنے کے لئے جان دار کو مارنا پڑتا ہے، اس لئے گوشت کا استعمال ممنوع ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ گائے ان کے ہاں دیوی (Goddess) کا درجہ رکھتی ہے، چناں چہ اسے کیسے کھایا جاسکتا ہے؟ ان تصورات نے ہندو کو سبزی خور قوم بنا دیا ہے، جس کے نتیجے میں ان کے ہاں غذائیت کی کمی کے مسائل جنم لے رہے ہیں۔ ۱۹۶۷ء میں اس وقت کے انڈین ایگری کلچرل انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی کے ڈائریکٹر ڈاکٹر ایم ایس سوامی ناتھن کے ایک بیان نے پورے انڈیا کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ان

۵۱۔ اس باب میں مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: مولانا وحید الدین خاں۔ اسلام دورِ جدید کا خالق۔ فضلی سنز، کراچی ۱۹۹۸ء: ص ۲۳ بعد۔ نیز وہی مصنف اسلام اور عصرِ حاضر۔ فضلی سنز، کراچی، ۱۹۹۶ء: ص ۹۹ بعد

Marfat.com

کا کہنا تھا کہ متوازن غذا کا تصور اگر چہ نیا نہیں، مگر دماغ کے ارتقا کے سلسلے میں اس کی اہمیت ایک نئی حیاتیاتی دریافت ہے۔ اب یہ بات قطعی ہے کہ چار سال کی عمر میں انسانی دماغ ۸۰ فیصد سے لے کر ۹۰ فیصد تک اپنے پورے وزن کو پہنچ جاتا ہے۔ اور اگر اس نازک مدت میں بچے کو مناسب پروٹین نہ ملے تو اس کا دماغ اچھی طرح نشوونما نہیں پاسکتا۔ اس لئے اگر ناقص تغذیہ اور پروٹینی فاقے (Protein hunger) کے مسئلے پر جلد توجہ نہیں دی گئی تو اگلے دو دہائیوں میں ہمیں یہ منظر دیکھنا پڑے گا کہ ایک طرف متمدن قوموں کی ذہنی طاقت (Intellectual power) میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اور دوسری طرف ہمارے ملک میں ذہنی بونا پن بڑھ رہا ہے۔ نوجوان نسل کو پروٹینی فاقے سے نکالنے میں اگر ہم نے جلدی نہ کی تو اس کا یہ سنگین نتیجہ برآمد ہوگا کہ ہر روز ہمارے یہاں دس لاکھ ذہنی بونے (Intellectual dwarfs) وجود میں آئیں گے۔ اس کا بہت کچھ اثر ہماری نسلوں پر حالیہ برسوں ہی میں پڑ چکا ہوگا۔ اس لئے حکومت کو چاہئے کہ اپنی کارروائیوں کے ذریعے عوام کے اندر پروٹینی شعور (Protein consciousness) پیدا کرے اور اس سلسلے میں رائے عامہ کو ہموار کرے۔ (۵۲)

اگر چہ ہندو انتہاپسندی کے احتجاج کے سبب ڈاکٹر ناتھن کو خاموش ہونا پڑا۔ دیکھئے خالصتاً غذائی مسئلہ محض شرک کی وجہ سے کس طرح مقدس مسئلے کی شکل اختیار کرگیا؟ اور خود سائنس کو دیکھئے کہ اس کا تجزیہ کہتا ہے کہ گوشت انسان کے لئے ناگزیر ہے۔ یعنی توحید اور ایک اللہ کی تعلیمات کس طرح عملی زندگی میں ہماری راہ نمائی کر رہی ہیں، اور کس طرح انسانی ذہن کی آب یاری میں مصروف ہیں۔ اور ایک مشرک ذہن کس طرح ذہنی بونے پن کا شکار ہو رہا ہے۔

شرک ذات پات اور اونچ نیچ کی بھی بنیاد ہے۔ یہ اس سے نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تشریف لاکر انسانیت کو آزادی دلائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قد اذهب الله عنكم عبية الجاهلية وفخرها بالآباء،مومن تقى

۵۲۔ مولانا وحید الدین خاں۔ اسلام دور جدید کا خالق: ص ۵۴۔۵۳

Marfat.com

وفاجر شقی والناس بنو آدم وآدمہ تراب (۵۳)

بے شک اللہ نے جاہلیت کے غرور اور نسلی فخر کا خاتمہ کر دیا۔ اب انسان یا تو صاحبِ تقویٰ مومن ہے یا گنہ گار بد بخت ہے۔ تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ شرک کے تہذیبی نقصانات کو اگر شمار کیا جائے تو ایک طویل فہرست تیار ہوگی، اور اسے بھی مکمل فہرست قرار دینا ممکن نہیں ہوگا۔ (۵۴) توحید کے اثرات اور اسلامی تہذیب کے عالم گیر تصور کو پروان چڑھانے میں توحید کے کردار کے حوالے سے یہ چند اشارے کیے گئے۔ اس بحث کے اختتام پر ہم مشہور مورخ ٹوئن بی (Arnold J. Toyn Bee) کا ایک اقتباس دینا چاہیں گے، جس میں اس نے اسلامی معاشرے میں توحید کے نہایت گہرے، دائمی اور ہمہ گیر اثرات کا تجزیہ کیا ہے، وہ کہتا ہے:

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں رومی سلطنت کی زندگی کی دو خصوصیات بہت ہی اہم ہیں، جن سے ایک عام عربی ذہن بہت گہرا اثر لے سکتا تھا۔ کیوں کہ عرب میں دو خصوصیات موجود نہ ہونے کی وجہ سے بہت ہی زیادہ قابلِ توجہ تھیں۔ ان خصوصیات میں سے پہلی توحید پر مبنی مذہب تھا اور دوسری قانون اور حکومت کا نظم ونسق تھا۔ محمد ﷺ کی زندگی بھر کی جدوجہد ان عناصر کو جو روم کی سماجی زندگی کے بنیادی عناصر تھے انہیں عرب کے مقامی حالات میں ڈھالنے اور انہیں عرب کے توحید پر مبنی مذہب اور ایک ہی آقا کے ماتحت عرب کی سلطنت کی تشکیل میں استعمال کرنے پر مبنی ہے۔ یعنی ایسا ادارہ جو ہمہ گیر ادارے اسلام پر مبنی تھا، جس میں وہ کام یاب بھی ہوئے کہ انہوں نے ایک نئی عظیم الشان قوت محرکہ فراہم کر دی، جسے ان وحشی اور بدوی مزاج

۵۳۔ ترمذی: ج ۵، ص ۴۹۸، رقم ۳۹۸۲

☆ ابوداؤد: ج ۴، ص ۳۶۷، رقم ۵۱۱۶

۵۴۔ اس سلسلے میں مزید مثالوں کے لئے ملاحظہ کیجیے۔ مولانا وحید الدین خاں۔ اسلام دور جدید کا خالق: ص ۶۹ بعد، نیز ص ۵۶ بعد

Marfat.com

رکھنے والے عرب کی ضروریات کے لئے تشکیل دیا گیا تھا اور پھر یہ نظام اس جزیرہ نما کی سرحدوں سے باہر نکل گیا اور اس نے پوری عرب دنیا اور شامی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا جو اوقیانوس کے ساحلوں سے لے کر یوریشیا کی سرحدوں تک پھیلا ہوا تھا۔ (۵۵)

رسالت

رسالت اسلامی نظام عقائد کا دوسرا اہم رکن ہے، اور اسلامی تہذیب کی اساس و بنیاد کا دوسرا اہم ترین حصہ ہے۔ انسان خود اپنی حقیقت جاننے سے بھی عاجز ہے، فلسفہ پوری تاریخ انسانی کی سرگردانی کے باوجود آج تک اس سوال کا جواب نہیں جان سکا۔ کیوں کہ جیسے اس کی سوچ محدود ہے، اسی طرح اس کا علم بھی محدود ہے، جس طرح انسان کے لئے یہ ممکن نہیں کہ سامنے نظر آنے کے باوجود سورج کو بہ راہِ راست آنکھ سے دیکھ سکے، اسی طرح حقیقت کا بہ راہِ راست مشاہدہ بھی اس کی طاقت سے ماورا ہے۔ یہ راہ نمائی اسے اللہ تعالیٰ ہی فراہم کرسکتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی راہ نمائی انسان تک پہنچانے کا فریضہ ایک رسول سرانجام دیتا ہے۔ علم العقائد میں رسالت کی بحث کے تین بنیادی حصے ہیں:

۱۔ تمام رسولوں پر ایمان لانا۔

۲۔ تمام رسولوں پر نازل ہونے والی کتب اور صحیفوں پر ایمان لانا۔

۳۔ نبیٔ آخر الزماں علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خاتم النبین تسلیم کرنا۔

اسلامی تہذیب کے عالم گیر تصور میں ان تینوں پہلوؤں کا کردار اہم ہے، جب ہم تمام انبیائے کرام پر بلا استثنا ایمان لانے کو ضروری قرار دیتے ہیں تو ہم ان انبیا اور ان کی امتوں کے مابین فرق نہیں کرتے۔ یہ عقیدہ آفاقیت کا مظہر ہے۔ قرآن واضح طور پر انبیائے کرام کے مابین اس نوعیت کی تفریق کو رد کرتا ہے، سورہ النساء میں ارشاد ہے:

---

55. J. Toynbee, A Study of History, Abridgement of Volumes I-VI by D. C. Somervell, Oxford University Press, 1947, pp.227-8

Marfat.com

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَكۡفُرُوۡنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیَقُوۡلُوۡنَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّنَكۡفُرُ بِبَعۡضٍ ۙ وَّیُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا بَیۡنَ ذٰلِكَ سَبِیۡلًا ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ حَقًّا ۚ وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِیۡنَ عَذَابًا مُّهِیۡنًا ۝ (۵۶)

بلاشبہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں، اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں، اور بعض کو نہیں مانتے اور یوں چاہتے ہیں کہ درمیان کی ایک راہ نکالیں، وہ لوگ پکے کافر ہیں۔ اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اسی طرح تمام انبیائے کرام اور ان پر نازل شدہ کتب اور صیفوں پر بھی ایمان لانا درحقیقت پوری انسانیت کو ایک لڑی میں پرونا ہے، اس میں تفرقے کا سبب وہ بنتے ہیں جو ان تعلیمات کو جھٹلاتے، یا ان کے مابین کسی قسم کی تفریق کو روا رکھتے ہیں۔

عقیدۂ رسالت کا تیسرا جز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبین ہونا ہے۔ آپ کی بعثت مبارکہ سے قبل نبوت مقامی تھی، علاقائی اور محدود تھی۔ آپ کی نبوت کو پہلی بار آفاقیت کا درجۂ فضیلت عطا کیا گیا۔ قرآن کریم میں خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا گیا:

قُلۡ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَیۡكُمۡ جَمِیۡعًا (۵۷)

اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کے لئے رسول بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیۡرًا وَّنَذِیۡرًا (۵۸)

اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا

۵۶۔ النساء: ۱۵۱۔۱۵۰

۵۷۔ الاعراف: ۱۵۸

۵۸۔ السبا: ۲۸

Marfat.com

بنا کر بھیجا ہے:

اس بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سابقہ شرائع کی تنسیخ فرما دی۔ قرآن حکیم میں ہے:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ (۵۹)

اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو چاہے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔

آپ کو ختم نبوت سے سرفراز فرما دیا گیا۔ آپ نہ صرف افضل الرسل ہیں، بل کہ آپ پر سلسلۂ رسالت و نبوت بھی ختم فرما دیا گیا۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا نہ رسول، اب قیامِ قیامت تک صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی رسالت کا چراغ فروزاں رہے گا، اور آپ ہی کی نبوت سے استفادے کی اجازت ہوگی۔ قرآن حکیم میں فرمایا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (۶۰)

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كانت بنو اسرائيل تسوسهم الانبياء، كلما هلك نبي خلفه نبي، وانه لا نبي بعدي وسيكون خلفاء فيكثرون (۶۱)

بنی اسرائیل کی قیادت انبیا کیا کرتے تھے۔ جب کوئی نبی وفات پا جاتا تو

۵۹۔ آل عمران: ۸۵

۶۰۔ الاحزاب: ۴۰

۶۱۔ بخاری: ج ۲، ص ۴۰۴، رقم ۳۴۵۵

☆ مسلم: ج ۳، ص ۲۳۴، رقم ۱۸۴۲

☆ ابن ماجہ: ج ۳، ص ۲۵۵، رقم ۲۸۷۱

Marfat.com

دوسرا نبی اس کا جانشین ہوتا، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، بل کہ خلفا ہوں گے۔

اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان مثلی و مثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتا فاحسنه وا جمله الا موضع لبنة من زاوية، فجعل الناس يطوفون به ويعجبون له ويقو لون، هلا وضعت هذه اللبنة، قال فانا اللبنة وانا خاتم النبيين (٦٢)

میری اور مجھ سے پہلے (گزرے ہوئے) انبیا کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک گھر بنایا اور اس میں ہر طرح کا حسن وخوب صورتی پیدا کی، لیکن ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوٹ گئی۔ اب تمام لوگ آتے ہیں اور مکان کو چاروں طرف سے گھوم پھر کر دیکھتے ہیں اور حیرت زدہ رہ جاتے ہیں، لیکن یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ یہاں پر ایک اینٹ کیوں نہ رکھی گئی؟ تو میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فضلت على الانبياء بست، اعطيت جوامع الكلم، ونصرت بالرعب، واحلت لى الغنائم، وجعلت لى الارض طهورا ومسجدا، وارسلت الى الخلق كافة وختم بى النبيون (٦٣)

مجھے انبیا پر چھ چیزوں کے ذریعے فضیلت عطا کی گئی ہے۔ مجھے جوامع الکلم عطا کئے گئے۔ اور رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی۔ اور میرے لیے مالِ غنیمت حلال کیا گیا۔ اور میرے لیے زمین کو پاک اور مسجد قرار دیا گیا۔ اور مجھے تمام مخلوق کی طرف پیغمبر بنا کر مبعوث کیا گیا۔ اور نبیوں کا سلسلہ مجھ پر ختم

٦٢۔ بخاری: ج ٢، ص ٤٢٢۔ رقم ٣٥٣٥

٦٣۔ مسلم: ج ١، ص ٣٠٣، رقم ٥٢٣

Marfat.com

کر دیا گیا۔ (۶۴)

عقیدۂ ختمِ نبوت کا تہذیبی اثر بھی اسلامی تہذیب کی عالم گیریت کی شکل میں دیکھا جا سکتا ہے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضانِ رسالت عام ہے، پاکستان سے مراکش تک اور جزائر غرب الہند سے ٹیکساس تک ہر فرد بشر کے لئے دربارِ نبوت کے دروازے یک ساں طور پر کھلے ہوئے ہیں۔

آخرت

آخرت اسلامی عقائد کا تیسرا اہم جز ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ موجودہ دنیا کے بعد ایک اور دنیا ہے، جہاں ہمیں ہمیشہ رہنا ہے۔ اِس دنیا میں ہمارا عمل دخل ہماری وفات کے بعد ختم ہو جائے گا، پھر نئی دنیا کے معاملات کا آغاز ہوگا۔ یہ دنیا انسان کے لئے امتحان گاہ کا درجہ رکھتی ہے۔ یہاں انسان کو ایک خاص عرصے تک کے لئے اس لئے بھیجا گیا ہے کہ وہ اگلے جہان کے لئے تیاری کرے۔ فصل بوئے، اور اس کے نتائج کا انتظار کرے۔ جب ہمیں کوئی چیز حاصل ہوتی ہے تو خوشی و مسرت کی کیفیت میں ہم یہ سوچنا بھول جاتے ہیں کہ اس چیز کا منبع و ماخذ کہاں ہے؟ یہ ہمیں کہاں سے اور کیوں حاصل ہوئی؟ اور یہ ہمارے پاس کب تک رہے گی؟ لیکن جب کوئی چیز ہم سے کھو جاتی ہے تو ہمیں اس سے اس قدر دکھ اور تکلیف پہنچتی ہے کہ ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ یہ کیسے کھوئی؟ اور اس کے دوبارہ حاصل ہونے کی امید ہے یا نہیں؟ اور اس کے اسباب و علل کیا ہیں؟ کیوں کہ جو چیز انسان کی حسیات کو جس قد زیادہ ٹھیس پہنچاتی ہے اسی قدر زیادہ وہ قوت فکر کو حرکت میں لاتی ہے۔ یہی حال موت اور زندگی کا بھی ہے، ہمیں اس بات کی زیادہ پروا نہیں ہوتی کہ ہمارے اندر دوڑنے والی حیات کہاں سے آئی؟ اور اس کا آغاز کس طرح اور کیوں کر ہوا؟ لیکن موت اور اس سے متعلقہ سوالات پر ہم زیادہ توجہ دیتے ہیں کہ ان سے ہمارا مستقبل وابستہ ہے۔ (۶۵)

آخرت پر یقین اور مر کر دوبارہ اٹھائے جانے اور پھر ایک نئی ابدی اور دائمی زندگی

۶۴۔ خطبات محرم: ص ۶۵، ۶۷

۶۵۔ خطبات محرم: ص ۷۱، ۷۲

Marfat.com

کے آغاز کا اعتقاد انسان کے اندر وہ جذبہ پیدا کرتا ہے، جس کے زیرِ اثر انسان اس دنیا کو محض عارضی قیام گاہ تصور کرتا ہے، اور اسے امتحان گاہ جانتے ہوئے یہاں ایسے اعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اگلے جہاں میں اس کے کام آسکیں۔ انسان جب عقیدہ آخرت پر یقین کر لیتا ہے تو اس کا مادیات کے بارے میں تصور بالکل تبدیل ہو جاتا ہے، پھر وہ انہیں محض استعمال کی چیز ہی قرار دیتا ہے، اور اسلام کے اعلیٰ و ارفع تصور اخلاق پر اس کی نظریں ہوتی ہیں۔ وہ دنیا کو اپنی تمام تر دلچسپیوں کا مرکز قرار دینے سے گریز کرتا ہے، چناں چہ قرآن کریم جگہ جگہ اس کی تلقین کرتا نظر آتا ہے، وہ بار بار اسی جانب توجہ دلاتا ہے کہ دنیا کی زندگی فانی اور عارضی ہے، اصل زندگی تو آخرت کی ہے۔

چند آیات ملاحظہ کیجئے:

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ م لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (۶۶)

اور اس دنیا کی زندگی لہو لعب کے سوا کچھ نہیں اور بے شک آخرت کا گھر ہی زندگی ہے، کاش وہ جانتے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۧ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا (۶۷)

کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا جن کو حکم دیا گیا تھا کہ تم اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو، پھر جب ان پر جہاد فرض ہوا تو اس وقت ان میں سے ایک فریق تو لوگوں سے ایسا ڈرنے لگا جیسے کوئی اللہ سے ڈرتا ہے یا اس سے بھی زیادہ اور وہ کہنے لگے کہ اے ہمارے رب! تو

۶۶۔ العنکبوت: ۶۴

۶۷۔ النساء: ۷۷

Marfat.com

نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا؟ ہمیں تھوڑی مدت اور مہلت دے دیتا، آپ کہہ دیجئے کہ دنیا کا فائدہ تھوڑا ہے اور پرہیز گاروں کے لئے آخرت ہی بہتر ہے، اور تم پر ایک تاگے کے برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ (۶۸)

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کا کہا جاتا ہے تو تم بوجھل ہو کر زمین سے لگ جاتے ہو، کیا تم آخرت کو چھوڑ کر دنیاوی زندگی پر راضی ہو گئے؟ سو آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کے فائدے بہت ہی قلیل ہیں۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (۶۹)

ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور بے شک قیامت کے روز تمہیں تمہارے اعمال کا پورا پورا اجر ملے گا، پس جس کو آگ سے بچایا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا سو وہی کام یاب ہوا اور دنیاوی زندگی تو دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔

نتیجتاً اس کی نظر میں وسعت، اس کی سوچ میں گہرائی و آفاقیت پیدا ہوتی ہے، وہ وقتی مفادات سے بالاتر ہو کر سوچتا ہے، اور چوں کہ وہ جانتا ہے کہ کام یابی کا راز اخروی نجات میں ہے، جس کا کسی کو کچھ پتہ نہیں، سب نے مرنا ہے، سب کا حساب و کتاب ہوگا۔ اس لئے اس کی نظر میں کوئی حقیر نہیں رہتا۔ یوں وہ انسانی مساوات تشکیل پاتی ہے جو اسلام کا مطلوب ہے۔ اسلامی تہذیب کے عالم گیر تصور میں عقیدۂ آخرت کا کردار اس اعتبار سے

۶۸۔ التوبۃ: ۳۸

۶۹۔ آل عمران: ۱۸۵

Marfat.com

نہایت اہم ہے۔ خصوصاً اسلامی تہذیب کے نفاذ میں تصورِ آخرت نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ یہ تصور انسان میں ایک زبردست محتسب کو جنم دیتا ہے جسے ہم اس کا ضمیر بھی کہہ سکتے ہیں، جو اسے ان جگہوں پر بھی برائی کرنے سے روکتا ہے جہاں دنیاوی پولیس یا عدالت کی پہنچ نہیں ہوتی۔ بعض بہ ظاہر معمولی اخلاقی معاملات میں بھی وہ ڈرتا رہتا ہے، مثلاً ایک روزے دار چاہے تو دنیا والوں سے چھپ کر کھا پی سکتا ہے، لیکن وہ تنہائی میں بھی ایسا نہیں کرتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا سے اور آخرت میں اس کی پکڑ سے ڈرتا ہے اور آخرت میں حاصل ہونے والی سعادت اسے دنیاوی تکلیف برداشت کرنے کا اہل بنا دیتی ہے۔ اس طرح اسلامی تہذیب بہ جا طور پر اس بات کی دعوے دار ہے کہ اس کا اپنا نظام فکر و عمل اور اپنی قوت نافذہ ہے۔ (۷۰)

اسلامی تہذیب پر عقیدۂ آخرت کے ان اثرات کا اعتراف کرتے ہوئے لیکی کہتا ہے: اگر انسان واقعی یہ سمجھ لے کہ اسے اپنے اعمال کا معاوضہ ایک دائمی عذاب یا دائمی ثواب کی صورت میں کسی ہمہ داں اور ہمہ بیں حاکم کی عدالت میں ملے گا تو یہ خیال نیک کرداری کا ایسا زبردست محرک ہوگا، جس کے سامنے ارتکاب معصیت کی کوئی تاویل نہیں چل سکتی۔ (۷۱)

عبادات

اسلامی تہذیب کے عناصرِ ترکیبی میں دوسرا اہم عنوان عبادات کا ہے، جس میں نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور جہاد اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ تمام اجزا اپنی ماہیت وحقیقت اور کیفیت کے اعتبار سے اسلامی تہذیب کو ایسی اساس فراہم کرتے ہیں جو اس کے فروغ اور نفاذ میں قوتِ نافذہ کا کردار ادا کرتی ہے۔ یہی اجزا اسلامی تہذیب کے پیغام کو وسعت و آفاقیت عطا کرتے ہیں۔ ذیل میں ان پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے ہم اس پہلو کو خاص طور پر نمایاں کریں گے۔

۷۰۔ نگار سجاد ظہیر۔ مطالعہ تہذیب: ص ۱۹۳

۷۱۔ ندوی، سید ابوالحسن علی۔ مذہب اور تمدن۔ مجلسِ نشریات اسلام، کراچی: ص ۹۵

Marfat.com

نماز

ارکان اسلام میں نماز، توحید کے بعد دوسرے نمبر پر اور عبادات میں سے اولین فریضہ ہے، جو عبودیت کا اظہار بل کہ افتخار ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے محض عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے، ارشادِ باری ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ○ (۷۲)

ہم نے جنوں اور انسانوں کو عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔

اور عبادت کی معراج نماز ہے۔ نماز کیا ہے؟ ایک عاجز و بے مایہ بندے کا اپنے خالق و مالک کے حضور سجدۂ نیاز، انسانی فطرت کا سوز و گداز، خالق و مخلوق کے مابین تعلق کی عکاسی، قلبِ مضطر کی پکار اور مایوس دل کی صدا ہے، جس کا آغاز خالقِ کائنات کی حمد و ثنا سے ہوتا ہے اور جس کا اختتام جبینِ نیاز کو اس کے حضور میں خاکِ زمیں پہ ٹیک دینے پر ہوتا ہے، اسے اگر زندگی کا حاصل قرار دیا جائے تو کیوں کر غلط ہوگا؟ (۷۳)

نماز کی اہمیت قرآن حکیم اور تعلیمات نبوی میں نمایاں طور پر بیان ہوئی ہے۔ ہر نومسلم کو سب سے پہلے نماز ہی کی دعوت دی جاتی ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ فرمایا تو انہیں یہ ہدایت فرمائی:

انك تاتی قوما من اهل الكتاب فادعهم الى شهادة ان لا اله الا الله و انى رسول الله، فان هم اطاعوا لذلك، فاعلمهم ان الله افترض عليهم خمس صلوات فى كل يوم و ليلة، فان هم اطاعوا لذلك، فاعلمهم ان الله افترض عليهم صدقة توخذ من اغنيائهم فترد فى فقرائهم (۷۴)

۷۲۔ الذاریات: ۵۶

۷۳۔ خطباتِ محرم: ص ۹۶

۷۴۔ بخاری: ج ۱، ص ۳۴۱، رقم ۱۳۹۵

☆ مسلم: ج ۱، ص ۶۲، رقم ۱۹

☆ ابو داؤد: ج ۲، ص ۷۱۸، رقم ۱۵۸۴

Marfat.com

تم ایک ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو جو اہل کتاب ہے۔ سو تم سب سے پہلے انہیں اس بات کی دعوت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، جب وہ یہ تسلیم کرلیں تو انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اور جب وہ یہ بھی مان لیں تو انہیں بتانا کہ ان کے مال میں زکوٰۃ فرض کی گئی ہے، جو اُن کے دولت مندوں سے لے کر ان ہی کے غربا میں تقسیم کی جائے گی۔

نماز کو ہر طرح کی پاکی کا سبب قرار دیا گیا اور اسے فوز و فلاح کا ضامن بتایا گیا۔ ارشاد باری ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰىO وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰىO (۷۵)

بے شک وہ کام یاب ہوا جس نے پاکیزگی حاصل کی۔ اور اپنے رب کا نام لیتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔

نماز کی اس اہمیت کے سبب روزِ قیامت میں سب سے پہلے نماز کا ہی حساب ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قیامت کے روز سب سے پہلے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے، اگر وہ درست ہوئی تو اس انسان کے تمام اعمال درست ہوں گے، اور اگر وہ خراب ہوئی تو اس کے سارے اعمال فاسد ہوں گے، اور اگر اس کے فرائض میں کچھ کمی ہوئی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ دیکھو کیا میرے بندے کے پاس کچھ نفلی عبادات ہیں؟ اگر ہیں تو ان سے فرائض کی یہ کمی پوری کرلو، اسی طرح تمام عبادات کا معاملہ ہوگا۔ (۷۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون سا عمل سب سے زیادہ پسندیدہ ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۷۵۔ الاعلیٰ: ۱۴، ۱۵

۷۶۔ ترمذی: ج۱، ص ۴۲۲، رقم ۴۱۳

Marfat.com

الصلاۃ علی وقتھا (۷۷)

وقت پر نماز پڑھنا۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ وقت نہائے تو کیا اس پر کچھ میل باقی رہے گا؟ انہوں نے کہا کہ اس پر کچھ میل باقی نہیں رہے گا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ یہی مثال پانچ وقت کی نمازوں کی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے خطائیں معاف کرتا ہے۔ (۷۸)

نماز تعمیر سیرت کا فریضہ بھی انجام دیتی ہے، اور انسانی سیرت خاص اس نہج پر تیار کرتی ہے جو اسلام کو مطلوب ہے اور اسلامی زندگی گزارنے کے لئے لازمی ہے۔ نماز خوفِ خدا پیدا کرتی ہے اور انسان کے اندر یہ شعور پختہ کرتی ہے کہ ہر آن اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے، اور اس کی کوئی حرکت اور اس کا کوئی فعل وعمل اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں، یہ تصور گناہوں سے بچنے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل پیرا ہونے کے لئے نہایت ضروری ہے، حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان تعبد اللّٰہ کانك تراہ، فان لم تکن تراہ فانہ یراك (۷۹)

اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، اور اگر یہ خیال پیدا نہیں ہوتا تب بھی وہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے۔

نماز کے اعمال و افعال کی ترتیب کچھ اس طرح رکھی گئی ہے کہ اس کی پابندی کے ساتھ ادائیگی سے انسان کا مزاج اور عادات خود بہ خود اسلام کے سانچے میں ڈھلتی چلی

۷۷۔ بخاری: ج۴، ص۸۰، رقم ۵۹۷۰

۷۸۔ مسلم: ج۱، ص۴۷۵، رقم ۶۶۷

☆ ترمذی: ج۴، ص۳۹۷، رقم ۲۸۷۷

☆ بخاری: ج۱، ص۱۳۴، رقم ۵۲۸

۷۹۔ مسلم: ج۱، ص۵۳، رقم ۹

Marfat.com

جاتی ہیں۔

نماز کے بارے میں قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے:

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (۸۰)

نماز بلاشبہ بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔

یعنی جو نماز سے جتنا قریب ہوتا چلا جائے گا وہ فواحش و منکرات سے اتنا ہی دور ہوتا جائے گا۔ آج کل یہ شکایت عام ہے کہ لوگ نماز بھی ادا کرتے ہیں اور معاملات بھی درست نہیں رکھتے، لین دین میں بھی دوسرے حضرات کو ان سے شکایات رہتی ہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ نماز کو اس کی شرائط و آداب کے ساتھ مکمل اہتمام سے ادا نہیں کیا جاتا۔ اس کی مثال کسی طبیب کی تجویز کردہ دوا کی طرح ہے، اب اس دوا سے یقیناً پہلی ہی خوراک میں صحت یابی کے اثرات سامنے نہیں آئیں گے، مکمل شفایابی کے لئے کچھ وقت درکار ہوگا۔ نیز اس دوا کے ساتھ ساتھ متوازن خوراک، پرہیز اور دوا کا بروقت اور صحیح استعمال بھی شرط ہے، ان امور کو پیشِ نظر رکھے بغیر صحت کا حصول یقینی نہیں، یہی معاملہ نماز کا بھی ہے۔ (۸۱)

زکوٰۃ

عبادات دو طرح کی ہیں، ایک وہ جنہیں بدنی عبادات کہا جاتا ہے، دوسری مالی عبادات کہلاتی ہیں، نماز اگر بدنی عبادات میں سرِفہرست ہے تو زکوٰۃ کا مالی عبادات میں پہلا درجہ ہے، اسی بنا پر قرآنِ حکیم میں جابہ جا زکوٰۃ کا نماز کے ساتھ ہی ذکر کیا گیا ہے، بل کہ ایک مقام پر تو کام یابی کی ضمانت کے طور پر صرف ان ہی دو اعمال کا ذکر کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ (۸۲)

۸۰۔ العنکبوت: ۴۵

۸۱۔ خطباتِ محرم: ۹۷

۸۲۔ البقرہ: ۲۷۷

Marfat.com

بلا شبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کئے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ اور انہیں نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ وہ غم گین ہوں گے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں نمائندہ عبادات کو اگر کوئی ان کی روح کے مطابق انجام دیتا ہے تو گویا اس نے اس امر کی حقیقی ضمانت فراہم کردی کہ وہ اسلام کی دوسری تعلیمات اور اللہ تعالیٰ کے باقی احکامات پر بھی اسی طرح دل و جان سے عمل پیرا ہوگا۔ اور یقیناً یہ بات اس کی کام یابی کی ضمانت اور دونوں جہانوں میں فلاح و کام رانی کی راہ ہے۔ اسلام کی خواہش یہ ہے کہ مال و دولت ایک تسلسل کے ساتھ گردش میں رہے، اس میں کوئی رکاوٹ نہ آئے، اور مال و دولت چند ہاتھوں میں محدود ہو کر نہ رہ جائے، قرآنِ کریم میں فرمایا:

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ (۸۳)

تا کہ یہ مال تمہارے اغنیا کے درمیان ہی اکٹھا نہ ہو جائے۔

اسی لئے زکوٰۃ کے لینے اور دینے کا اصول بیان کرتے ہوئے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

توخذ من اغنیائهم فترد فی فقرائهم (۸۴)

یہ ان کے مال داروں سے لے کر ان ہی کے غربا میں تقسیم کردی جائے گی۔

یہی بات زکوٰۃ کی اصل غرض و غایت ہے۔ زکوٰۃ مال داروں کے ذمے غریبوں کا حق ہے۔ قرآن یہی کہتا ہے:

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ (۸۵)

اور جن کے مال میں حق مقرر ہے۔ مانگنے والے کا اور نہ مانگنے والے کا۔

یہی فلسفہ زکوٰۃ کو ایک معاشرتی ذمے داری بنا دیتا ہے، جب ہر صاحبِ ثروت اپنے

۸۳۔ الحشر: ۷

۸۴۔ مسلم: ج ا، ص ۶۲، رقم ۱۹

۸۵۔ المعارج: ۲۴، ۲۵

Marfat.com

آس پاس کے تمام ضرورت مندوں کا ذمے دار ہو، اور پھر اس ذمے داری کو پورا بھی کرتا ہو تو معاشرے میں ایک ایسا اتحاد جنم لیتا ہے جو پورے معاشرے کو اسلامی تہذیب کے رنگ میں رنگ دیتا ہے، یوں نہ غریب غریب رہتا ہے، نہ امیر امارت کے زعم میں گرفتار ہوتا ہے۔ سب مسلمان ہیں، سب برابر ہیں، سب ایک دوسرے کے ذمے دار ہیں۔ یہ عالم گیریت، آفاقیت اور وسعت اسلامی تہذیب کا اختصاص ہے۔

روزہ

روزے کے معنیٰ رکنے اور خاموش رہنے کے ہیں، یہ درحقیقت نفسانی خواہشات سے بچنے اور حیوانی اثرات سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کا نام ہے۔ زندگی کے عام معمول میں ان کا مظہر تین چیزیں ہیں، کھانا، پینا اور وظیفۂ زوجیت ادا کرنا، روزے میں ان ہی تین چیزوں سے مقررہ وقت تک رکا جاتا ہے۔

انسان، روح اور جسم دونوں کے مجموعے کا نام ہے، روح کی خواہش ہوتی ہے کہ انسان کبھی خوردونوش اور عادت و حاجت کے لگے بندھے نظام سے آزاد ہو کر زندگی کے چند لمحے گزارے۔ اسبابِ رزق کی فراوانی کے باوجود بھوک و پیاس کا مزا چکھے۔ جب کہ جسم آرام طلبی، عیش پرستی، لذت پسندی اور کھانے پینے میں طرح طرح کی جدتیں تراشنے کا خواہاں ہے۔ جب روح غلبہ پاتی ہے تو انسان میں ملکوتی خصلتیں ابھرتی ہیں، اور جب زمامِ اقتدار جسم کے ہاتھ میں آ جاتی ہے تو انسانی سوچ کا حاصل حیوانی جبلت رہ جاتی ہے، اس کی تمام فکریں صرف ایک فکر میں ڈھل جاتی ہیں، وہ صرف اس لئے کماتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ کھا سکے اور اس لئے کھاتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ کما سکے۔ قرآنِ حکیم انسان نما جان وروں کے بارے میں فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۝ (۸۶)

اور جو لوگ کافر ہیں وہ عیش کر رہے ہیں، اور کھا (پی) رہے ہیں جیسا کہ

۸۶۔ محمد: ۱۲

Marfat.com

چوپائے کھاتے (پیتے) ہیں اور آگ ہی ان کا ٹھکانہ ہے۔

ان انسانی ونفسانی کمزوریوں پر قابو پانے کے لئے انسانیت کو روزہ عطا کیا گیا ہے، اسی لئے روزے کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ○ (۸۷)

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیئے گئے، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے، تاکہ تم پرہیز گار ہو جاؤ۔

روزے کا اصل مقصد یہی ہے کہ انسان کے اندر خوفِ خدا پیدا ہو جائے اور وہ متقی بن جائے۔ جب انسان اس تربیتی کورس کی تکمیل کر لیتا ہے تو اسے یہ مژدہ عطا ہوتا ہے کہ اس کے تمام گناہ بخش دیئے گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من صام رمضان ایمانا و احتسابا،غفر له ما تقدم من ذنبه (۸۸)

جو شخص ایمان اور ثواب کی نیت کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے گا، اس کے گزشتہ تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کو جسم کی زکوٰۃ قرار دیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں فرمایا:

لكل شئی زكوة و زكوة الجسد الصوم (۸۹)

ہر چیز کی ایک زکاۃ ہوتی ہے اور جسم کی زکاۃ روزہ ہے۔

روزے کے ذریعے انسان کو ضبطِ نفس کا بھی پابند بنایا جاتا ہے، انسان فطرتاً آزادی پسند ہے، اور کسی قسم کی حدود و قیود کو برداشت نہیں کرتا، جب کہ بے لگام آزادی اس کے لئے اور پوری کائنات کے لئے سخت ضرر رساں اور نقصان دہ ہے، اس لئے اسلام اس کو آزادی بھی دیتا ہے، اور اس کی آزادی کو بعض شرائط کے ساتھ محدود بھی کر دیتا ہے، تاکہ

۸۷۔ البقرہ:۱۸۳

۸۸۔ بخاری: ج۱،ص۱۷، رقم ۳۸

۸۹۔ ابنِ ماجہ: ج۲،ص۵۵۵، رقم ۱۷۴۵

Marfat.com

اس کی فطرت بھی زندہ رہے اور بے لگام آزادی کے نقصانات سے بھی حفاظت ہو سکے، روزے پر مشتمل یہ تیس یوم کا رمضانی کورس اس سلسلے میں بھی اہم خدمت انجام دیتا ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الدنیا سجن المؤمن و جنة الکافر (۹۰)

دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے۔ (۹۱)

درحقیقت روزہ انسان کو اچھا انسان بننے میں مدد دیتا ہے، جو انسانی معاشرے کی اولین ضرورت ہے۔ اس بات سے روزے کی تہذیبی افادیت بھی عیاں ہے۔

حج

حج اسلام کا پانچواں رکن اور ایک نہایت اہم فریضہ ہے، حج کے لغوی معنیٰ زیارت کے ارادے کے ہیں۔ شریعت کی رو سے حج کی عبادت کو حج اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں انسان کعبۃ اللہ کی زیارت کے ارادے سے سفر کرتا ہے۔ حج ہر اس بالغ مرد و عورت پر زندگی میں ایک بار فرض ہے جو صاحبِ استطاعت ہو۔ جو شخص حج کی قدرت رکھنے کے باوجود حج نہیں کرتا، وہ درحقیقت اپنے مسلمان ہونے کی نفی کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۹۲)

لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو بھی استطاعت رکھتا ہو، اس کے گھر کا حج کرے، اور جس نے کفر کیا تو اللہ سارے جہان والوں سے بے نیاز ہے۔

اور ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جو شخص اس قدر استطاعت رکھتا ہو کہ وہ حج کے لئے بیت اللہ تک پہنچ سکے،

۹۰۔ مسلم: ج ۴، ص ۳۸۰، رقم ۲۹۵۶

۹۱۔ خطباتِ محرم: ص ۱۴۳۔۱۴۴۔۱۴۵

۹۲۔ آل عمران: ۹۷

Marfat.com

اور اس کے باوجود وہ حج نہ کرے تو خدا کو اس کی کوئی پروا نہیں، خواہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی۔ (۹۳)

انسان کا اپنے رب سے تعلق محض قانونی نوعیت کا نہیں، جس کا دائرہ واجبات و فرائض ادا کرنے، احکامات کی تعمیل کرنے، ٹیکس دینے اور اس کے بدلے چند رعایتیں اور کچھ حقوق کے حصول تک محدود ہو، بل کہ یہ رشتہ محبت و پاکیزہ جذبات کا رشتہ ہے، یہ ایسا رشتہ ہے جو ذوق و شوق، عشق و قربانی اور دل سوزی و بے قراری کا غلبہ چاہتا ہے، اسلام اس سے نہ صرف یہ کہ منع نہیں کرتا بل کہ وہ اس کی دعوت دیتا ہے، اس جذبے کو غذا پہنچاتا اور اس کو مزید جلا و قوت بخشتا ہے۔ (۹۴) حج کی یہی اہمیت ہے جس کے سبب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من حج لله، فلم یرفث و لم یفسق، رجع کیوم ولدته امه (۹۵)

جس شخص نے حج کیا اور اس میں نہ تو کسی فحش بات کا ارتکاب کیا، نہ اللہ کی کوئی نافرمانی کی تو وہ گناہوں سے ایسا پاک و صاف ہو کر واپس ہوگا جیسا وہ اپنی پیدائش کے دن تھا۔

اور ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حج و عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں، اگر وہ اللہ سے دعا کریں تو وہ قبول فرماتا ہے، اور اگر وہ اس سے مغفرت مانگیں تو وہ ان کی مغفرت فرما دیتا ہے۔ (۹۶)

اللہ تعالیٰ حاجیوں پر اپنے فرشتوں کے سامنے فخر بھی فرماتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ عرفہ کی شام کو عرفات والوں (حاجیوں) کی وجہ سے آسمان والوں

۹۳۔ ترمذی: ج ۲، ص ۲۱۹، رقم ۸۱۲

۹۴۔ ندوی، ابوالحسن علی، مولانا۔ ارکانِ اربعہ۔ مجلس نشریات اسلام، کراچی: ص ۳۱۱

۹۵۔ بخاری: ج ۱، ص ۳۷۶، رقم ۱۵۲۱

☆ مسلم: ج ۲، ص ۳۰۵، رقم ۱۳۵۰

۹۶۔ ابن ماجہ: ج ۳، ص ۲۶۲، رقم ۲۸۹۲

Marfat.com

(فرشتوں) پر فخر کرتا ہے، اور ان سے کہتا ہے کہ میرے بندوں کو دیکھو، کس طرح پراگندہ بال اور غبار آلود ہو کر میرے پاس آئے ہیں۔ (۹۷)

حج کی تہذیبی اہمیت بھی بالکل واضح ہے کہ حج اسلام کی مرکزیت کو سامنے لاتا اور اسے نمایاں کرتا ہے، اس کا تعلق جزیرۃ العرب سے ہے، جو نافِ زمین کی حیثیت رکھتا ہے، یہ وہ خطۂ ارضی ہے، جس کے رشتے سے پوری ملتِ اسلامیہ کی شیرازہ بندی ہوئی ہے، اور اس کے تعلق کی ڈوری سے دنیا کے چاروں جانب بسنے والے سلسلۂ وحدت میں بندھے ہوئے ہیں۔ وہ تمام لوگ جو مختلف ممالک میں بستے ہیں، مختلف زبانیں بولتے اور مختلف لباس پہنتے ہیں، مختلف تہذیبی و ثقافتی روایات کے حامل ہیں اور شکل و صورت، رنگ و نسل، ہر اعتبار سے باہم ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں، مگر اس کے باوجود ایک ساتھ، ایک ہی خانۂ کعبہ کے گرد چکر لگاتے اور اس کا طواف کرتے ہیں۔ ایک ہی قبلے کو اپنا مرکز سمجھتے ہیں، اور رنگ و نسل، تمدن و تہذیب، ثقافت و معاشرے اور دوسرے تمام امتیازات کو بالائے طاق رکھ کر ایک ہی وطن، قومیت، ایک ہی لباس، ایک ہی تمدن و معاشرت اور ایک ہی زبان پر متحد ہو جاتے ہیں۔ وحدت کا یہ وہ رنگ ہے جو ہر طرح کی تقسیم پر خطِ تنسیخ پھیر دیتا ہے، اور مادی امتیازات کے ہر پہلو کو ذہنِ انسانی سے کھرچ کر مٹا دیتا ہے، اسلام کی اس مرکزیت کا، اور مسلمانوں کے مزاج و مذاق کی اس یک سانیت کا دوسری کوئی قوم مقابلہ نہیں کر سکتی، نہ اس کے مقابل اپنی کوئی روایت مثال میں پیش کر سکتی ہے۔ اسلامی تہذیب کا یہ ایک عجیب امتیاز ہے۔

جہاد

جہاد بھی دیگر عبادتوں کی طرح ایک مہتم بالشان عبادت ہے، جس کا اسلامی تہذیب اور انسانی معاشرے سے گہرا عملی تعلق ہے۔ جہاد کے معنی انتہائی کوشش کے ہیں۔ جہاد کی تین قسمیں ہیں۔ جہاد بالنفس، جہاد بالمال اور جہاد بالسیف۔ اقسامِ جہاد کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر محمود احمد غازی کہتے ہیں:

۹۷۔ احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) المسند: ج ۲، ص ۲۲۸، رقم ۷۰۴۹

Marfat.com

شریعت کی تعلیم کے تین اہم اور بڑے میدان ہیں۔ ایک میدان عقائد اور فکری و علمی سرگرمیوں کا ہے۔ اس میدان میں کی جانے والی جدوجہد عموماً اجتہاد کہلاتی ہے۔ شریعت کی تعلیمات کا دوسرا اہم میدان انسان کے قلب و ضمیر کی اصلاح اور روحانی پاکیزگی ہے۔ اس میدان میں انسان اپنی تربیت اور تزکیہ نفس کے لیے جو جدوجہد کرتا ہے وہ اہل فن کی اصطلاح میں مجاہدہ کہلاتی ہے۔ رہا شریعت کی تعلیم کا تیسرا حصہ جو انسان کے ظاہری اعمال سے بحث کرتا ہے اور انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں شریعت کے احکام کی خارجی تشکیل و تطبیق سے تعلق رکھتا ہے۔ اس باب میں کی جانے والی جدوجہد کا نام جہاد ہے۔ ان تینوں میں جہاد اور اجتہاد فرض کفایہ ہیں، اور پوری امت کی ذمے داری ہیں۔ اور مجاہدہ فرض عین ہے، اور اپنی اپنی سطح پر ہر شخص کی ذمے داری ہے۔ (۹۸)

جہاد بالنفس کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۝ (۹۹)

اور جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے ضرور دکھائیں گے۔ بلاشبہ اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔ (۱۰۰)

جہاد بالمال کا ذکر بھی قرآن حکیم میں ہے، ایک مقام پر فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ (۱۰۱)

۹۸۔ڈاکٹر محمود احمد غازی۔اسلام کا قانون بین الممالک۔شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد: ص ۳۲۳

۹۹۔العنکبوت: ۶۹

۱۰۰۔علی متقی الہندی۔کنز العمال التراث الاسلامی، بیروت

۱۰۱۔الانفال: ۷۲

Marfat.com

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا۔

اور فرمایا:

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ (۱۰۲)

نکل پڑو ہلکے اور بوجھل اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔

جہاد بالسیف کا مفہوم بھی اسلام میں بالکل واضح ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک مقصد دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا O (۱۰۳)

وہ خدا ہی تو ہے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا، تاکہ وہ اس (دین حق) کو (دنیا کے) تمام ادیان پر غالب کر دے۔

اور دوسرے مقام پر فرمایا

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَكُوْنَ الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (۱۰۴)

اور ان سے قتال کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کا ہو جائے۔

یاد رہے کہ یہ جہاد صرف اللہ کی رضا کے لئے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جنگ دو طرح کی ہوتی ہے، سو جس نے اللہ تعالیٰ کی خوش نودی چاہی اپنے امام کی پیروی کی، اپنا قیمتی سرمایہ خرچ کیا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ رفق و

۱۰۲۔ التوبہ: ۴۱

۱۰۳۔ الفتح: ۲۸

۱۰۴۔ الانفال: ۳۹

Marfat.com

ملاطفت سے پیش آیا اور فتنۂ وفساد سے بچا تو پھر بے شک اس کا سونا اور جاگنا سب کار ثواب ہے، اور جس نے بڑائی دکھانے، اور شہرت کی خاطر جنگ کی اور امام کی نافرمانی کی اور زمین پر فساد برپا کیا وہ ثواب سے محروم رہا۔ (۱۰۵)

اسی لئے اسلام نے دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا کرنے سے بھی منع کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایھا الناس، لا تتمنوا لقاء العدو وسلوا اللّٰہ العافیة (۱۰۶)

اے لوگو! دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا نہ کرو اور اللہ سے عافیت مانگو۔

اور اسی لئے دوران جہاد بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

اللہ کے نام اور اس کی امداد اور رسولِ خدا کی ملت میں رہتے ہوئے روانہ ہو جاؤ کسی بوڑھے شخص، چھوٹے بچے اور عورت کو قتل نہ کرو، مال غنیمت میں خیانت نہ کرو اور تمام مال غنیمت کو اکٹھا کرو، اصلاح کرو اور احسان کرو کیوں کہ اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ (۱۰۷)

اسی بنا پر حضرت زہرہ بن الحویہؓ نے جنگ قادسیہ کے موقع پر رستم کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے اسلام کے نظریہ جہاد کی وضاحت ان الفاظ میں کی تھی:

واللّٰہ جاء بنا لنخرج من شاء من عبادة العباد الی عبادة اللّٰہ ومن ضیق الدنیا الی سعتها ومن جور الادیان الی عدل الاسلام (۱۰۸)

اور اللہ ہمیں اس لئے لایا ہے تاکہ لوگوں کو مخلوق کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی کی طرف لگائیں اور انہیں دنیا کی سختی سے اس کی وسعتوں کی طرف اور

۱۰۵۔ ابوداؤد،: ج۲، ص۳۵۱، رقم ۲۵۱۵

۱۰۶۔ مسلم: ج۱، ص۱۶۱، رقم ۱۷۴۲

۱۰۷۔ ابوداؤد۔ ج۲، ص۳۸۳، رقم ۲۶۱۴

۱۰۸۔ طبری، محمد بن جریر، ابوجعفر (۳۱۰ھ)۔ التاریخ۔ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۷ھ: ج۲، ص۴۰۱

Marfat.com

باطل ادیان کے جور و ظلم سے نکال کر اسلام کے عدل کی طرف لے آئیں۔

چناں چہ علامہ سرخسی اسلام کے مقاصد جہاد یہ بیان کرتے ہیں:

مسلمانوں کو امن و سکون میسر ہو، اور وہ اپنے دینی اور دنیاوی مقاصد کی تکمیل کے لئے امن کے ساتھ رہ سکیں۔ (۱۰۹)

اخلاق

اسلامی تہذیب کے عناصر ترکیبی میں تیسرا اہم جز اخلاق ہے، اخلاق کے بے شمار پہلو ہیں، مگر اخلاقیات کا بنیادی فلسفہ سب مذاہب کے ہاں متفقہ ہے، ہر تہذیب اس کی اہمیت کی قائل ہے، وہ بھی جو مذہب کو دیس نکالا دینے کے دعوے دار ہیں، اخلاق کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتے۔ پھر اسلامی تہذیب اخلاق کا ایک مکمل نظام رکھتی ہے، اس لئے یہ پہلو علیحدہ سے مفصل گفت گو کا متقاضی ہے، اس بنا پر اس پہلو پر مزید گفت گو کی یہاں ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

اسلامی تہذیب کے مظاہر

اسلامی تہذیب کے عناصر ترکیبی اور عناصرِ تشکیل کا ایک مفصل جائزہ سامنے آچکا۔ اس تہذیب نے انسانیت پر کیا اثرات مرتب کئے ہیں، اور حیاتِ انسانی کس کس پہلو سے اسلامی تہذیب سے اور اس کے مظاہر سے متاثر ہوتی ہے؟ نیز یہ مظاہر کس طرح اسلامی تہذیب کے عالم گیر تصور کی وضاحت کرتے ہیں۔ ان نکات پر اختصار کے ساتھ ذیل میں روشنی ڈالی جاتی ہے۔ ہم یہاں جن اہم مظاہر کا ذکر کر رہے ہیں، وہ یہ ہیں:

۱۔ احترام انبیا

۲۔ اخوت

۳۔ مشاورت

۴۔ مساوات

۵۔ احترامِ آدمیت

۱۰۹۔ سرخسی۔ المبسوط، کتاب السیر: ج ۶، ص ۱۲۳

Marfat.com

احترامِ انبیا

انبیائے کرام پر ایمان عقائد کا بنیادی حصہ ہے، جس پر تفصیلی گفت گو ماقبل میں گزر چکی۔ البتہ احترامِ انبیا جو عقیدۂ رسالت کا ناگزیر حصہ ہے، اسلامی تہذیب کا ایک اہم مظہر ہے، ایسا مظہر جو اسلامی تہذیب کی ہمہ جہتی اور آفاقیت کا بھی مظہر ہے۔ اسلام انبیائے کرام کے مابین ایسی کسی تفریق کا روادار نہیں، جس کے نتیجے میں بعض انبیائے کرام کو ماننے والے بعض انبیا کا انکار کریں یا خدا نہ خواستہ ان کی تنقیص کریں۔ پھر خصوصاً نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام کے بارے میں اسلام نہایت حساس ہے۔ قرآن حکیم میں بہت سے مقامات پر اس سلسلے میں ہدایات دی گئی ہیں۔ سورۂ حجرات میں فرمایا گیا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (١١٠)

اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اور نہ ان سے اُونچی آواز میں بات کرو، جس طرح تم ایک دوسرے سے بات کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

اسلام کے عقیدۂ رسالت کے تحت ایک مسلمان کا جو جذباتی، قلبی اور ایمانی تعلق ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے استوار ہوتا ہے، اسے نہ عقل و خرد کے پیمانوں میں ناپا جاسکتا ہے، نہ اس کی حقیقت صفحۂ قرطاس پر منتقل کی جاسکتی ہے، نہ خاص تہذیبی پس منظر کے بغیر اسے جاننا ہی ممکن ہوسکتا ہے۔ مگر احترام و عقیدت اور جاں نثاری پر مبنی رویہ ایسی آفاقی قدروں کی تشکیل کرتا ہے جو انسانیت کی راہ نمائی اور انہیں امن و سکون دینے کے لئے ناگزیر ہیں۔ ان اقدار کو سمجھنا آسان ہے، اگر اسے سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ یہی اقدار تہذیب کی عالم گیریت کی ضامن ہیں۔

١١٠۔ الحجرات: ٢

Marfat.com

اخوت

اسلامی تہذیب کا ایک اہم مظہر اخوت و اتحاد ہے، ایسا انسانی اتحاد جو ہر طرح کی جغرافیائی، علاقائی، لسانی اور حیاتیاتی تفریق اور امتیازات سے ماورا ہے، اس کرۂ ارض نے پہلی بار ہجرت مدینہ کے بعد دیکھا، اور جس کی نظیر آج تک پیش نہیں کی جا سکی۔ یہ سب نگاہِ نبوت کا فیضان اور نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا۔ قرآن اس کی تلقین کرتے ہوئے کہتا ہے:

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (111)

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے مختلف خاندان اور قبیلے بنا دیئے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ بزرگی والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

انسان جب تک اپنے دوسرے بھائی کے حقوق کا پاس نہ کرے اور اسے اپنی طرح تمام سہولتوں اور ضروریات کا حق دار نہ سمجھے، اس وقت تک کسی بھی معاشرے میں اخوت واتحاد کی روح پیدا نہیں ہو سکتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کی جانب بھی مختلف انداز سے لوگوں کو متوجہ کیا۔ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام سے پوچھا کہ تم جانتے ہو مفلس کسے کہتے ہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ مفلس (عرف عام میں) اسے کہتے ہیں جس کے پاس درہم و دینار نہ ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوگا، اس نے نمازیں پڑھی ہوں گی، زکوٰۃ دی ہوگی اور روزے بھی رکھے ہوں گے، لیکن کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر بہتان لگایا ہوگا، کسی کا مال ہڑپ کیا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا، کسی کو مارا ہوگا۔ تو اس کی تمام نیکیاں ان مظلوموں کو دے دی جائیں گی۔ اگر اس کے مظالم ختم

111۔ الحجرات: ۱۳

Marfat.com

ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو مظلوموں کی غلطیاں اوران کے گناہ اس کے سر پر ڈال دیئے جائیں گے اور پھر اس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (۱۱۲)

مشاورت

اسلامی تہذیب کے مظاہر میں مشاورت عجیب شان کی نعمت ہے، اسے بعد میں انسانی عقل نے نہ جانے کیا کیا عنوانات دیئے۔ لیکن جس ماحول میں کھڑے ہوکر اسلام نے اس کی تلقین کی، وہ من مانیوں اور من چاہے قوانین و ضابطوں کا دور تھا۔ اس عہد میں تو ہر حاکمِ وقت کا کہا ہی مستند تھا۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے امت کی تعلیم کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورے کی ہدایت کی۔ پوری امت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ وحی سے قطع نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم عقل و دانش اور علم و فہم میں بھی تمام لوگوں سے برتر تھے، مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (۱۱۳)

اور آپ اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر لیا کیجئے۔

چناں چہ آپ ﷺ نے خود بھی اس پر عمل فرمایا اور مسلمانوں کو بھی باہم مشاورت قائم کرنے کی تاکید فرمائی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کی تعریف بھی فرمائی۔ (۱۱۴)

مساوات

نسل انسانی کی مساوات انسانیت کا سب سے خوش نما خواب ہے۔ مگر اس کے نتیجے میں اسے جو کچھ ملا، وہ پہلے سے زیادہ تعصب، پہلے سے زیادہ نسلی کش مکش اور قبائلی تضاد تھا۔ حال آں کہ کسی تہذیب کی آفاقی قدروں کی تشکیل مساوات پر مبنی انسانی رویئے کو

۱۱۲۔ مسلم: ج ۳، ص ۴۱۱، رقم ۲۱۶۲

☆ ابوداؤد: ج ۴، ص ۳۳۸، رقم ۵۰۳۰

۱۱۳۔ آل عمران: ۱۵۹

۱۱۴۔ الشوریٰ: ۳۸

Marfat.com

پروان چڑھائے بغیر ممکن نہیں۔ اس میدان میں اگر کسی تہذیب کو فخر کے ساتھ پیش کیا جاسکتا ہے تو وہ صرف اسلامی تہذیب ہے، خود غیر مسلموں کو بھی اس کا اعتراف ہے۔ سوامی دیویکا نند کہتا ہے:

> میرا تجربہ ہے کہ اگر کبھی کوئی مذہب عملی مساوات تک قابل لحاظ درجے میں پہنچا ہے تو وہ اسلام اور صرف اسلام ہے۔ (۱۱۵)

آپ ﷺ نے عملی طور پر اسلامی حکومت کے قیام کے بعد مساوات کا وہ عظیم الشان نمونہ پیش فرمایا کہ تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے آج بھی قاصر ہے۔ آپ کے اور صحابہ کرام کے مابین لباس کے اعتبار سے بھی کوئی فرق موجود نہ تھا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست بھی ایسی عام اور کسی امتیاز کے بغیر ہوتی تھی کہ باہر سے آنے والے شخص کو آپ کے بارے میں پوچھنا پڑتا تھا۔ ایک بار صحابہ کرام نے آپ کے بیٹھنے کے لئے ایک چبوترا بنانا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی پسند نہ فرمایا۔ (۱۱۶)

احترامِ آدمیت

اسلام دین انسانیت ہے، وہ احترامِ آدمیت سکھاتا ہے۔ انسان خدا کی وہ مخلوق ہے جس کے بارے میں خود قرآن کہتا ہے کہ اسے احسن تقویم میں پیدا کیا گیا۔ (۱۱۷) انسان تخلیق خداوندی کا بے مثال شاہ کار ہے، اس لئے وہ ہر طرح کے اختلاف کے باوجود قابلِ احترام ہے، ہر صورت میں قابلِ عزت ہے۔ انسانی تاریخ میں اسلامی تہذیب نے احترامِ آدمیت کو جس درجے قانونی شکل دی ہے، اور اس احترام کو عملاً اپنی تہذیب کا حصہ بنایا ہے، اس کی دوسری مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ اسلام اعلیٰ انسانی قدروں کا مونس اور نگہ بان ہے، نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان مبارک ہے:

۱۱۵۔ مولانا وحید الدین خاں۔ اسلام دور جدید کا خالق: ص ۹۹

۱۱۶۔ سید عزیز الرحمٰن۔ تعلیماتِ نبوی اور آج کے زندہ مسائل۔ القلم، ناظم آباد نمبر ۲، کراچی، ۲۰۰۵ء: ص ۸۳

۱۱۷۔ التین: ۴

Marfat.com

تم ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک تم رحم نہ کرو۔ لوگوں نے کہا کہ اے خدا کے رسول: ہم میں سے ہر شخص رحم کرنے والا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم اپنے ساتھی پر مہربانی کرو۔ بل کہ اس سے مراد تمام لوگوں اور تمام انسانوں کے ساتھ رحم کرنا ہے۔ (۱۱۸)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو اس کی اصل یاد دلاتے ہوئے فرمایا:

الناس کلهم بنو آدم و آدم من تراب (۱۱۹)

تمام انسان آدم کی اولاد میں سے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے۔

حجۃ الوداع کے تاریخ ساز موقع پر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تاریخی اعلان بھی فرمایا:

لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لابیض علیٰ اسود ولا لاسود علی ابیض الا بالتقوی (۱۲۰)

کسی عربی کو نہ کسی عجمی پر کوئی برتری حاصل ہے اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر، اسی طرح نہ کسی گورے کو کسی کالے پر تفوق ہے اور نہ کسی کالے کو کسی گورے پر۔ ہاں وجہ فضیلت اگر ہے تو صرف اور صرف تقویٰ۔ (۱۲۱)

اور ایک روایت میں انسان کو احترام آدمیت کا آفاقی پیغام دیتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا:

المسلم من سلم الناس من لسانه ویده (۱۲۲)

مسلمان تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے انسان محفوظ رہیں۔

۱۱۸۔ فتح الباری: ج ۳، ص ۲۱۴

۱۱۹۔ مشکوۃ، باب المفاخرۃ

۱۲۰۔ ابن قیم جوزیہ۔ زاد المعاد۔ مکتبہ المنار الاسلامیہ، کویت، ۱۹۸۷ء: ج ۲، ص ۲۲

۱۲۱۔ مفتاحی، محمد ظفیر الدین ندوی، مولانا۔ اسلام کا نظامِ امن۔ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱۹۹۱ء: ص ۵۶

۱۲۲۔ مسند احمد: ص ۴۴۷، رقم ۷۰۴۶

Marfat.com

اسلامی تہذیب کے اثرات

اسلامی تہذیب کے اثرات دو طرح کے ہیں۔ ایک تو وہ اثرات ہیں جو تاریخ انسانی پر مجموعی طور پر پڑے۔ ان اثرات سے استفادہ کرنے والوں میں مغرب بھی شامل ہے، جن کا خود اہلِ مغرب نے بھی اعتراف کیا ہے، ہم صرف دو اقتباسات پر اکتفا کریں گے۔ گستاؤ لیبان مشہور فرانسیسی مورخ ہے، وہ لکھتا ہے

> عربوں نے چند صدیوں میں اندلس کو مالی اور علمی لحاظ سے یورپ کا سرتاج بنا دیا۔ یہ انقلاب صرف علمی و اقتصادی نہ تھا، اخلاقی بھی تھا۔ انہوں نے نصاریٰ کو انسانی خصائل سکھائے۔ ان کا سلوک یہود و نصاریٰ کے ساتھ وہی تھا جو مسلمانوں کے ساتھ تھا۔ انہیں سلطنت کا ہر عہدہ مل سکتا تھا۔ مذہبی مجلس کی کھلی اجازت تھی۔ ان کے زمانے میں لاتعداد گرجوں کی تعمیر اس امر کی مزید شہادت ہیں۔ (۱۲۳)

> ایک اور مورخ ول ڈیورانٹ (Will durant) کہتا ہے: اندلس پر عربوں کی حکومت اس قدر عادلانہ، عاقلانہ اور مشفقانہ تھی کہ اس کی مثال تاریخ میں موجود نہیں۔ ان کا نظم و نسق اس دور میں بے مثال تھا۔ ان کے قوانین سے معقولیت و انسانیت ٹپکتی تھی اور ان کے جج نہایت قابل تھے۔ عیسائیوں کے معاملات ان کے اپنے ہم مذہب حکام کے سپرد تھے، جو عیسوی قانون کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔ پولیس کا انتظام اعلیٰ تھا۔ بازار میں وزن اور ماپ کی کڑی نگرانی کی جاتی تھی۔ روما کے مقابلے میں ٹیکس کم تھا۔ کسانوں کے لئے عربوں کی حکومت ایک نعمت ثابت ہوئی کہ انہوں نے بڑے بڑے زمین داروں کی زمینیں مزارعین میں تقسیم کر دی تھیں۔ (۱۲۴)

۱۲۳۔ موسیو لیبان۔ تمدن عرب: ص ۲۵۷

124. Will Durant/Age of Faith/A History of Medieval Civilization Christian, Islamic, and Judaic.from Constatine to Dante: A.D.325-1300, Simon & Schuster,NY,1950. p.792

Marfat.com

دوسری نوعیت کے اثرات وہ ہیں جن کے مظاہر مسلم معاشروں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ جب مسلم معاشرے اسلامی تعلیمات کے زیادہ قریب تھے تو یہ اثرات ان میں زیادہ نمایاں تھے۔ آہستہ آہستہ ان اثرات میں بہت سے پہلوؤں سے کمزوری آتی گئی، البتہ بعض روایات کا تسلسل آج بھی مسلم معاشروں میں زندہ ہے۔ ان میں فروغ علم و حکمت، اعلیٰ انسانی قدروں کا قیام، دین و دنیا کا امتزاج، آزادیٔ رائے، تحقیقی شعور کا فروغ شامل ہیں۔ یہ تمام وہ پہلو ہیں جو اسلامی تہذیب کے آفاقی اور عالم گیر ہونے کی علامت ہیں۔

فروغ علم میں اسلامی تہذیب کی خدمات دنیا کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں۔ اسلام نے اقراء کے لفظ سے آغاز کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کا آغاز اقرا سے ہوا۔ (۱۲۵) ان ابتدائی آیات میں خالق کائنات کے نام کو سب سے پہلے رکھا گیا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ O

جو اس امر کا اعلان تھا کہ مختلف ٹکڑوں میں بٹی تعلیم اب ایک مرکز کے تحت آ رہی ہے، جو آفاقی قدروں اور اعلیٰ ترین مقاصد کی امین ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل تعلیم تھی ہی نہیں۔ جہاں تھی تو اس پر چند شخصیات کی اجارہ داری تھی، اور جس قدر تعلیم تھی تو وہ اعلیٰ مقاصد کی فہم سے بالکل عاری تھی۔ تعلیم کو پہلی بار اعلیٰ ترین مقاصد کا محور آپ انے بنایا۔ پھر توحید کے ذریعے انسان کو مخلوق کی اطاعت اور عبادت سے آزاد کر کے اسلام نے جس طرح آدمیت کو اعلیٰ انسانی قدروں سے روشناس کرایا اور ذات پات کی تفریق کو یک سر مٹا کر ان کے مابین مکمل انسانی مساوات قائم کی، اس کا اعتراف ہر ذی شعور کو ہے۔

اسلامی تہذیب نے دیگر تمام مذاہب اور تہذیبوں کے برعکس دینی اور دنیاوی معاملات کو باہم مربوط کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو مزرعۃ الآخرۃ، آخرت کی کھیتی قرار دیا۔ اور ہدایت کی کہ جائز حدود میں رہتے ہوئے اور ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے

۱۲۵۔ اقرا کی ابتدائی پانچ آیات نازل ہوئیں۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ O خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ O اِقْرَاْ وَرَبُّكَ O الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ O عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ O اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا۔ اس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھیے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم سے تعلیم دی انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔ اقراء: ۱، ۵

Marfat.com

دنیاوی امور خالص ایمان داری سے انجام دیئے جائیں۔ قرآن کہتا ہے:

وَابْتَغِ فِيمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا (۱۲۶)

اور جو کچھ اللہ نے تجھے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر حاصل کر اور دنیا سے اپنا حصہ فراموش نہ کر۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی لعنت اس شخص پر جو ہجرت کے بعد جنگل میں مقیم ہوا اور اللہ کی لعنت اس پر جو ہجرت کے بعد جنگل میں مقیم ہوا، سوائے فتنے کی حالت کے، کیوں کہ فتنے کے دنوں میں جنگل میں چلے جانا فتنے کے مقام پر رکنے سے بہتر ہے۔ (۱۲۷)

قرآنِ حکیم میں ہمیں جو دعا تلقین کی گئی ہے وہ دین و دنیا دونوں کے حقوق کی نگہ بانی کی تلقین کرتی ہے:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ (۱۲۸)

اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما، اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

جہاں تک آزادیٔ رائے اور تحقیقی شعور کا تعلق ہے تو توحید پر گفت گو کرتے ہوئے اس سلسلے کی چند مثالیں پیش کی جا چکی ہیں۔ جو ہمارا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔

اسلامی تہذیب کے خصائص و امتیازات

اب تک جو کچھ بیان کیا گیا وہ اسلامی تہذیب کے خصائص و امتیازات ہی ہیں، جو ایسی اعلیٰ آفاقی قدروں کی تشکیل کرتے ہیں جو آدمیت کو انسانیت کی سطح پر لے جاتی اور اعلیٰ ترین مناصب پر فائز کرتی ہیں، لیکن ذیل میں ہم خلاصۂ کلام کے طور پر اپنی گفت گو سمیٹتے ہوئے تہذیب اسلامی کے بعض اہم خصائص کو نکات کی شکل میں بیان کرتے ہیں:

۱۲۶۔ القصص: ۷۷

۱۲۷۔ ہیثمی۔ مجمع الزوائد: ج ۵، ص ۲۵۴

۱۲۸۔ البقرہ: ۲۰۱

Marfat.com

ا۔ الہامیت: تہذیب اسلامی جن نکات وعناصر سے عبارت ہے وہ فطرت کے تشکیل کردہ اور وحی الٰہی سے فیض یافتہ ہیں۔ قرآن وسنت جو اسلامی تہذیب کے بنیادی اجزا ہیں، دونوں وحی متلو اور وحی غیر متلو کی صورت میں ہدایاتِ ربانی کی ہم تک پہنچنے کی بہ راہِ راست شکلیں ہیں۔ اس لئے یہ تہذیب ایک تو انسانیت کے لئے سراسر خیر ہے، دوسرے اس کی ہدایات انسانی ذہن کی کم زوریوں، خطاؤں اور محدودیت سے پاک ہیں۔ یہ خوبی کسی دوسری تہذیب کو حاصل نہیں۔

ب۔ آفاقیت: وحی الٰہی سے مستنیر ہونے کے سبب تہذیب اسلامی آفاقی قدروں کی حامل ہے، اس کی سوچ وسیع اور نظریں آسمانوں پر ہیں۔ علاقائیت، لسانیت، مقامیت کسی نوع کی تہمت اس پر دھری نہیں جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا:

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (۱۲۹)

اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

ج۔ جامعیت: اسلامی تہذیب کی جامعیت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے؟ انفرادی زندگی سے لے کر اجتماعی معاملات تک، سیاست ومعیشت سے لے کر معاشرت وسماجیات تک، قومی امور سے لے کر بین الاقوامی معاملات تک ہر پہلو، ہر زاویے سے اگر کسی تہذیب نے نہایت باریک بینی کے ساتھ غور وفکر کیا ہے تو وہ صرف اسلامی تہذیب ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کی تعلیمات اور ہدایات نہایت جامعیت کے ساتھ ہر عہد میں، ہر طرح کے حالات میں مکمل طور پر کار آمد ہیں۔

د۔ کاملیت: جامعیت کے ساتھ کمال امتیاز ہے، جس کی مثال کم از کم معلوم انسانی تاریخ میں اسلام کے سوا کہیں پیش نہیں کی جا سکتی۔ یہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مبارکہ ہے جس میں کمال بھی اپنے کمال کو پہنچا ہوا نظر آتا ہے۔ جہاں کسی قسم کے نقص کا تصور بھی محال ہے۔ اپنوں کا بیان نہیں، غیر متعصب غیر بھی اس امر کے اعتراف کو اپنی سچائی کی شہادت اور ضمانت تصور کرتے ہیں۔

۱۲۹۔ سبا: ۲۸

Marfat.com

ہ۔ کشادہ ظرفی میں بھی اس کا کوئی مقابل نہیں۔ دوسری تہذیبوں کو جس اپنائیت کے ساتھ اسلامی تہذیب اپنے اندر سمو لینے کی صلاحیت رکھتی ہے، وہ بھی دیگر تہذیبوں میں مفقود ہے۔

و۔ اسلامی تہذیب کسی مصنوعی، خوش نما، خارجی عامل یا عوامل کا نام نہیں، وہ تو خود انسان کے ظاہر و باطن دونوں کو خوش نما بنانے اور اسے ہر اعتبار سے مزین کرنے کا نام ہے۔

یہ صرف ہمارے دعوے نہیں۔ کھلی آنکھوں سے حقائق کا مشاہدہ کرنے والے بھی یہی کہتے ہیں۔

ولفرڈ کانٹویل اسمتھ کہتا ہے:

> اسلامی طرز زندگی نے معاشرے کو وحدت و قوت عطا کی، متحد رکھنے والی اس قوت میں مذہبی قانون کو مرکزی مقام حاصل تھا، جس نے اپنے طاقت ور اور متعین دھارے کے ذریعے رسوم و عبادات سے لے کر ملکیت تک ہر چیز کو منضبط کر دیا، شرعی قانون نے اسلامی معاشرے کو قرطبہ سے ملتان تک وحدت عطا کی۔ (۱۳۰)

اسلامی تہذیب کا کام ابھی پورا نہیں ہوا۔ دنیا آج ایک بار پھر اپنے توہمات، فساد فکر و نظر، اپنی بداعمالیوں، بدکرداریوں، اور بدمعاملگی سے آزادی حاصل کرنے کے لئے اسلام کی طرف دیکھ رہی ہے۔ اس کی نظر میں واحد نجات دہندہ اسلام ہے، اور واحد راہ نما محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ دیکھئے ایک مشہور مستشرق ایچ اے آر گب (H.A.R. Gibb) کیا کہتا ہے:

> اسلام کو ابھی انسانیت کی ایک اور خدمت انجام دینی ہے۔ لوگوں کے مراتب، مواقع، اور عمل کے لحاظ سے مختلف نسلوں کے درمیان مساوات قائم کرنے میں کسی معاشرے نے اس جیسی کامیابی حاصل نہیں کی، افریقا،

---

130. Wilfered Cantwell Smith, Islam in Modern History, New York, 1957, pp36-37

Marfat.com

ہندوستان اور انڈونیشیا کے عظیم اور جاپان کے محدود مسلم معاشرے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ کس طرح اسلام مختلف نسلوں اور روایات، نہ مٹنے والے اختلافات کو تحلیل کر دیتا ہے، اگر مشرق ومغرب کے عظیم معاشروں میں مخالفت کے بہ جائے باہمی تعاون پیدا ہونا ہے تو اس کے لئے اسلام کی خدمات حاصل کرنا لازمی ہوگا۔ (۱۳۱)

آخر میں سوال یہ ہے کہ کیا ہم دنیا کی نظروں سے جھلکتا یہ پیغام پڑھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں؟ اور کیا اس ضمن میں اپنے فرائض سے آگاہ ہیں؟ اے کاش کہ ایسا ہو۔

وما علینا الا البلاغ المبین وآخر دعوان الحمدللہ رب العالمین

131. A. R. Gibb, Whither Islam, (London), 1932, p.379

Marfat.com

فلاحِ انسانیت۔ سیرتِ طیبہ کی روشنی میں

Marfat.com

فلاحِ انسانیت
سیرتِ طیبہ کی روشنی میں

اسلام کو دینِ فطرت کہا جاتا ہے، یہ اسے کسی انسان کی جانب سے دیا ہوا لقب نہیں ہے، خود قرآن کریم اسے دینِ فطرت کہتا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًاؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَاؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَO (۱)

پس (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ یکسو ہو کر اپنا رخ اسی دین حنیف (دینِ اسلام) کی جانب کر لیں (یعنی) اللہ کی فطرت کی طرف، جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا، اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، یہی سیدھا دین ہے، لیکن اکثر لوگ اس (حقیقت) سے واقف نہیں۔

اسلام یہ بھی کہتا ہے کہ دنیا میں آنے والا ہر بچہ فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے۔ بعد کی زندگی میں اس کے اندر رونما ہونے والے تغیرات اور مختلف النوع تبدیلیوں کا تعلق انسانوں کے اپنے رویوں، تربیت اور ماحول سے ہوتا ہے، حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ الروم: ۳۰

Marfat.com

كل مولود يولد على الفطرة، فابواه يهودا نه وينصر انه (۲)

ہر نومولود فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے، اسے تو اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی بناتے ہیں۔

لہٰذا اگر انسانیت کی فلاح وکامرانی کے لئے کوئی نظام قابلِ قبول اور قابلِ عمل ہوگا تو صرف وہی نظام ہوگا جو اسلام پیش کرے گا اور جو تعلیماتِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے ماخوذ ومستنبط ہوگا، حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے پیش کردہ نظامِ حیات کی جامعیت اور عملی طور پر سب سے زیادہ مؤثر ہونے میں کسی انصاف پسند شخص کو کلام نہیں ہوسکتا، کیوں کہ اس نظام کا تعلق ایسی ذات سے ہے جو انسان کی خالق بھی ہے اور اس کی فطرت کے حقائق سے واقف بھی، اس کے علاوہ باقی جو نظام بھی ہو اس کی تمام خوبیوں سے قطع نظر، اس کا ایک یہ پہلو ہی اسے ناقابلِ اعتبار ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ وہ انسان کا خود ساختہ ہے، سو اس کا خدا تعالیٰ کے عطا فرمودہ نظام سے کیا مقابلہ؟ ذیل کی سطور میں فلاحِ انسانیت کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور سیرتِ طیبہ کی روشنی میں اسلام کے پیش کردہ طریقۂ کار کے بارے میں چند باتیں عرض کی جائیں گی۔

واللہ ھو الموفق

انسانیت

آگے بڑھنے سے پہلے مناسب ہے کہ عنوانِ زیر بحث کے دو اہم پہلوؤں ''انسانیت'' اور ''فلاح'' کا لغوی اعتبار سے جائزہ لیا جائے۔

انسان، بشر یعنی آدمی کو کہتے ہیں خواہ مذکر ہو یا مؤنث اور اس کا اطلاق پوری جنسِ بشریت پر ہوتا ہے۔ (۳) لفظِ انسان اصلِ میں اِنسِیَانٌ ہے۔ جیسا کہ اس کی تصغیر سے

۲۔ ابوداؤد: ص ۲۴۰، ج ۴

☆ حمیدی۔ المسند۔ مجلس علمی، کراچی، طبعہ اولیٰ ۱۹۶۳: رقم ۱۱۱۳

☆ ابویعلی احمد بن علی بن المثنی الموصلی۔ المسند۔ بیروت، دارالکتب العلیہ، ۹۸ء: ج ۵، ص ۴۳۱، رقم ۶۲۷۶

۳۔ المنجد: ص ۱۷

Marfat.com

ظاہر ہوتا ہے، جو اُنَیْسِیَانٌ آتی ہے۔ (۴) انسان کو انسان اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی تخلیق کچھ اس قسم کی ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کے ربط و تعلق کے بغیر اس کے وجود کی کوئی حیثیت نہیں، اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ انسان مدنی الطبع ہے۔ (۵) اور ایک قول یہ ہے کہ اس کی اصل افعلان کے وزن پر النسان ہے، اور اسے یہ نام اس لئے دیا گیا کہ اس سے ایک عہد (عہدِ الست) لیا گیا تھا، جو وہ بھول گیا۔ (۶)

اسی طرح لفظِ انسانیت، انسان کی جانب منسوب ہے۔ یہ انسانی خصوصیات کو کہتے ہیں اور اس کا استعمال اکثر اخلاقِ حسنہ کے لئے ہوتا ہے جیسے جواں مردی، حسنِ اخلاق وغیرہ۔ (۷)

قرآنِ کریم میں بھی لفظ انسان کئی مقام پر استعمال ہوا ہے۔ (۸) مثلاً فرمایا:

وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًاo (۹)

اور فرمایا:

وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًاo (۱۰)

انسان کی جمع الناس آتی ہے۔ (۱۱) یہ بھی قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر آیا ہے۔ (۱۲)

۴۔ لسان العرب: ج ۶، ص ۱۰

۵۔ راغب اصفہانی ۵۲۔ المفردات۔ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ۱۹۶۱ء: ص ۲۸

۶۔ ایضاً

۷۔ المنجد: ص ۱۷

۸۔ قرآن کریم میں لفظِ اِنْسَانَ ۲۶ مقامات پر، اِنْسَانِ دس جگہ، اِنْسَانِ ایک بار اور اِنْسَانُ ۲۶ مرتبہ ذکر ہوا ہے، دیکھئے سید فضل الرحمٰن۔ معجم القرآن۔ ادارہ مجددیہ، کراچی، دوسرا ایڈیشن: ص ۸۷

۹۔ الاسراء: ۱۱

۱۰۔ الکہف: ۵۴

۱۱۔ لسان العرب: ج ۶، ص ۱۰

۱۲۔ سید فضل الرحمٰن۔ معجم القرآن: ص ۴۳۲، مجموعی طور پر لفظِ ناس قرآن کریم میں ۲۴۰ مرتبہ آیا ہے۔

Marfat.com

فلاح

عنوان کا دوسرا اہم جز فلاح ہے، افلح والفلاح فوز، نجات، نعمتوں اور بھلائی کی بقا کا نام ہے۔ (۱۳) امام راغب اصفہانیؒ کے بہ قول فلاح، کام یابی اور مطلوب و مقصود کو پانے کو کہتے ہیں، اس کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ دنیاوی فلاح

۲۔ اخروی فلاح

دنیاوی فلاح ان امور کے حصول کا نام ہے جن سے دنیاوی زندگی بہ خوشی گزرتی ہے۔ مثلاً غنا اور عزت وغیرہ، اور اخروی فلاح کا مظہر چار چیزیں ہیں:

۱۔ ہمیشہ ہمیشہ کی بقا

۲۔ فقر سے پاک غنا

۳۔ ذلت سے محفوظ عزت

۴۔ جہالت سے ممیز علم۔ (۱۴)

اور علامہ زبیدی فلاح کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لیس فی کلام العرب کلمة جمع من لفظة الفلاح لخیری الدنیا والا خرة (۱۵)

کلامِ عرب میں لفظِ فلاح سے بڑھ کر کوئی لفظ زیادہ جامع نہیں ہے جو دنیا و آخرت دونوں کی خیر و برکت کا حامل ہو۔

اسی لئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ:

۱۳۔ لسان العرب: ج ۲، ص ۵۴۷

☆ محمد بن ابوبکر بن عبدالقادر رازی۔ مختار الصحاح۔ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر ۱۹۵۰ء: ص ۵۳۵

☆ ابویعلی۔ المسند: ج ۶، ص ۲۹۸، رقم ۷۷۴۷

۱۴۔ المفردات: ص ۳۸۵

۱۵۔ زبیدی۔ تاج العروس: بہ ذیل مادہ: ف، ل، ح

Marfat.com

لا عیش الاعیش الآخرۃ (۱۶)

اصلی عیش تو آخرت ہی کا عیش ہے۔

قرآنِ کریم میں بھی فرمایا گیا:

وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ (۱۷)

اور اصل زندگی تو آخرت کے گھر کی ہے، کاش یہ لوگ سمجھتے۔

اور ازھری کے بہ قول اہلِ جنت کو مفلحون (۱۸) یعنی کامیاب اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ وہ ابدالآباد تک جنت میں قیام کے اعزاز سے سرفراز کئے جائیں گے۔ (۱۹)

احادیث میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے، ابوالدحداح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بشرك اللّٰه بخير و فلح (۲۰)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسلام کی دعوت دیتے ہوئے فلاح ہی کی جانب بلاتے تھے اور فرماتے تھے:

قولوا لا اله الا اللّٰه تفلحون (۲۱)

یعنی دنیاوی خداؤں کے جال سے نکل کر آسمانی اور حقیقی مالک کے سایۂ رحمت تلے آ جاؤ، اور شرک کے بحرِ ظلمات سے نکل کر توحید کی برکتوں سے فیض یاب ہو جاؤ، یہی حقیقی کامیابی ہے اور اسی میں دنیا و آخرت کی فلاح مضمر ہے۔

۱۶۔ بخاری: ج ۲، ص ۴۸۶، رقم ۳۷۹۵

☆ فتح الباری: ج ۷، ص ۱۴۹

۱۷۔ العنکبوت: ۶۴

۱۸۔ مفلحون، قرآن کریم میں ۱۲ مقامات پر آیا ہے، مثلاً البقرہ: ۵، آلِ عمران: ۱۰۴، اور الاعراف:

۸۔ معجم القرآن: ص ۴۱۶

۱۹۔ لسان العرب: ج ۲، ص ۵۴۷

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ احمد بن حنبل۔ المسند: ج ۴، ص ۵۴۷، رقم ۱۵۵۹۳

Marfat.com

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام دین و دنیا دونوں کو ساتھ لے کر چلنا چاہتا ہے، اس کی نظر میں انسانی زندگی کے یہ دونوں پہلو برابر کی اہمیت رکھتے ہیں، نتیجتاً وہ دونوں کو ان کی اہمیت کے مطابق اور انسانی ضرورت کے بہ قدر اپنی توجہ کا مستحق قرار دیتا ہے، قرآن کریم نے انسان کو ایک دعا یہ بھی تلقین کی ہے جو ان دونوں پہلوؤں کا بہ خوبی احاطہ کرتی ہے:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ O (۲۲)

اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی نصیب فرما اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ فرما۔

اور آپ ﷺ کے بارے میں بھی آتا ہے کہ آپ کثرت سے یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ O (۲۳)

فلاح کا قرآنی تصور

قرآنِ کریم نے فلاح و کامرانی کا واضح تصور پیش فرمایا ہے اور متعدد مقامات پر کام یاب کام ران افراد کی صفات بیان کی ہیں، اس کے بیان کے مطابق صرف وہی لوگ کام یابی ہیں جن کی اخروی زندگی کام یاب ہے، ایک مقام پر فرمایا:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ O الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ O وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ O وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ O وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ O (۲۴)

یقیناً ایمان والے کام یاب ہوگئے (یہ وہ لوگ ہیں) جو اپنی نماز میں عاجزی کرتے ہیں، اور جو بے کار (و بے ہودہ) باتوں سے کنارہ کش رہتے ہیں، اور جو زکوٰۃ (پابندی کے ساتھ) ادا کرتے رہتے ہیں، اور جو اپنی شرم گاہوں

۲۲۔البقرہ: ۲۰۰

۲۳۔ابویعلی۔المسند: ج ۳، ص ۲۲۵، رقم ۳۴۴۲

☆ بخاری۔الادب المفرد۔بیروت، دار البشائر الاسلامیہ، ۱۹۸۹ء: رقم ۲۸ ۷

۲۴۔المومنون: ۱ تا ۵

Marfat.com

کی حفاظت کرتے ہیں۔

ان آیات میں صرف ان ایمان والوں کو کام یاب قرار دیا گیا ہے، جن میں یہ چار صفاتِ حسنہ موجود ہوں:

۱۔ جو خشوع و خضوع کے ساتھ اپنی نمازیں ادا کرتے ہیں۔

۲۔ لغو، بے کار اور بے ہودہ باتوں سے اعراض کرتے ہیں، اور ان سے مکمل طور پر کنارہ کش رہتے ہیں۔

۳۔ زکوٰۃ کے فریضے کی ادائیگی پابندی سے کرتے ہیں۔

۴۔ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

دوسرے مقام پر کام یاب لوگوں کی یہ صفت بیان فرمائی:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى O وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى O (۲۵)

بلاشبہ وہی بامراد ہوا جس نے اپنے آپ کو پاک کرلیا اور اپنے رب کا نام لیتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔

فلاح انسانیت کے لئے مذہب کی ضرورت

فلاحِ انسانیت کا خوش نما عنوان اس وقت تک محض دعویٰ ہی رہے گا، جب تک مذہب کی رہ نمائی حاصل کر کے اس کے حصول کے لئے عملی اقدامات نہ کئے جائیں، ان اقدامات کے لئے ضروری ہے کہ وہ مذہب کی روشنی میں کئے جائیں۔ اگر فلاح کے لئے کوئی خود ساختہ نظام وضع کر کے انسانیت پر جبراً اس کا نفاذ کیا جائے گا تو اس سے مزید خرابی و تباہی کا تو امکان ہے، فلاح کا کوئی تصور ممکن نہیں۔ اسلامی تعلیمات اور غیر مسلم مفکرین میں یہ بنیادی فرق ہے۔ مغرب اور غیر مسلم مفکرین کی اکثریت مذہب کے اس فعال اور متحرک کردار کی قائل نہیں، کارل مارکس نے تو مذہب کو افیون قرار دے ڈالا۔ (۲۶) اس کے اس فلسفے کو مخصوص حلقے میں خوب پزیرائی ملی، حال آں کہ ایک اور غیر مسلم

۲۵۔ الاعلیٰ: ۱۴۔۱۵

۲۶۔ پروفیسر سید محمد سلیم۔ مغربی فلسفہ تعلیم کا تنقیدی مطالعہ۔ ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، ۱۹۸۱ء: ص ۵۵

Marfat.com

فلسفی برٹرینڈ رسل (Bertrand Russell) نے اس کے فلسفے پر یوں تبصرہ کیا ہے:

مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ مارکس کے فلسفے کے وہ اجزا جو ہیگل سے ماخوذ ہیں، وہ بالکل غیر سائنسی ہیں، اور ان کو درست تصور کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے، مارکس میں بہ حیثیت فلسفی بہت سی کمزوریاں اور خامیاں ہیں۔ (۲۷)

یہ کسی مخصوص طبقۂ فکر کا خیال نہیں، یورپ کی خداو مذہب آزاد فضا میں پروان چڑھنے والے اکثر دانش وروں کا یہی اندازِ فکر ہے، جولین ہکسلے، مذہب کی اہمیت و افادیت کی بابت اپنے خیالات یوں ظاہر کرتا ہے:

خدا کا تصور اپنی افادیت کی انتہاؤں کو چھو رہا ہے، اب اس میں مزید ترقی ممکن نہیں رہی ہے، مافوق الفطرت طاقت ور کا تصور انسان نے مذہب کا بوجھ اٹھانے کے لئے تراشا تھا، (اس کے نتیجے میں) پہلے جادو آیا پھر روحانی تصرفات کا دور آیا، پھر دیوتاؤں کا عقیدہ پیدا ہوا، اس کے بعد ایک خدا کا تصور ابھرا، ان ارتقائی مراحل سے گزر کر اب مذہب اپنی انتہا کو پہنچ کر ختم ہو چکا ہے، کسی وقت یہ خدا ہماری تہذیب کے ضروری مفروضے اور تخیلات تھے، لیکن اب جدید ترقی یافتہ دور میں ان کی افادیت ختم ہو چکی ہے۔ (۲۸)

اسی قسم کے خیالات ایک امریکی پروفیسر نے ان الفاظ میں ظاہر کئے ہیں:

سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ مذہب تاریخ کا سب سے زیادہ دردناک اور بدترین ڈھونگ تھا۔ (۲۹)

لیکن اس کے ساتھ خود مغرب ہی سے ایسی آوازیں بھی بلند ہوتی ہیں، جو اس تصور کی تردید کرتی اور لادینیت کے اس سیلاب سے خطرہ محسوس کرتی ہیں، اور یہ جانتی ہیں کہ اصل خرابی مذہب کا اثبات کرنے اور اسے ماننے میں نہیں، اس کے افکار واوراد میں ہے، ان ہی میں سے ایک آواز پروفیسر ولیم کونولی (William- E- Connolly) کی ہے، وہ

27. Bertrand Russell. History of European Philosophy. P-816

28. Bertrand Russell. Man in the Modern World. Newyork, P-131

29. Quoted By C.A.Couls on- Science and Christian- P-4

Marfat.com

کہتے ہیں:

The Whole Projelt of Modernity, despite its stunning success, is highly problematic. This is because all attempts to fill the place which god was forled to vacate at the start of the project with reason, with the general will, the dialectic of history have been of no avail, and ealh hag ended up in one kind of nihilism or another. (31)

اس کے برعکس اسلام فلاح انسانیت کے ضمن میں مذہب کے پوری طرح متحرک اور فعال ہونے کا مکمل ثبوت فراہم کرتا ہے۔ اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ تمام نعمتیں انسان کے لئے ہی ہیں، قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ (۳۲)

وہ (اللہ تعالیٰ وہ ذات) ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا ہے جو زمین میں ہے۔ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا، سو اس نے سات آسمان بنا دیئے اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

قرآنِ کریم یہ بھی بتاتا ہے کہ اخروی اعتبار سے (جو ایک مومن کے نقطۂ نظر سے اصل مقصود ہے) صرف وہی لوگ کامیاب ہوں گے جو اس دنیا میں خیر و بھلائی کے پیام بر کی حیثیت سے زندگی گزاریں گے اور جن کا دامن فساد اور بگاڑ کی سازشوں سے آلودہ نہیں ہوگا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا

31. William E Connolly. Political theory and modernity. London. 1988.

۳۲۔ البقرہ: ۲۹

Marfat.com

فَسَادًا ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَO (۳۳)

یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کو دیں گے جو (دنیاوی زندگی میں) زمین پر اپنی بڑائی (تکبر) اور فساد نہیں چاہتے، اور (اچھا) انجام تو خدا کا خوف رکھنے والوں (متقیوں) کا ہی ہے۔

مقامِ انسانیت، اسلام کی نظر میں

فلاح انسانیت کے سلسلے میں اسلام کے اقدامات بیان کرنے سے پہلے دیکھئے کہ اسلام نے انسان کو کیا مقام عطا کیا ہے؟ اسلام نے انسانیت کو بڑا ارفع و اعلیٰ مقام عطا کیا ہے، چناں چہ قرآنِ کریم کی بہت سی آیات اور متعدد احادیث نبویہ اس کو بیان کر رہی ہیں، قرآن کریم انسانی تخلیق کی بابت بیان کرتا ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍO (۳۴)

بلاشبہ ہم نے انسان کو بہترین تناسب پر تخلیق کیا ہے۔

اسلام کے نزدیک انسان کی یہ قدر و منزلت ہے کہ اس کے مطابق ایک انسان کا ناحق قتل پوری انسانیت کا قتل ہے، ارشاد ہے:

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْفَسَادٍفِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا (۳۵)

اور اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ فرمان لکھ دیا کہ جو شخص کسی انسان کو مار ڈالے بغیر کسی جان کے بدلے، یا زمین پر فساد پھیلانے کے بغیر تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا، اور جس نے کسی کو بچالیا تو گویا اس نے سب کو بچالیا۔

۳۳۔ القصص: ۸۳

۳۴۔ التین: ۴

۳۵۔ المائدہ: ۳۲

Marfat.com

اس کی تشریح میں طبری سے منقول ہے:

ان المراد بذلك تعظيم العقوبة وشدة الوعيد من حيثيت ان قتل الواحد و قتل الجميع سواء فی استيجاب غضب اللّٰه وعذابه (۳۶)

یہاں آیت میں عقوبت کی عظمت اور وعید کی شدت مراد ہے اور بتانا یہ مقصود ہے کہ ایک انسان کا ناحق قتل اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے عذاب کو اسی طرح حرکت میں لے آتا ہے جس طرح تمام انسانوں کا قتل۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قتل ناحق کو سخت ترین جرم قرار دیا ہے، ایک روایت میں کبیرہ گناہوں میں اسے دوسرے نمبر پر بیان فرمایا ہے، فرمایا:

اكبر الكبائر، الاشراك بالله، وقتل النفس، وعقوق الوالدين، وقول الزور (۳۷)

کبیرہ گناہوں میں سے بھی سب سے بڑے گناہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، قتل نفس، والدین کی نافرمانی، اور جھوٹی گواہی ہیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناحق قتل کی خواہش رکھنے والے شخص کو تین مبغوض ترین اشخاص میں سے ایک قرار دیا ہے، فرمایا:

ابغض الناس الى الله ثلاثة، ملحدفى الحرم، ومبتغ فى الاسلام سنة الجاهلية، ومطلب دم امراء بغير حق ليهريق دمه (۳۸)

مبغوض ترین افراد تین ہیں: ۱۔ حرم میں الحاد کا ارتکاب کرنے والا ۲۔ اسلام میں جاہلیت کے طریقوں کو رواج دینے والا ۳۔ کسی کے ناحق خون کرنے کا خواہش مند، تاکہ وہ اس کا خون بہائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات یہ بتاتی ہیں کہ جس شخص میں شر و فساد کی صفت پائی جائے اسے کسی بھی اعتبار سے بہتر انسان قرار نہیں دیا جاسکتا، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے

۳۶۔ فتح الباری: ج ۱۲: ص ۲۳۶

۳۷۔ بخاری: ج ۴، ص ۲۹۹، رقم ۶۸۷۱

۳۸۔ بخاری: ج ۴، ص ۳۰۲، رقم ۶۸۸۲

Marfat.com

روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جس سے لوگ خیر کی توقع رکھتے ہوں اور اس کے شر سے اپنے آپ کو محفوظ پاتے ہوں اور تم میں سے سب سے بدتر وہ ہے جس سے لوگ خیر کی کوئی توقع نہ رکھتے ہوں اور نہ اس کے شر سے اپنے آپ کو مامون تصور کرتے ہوں۔ (۳۹)

یہ ہے اسلام کا انسان کو عطا کردہ معیارِ انسانیت اور مقامِ انسانیت، جس میں انسان کے اچھے اور برے ہونے کا مدار ہی اس کے پوری انسانیت کے لئے مفید یا مضر ہونے پر ہے، اور جس میں ایک انسانی جان کا اتلاف پوری کائنات کے تلف کرنے کے برابر قرار دیا گیا ہے، یہی وہ میعار ہے جس کی بنا پر قرآنِ کریم نے فتنے کو قتل سے بھی زیادہ شدید فرمایا، ارشاد ہے:

وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ (۴۰)

اور فتنہ تو قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔

فلاحِ انسانیت

اوپر بیان ہونے والی تفصیل سے معلوم ہوگیا ہے کہ فلاح کا لفظ بہت جامعیت رکھتا ہے، اور اس کے مفہوم میں دنیا و آخرت کی ہر طرح کی کام یابی و کام رانی شامل ہے، اب اس امر پر غور کرنا ہے کہ اسلام انسانیت کی ہمہ جہت و ہمہ گیر کام یابی و فلاح کے لئے کیا نظام پیش کرتا ہے اور کس طرح سے انسانیت کو اس کی فلاح کے راستوں اور پہلوؤں سے

۳۹۔ احمد بن حنبل۔ المسند: ج ۳، ص ۵۸، رقم ۸۵۹۴، یہ طویل روایت کا حصہ ہے، مکمل روایت اس طرح ہے: عن ابی هريرة رضی الله عنه ان النبی صلی الله عليه وسلم وقف علی ناس جلوس فقال: الا اخبركم بخيركم من شركم؟ فسكت القوم فاعادها ثلاث مرات، فقال رجل من القوم: بلیٰ، يا رسول الله! قال: خيركم من يرجیٰ خيره ويوء من شره، وشركم من لا يرجیٰ خيره ولا يوء من شره

۴۰۔ البقرہ: ۲۱۷

Marfat.com

روشناس کراتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ فلاحِ انسانیت کے لئے اسلام ایک مکمل نظام رکھتا ہے، بل کہ اسلام کا پیغام اور اس کی بنیادی دعوت فلاح ہی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا بنیادی نکتہ بھی یہی تھا:

قولوا لا الہ الا اللہ تفلحون (۴۱)

لا الہ الا اللہ کہو کام یاب ہو جاؤ گے!

اسلام کے پیش کردہ نظام کا ایک ایک نکتہ فلاحِ عالم کا ضامن اور ایک ایک جز کام یابی و کام رانی کا راز ہے۔ اسلام کے نظام فلاح کے چیدہ چیدہ نکات پر ذیل میں روشنی ڈالی جائے گی اور فلاح کے دونوں پہلوؤں یعنی دنیا و آخرت کا باہمی ربط و تعلق واضح کرنے کی بھی کوشش کی جائے گی۔

اخلاقی تربیت

انسانوں کی اخلاقی تربیت کرنا اسلام کا خاص موضوع ہے، اسلام فرد کو اخلاقِ حسنہ سے مزین و آراستہ کر کے انسانیت کو اس کے شر اور برائی سے محفوظ کرتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پہلو سے بھی قیمتی تعلیمات پیش کی ہیں، درحقیقت دیکھا جائے تو اس میں بھی فلاح کے دونوں دنیاوی اور اخروی پہلو موجود ہیں، اخلاقی تربیت یافتہ فرد جہاں دنیا میں پوری انسانیت کے لئے مفید ثابت ہوتا ہے۔ جس سے پوری کائنات فائدہ اٹھاتی ہے۔ وہیں وہ مضرتوں سے اپنے آپ کو بچا کر اور انسانیت کے کام آکر اپنے لئے ہمیشہ ہمیشہ کام آنے والا ذخیرۂ فلاح و برکت بھی سمیٹتا ہے۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ خلق انسانی جبلت و فطرت کا نام ہے اور اس کے اعتبار سے انسانوں کے درجات باہم متفاوت ہیں، سو اگر کسی شخص میں کوئی اچھی صفت غالب حالت میں موجود ہے تو یہ اچھی بات ہے اور امر محمود ہے، اور اگر ایسا نہیں ہے تو وہ شخص (من جانب اللہ) اس پر مامور ہے کہ وہ اپنے اندر اس صفت کو بیدار کرے، اسی طرح اگر یہ صفت اس

۴۱۔ احمد بن حنبل۔ المسند: ج ۴، ص ۶۴۷، رقم ۱۵۵۹۳

Marfat.com

کے اندر موجود تو ہے، مگر کم زور ہے تب بھی اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ اسے طاقت ور اور مضبوط کرے۔ (۴۲)

اور امام غزالی رحمہ اللہ خلق کی تشریح میں فرماتے ہیں:

خلق نفس کی اس راسخ کیفیت کا نام ہے جس کے سبب سے افعال و اعمال سہولت اور آسانی کے ساتھ صادر ہونے لگتے ہیں اور اس کے لئے انسان کو سوچ و بچار اور کسی تردد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ (۴۳)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ مبارکہ کا اہم مقصد مکارمِ اخلاق کی تکمیل تھا، آپ ﷺ نے خود فرمایا:

بعثت لاتمم حسن الاخلاق (۴۴)

میں حسنِ اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔

اور دوسری روایت میں حصر کے ساتھ فرمایا:

انما بعثت لا تمم صالح الاخلاق (۴۵)

مجھے تو خاص نیک اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔

ہادی برحق، ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا بھی ہمارے لئے رہنمائے عمل ہے:

اللّٰھم احسنت خلقی فحسن خلقی (۴۶)

اے اللہ! جیسے تو نے میری صورت اچھی بنائی ہے، اسی طرح میرے اخلاق بھی بہتر بنا دے۔

حسن خلق ہی سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا بھی منقول ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں:

۴۲۔ سبل الھدیٰ والرشاد (سیرت شامی): ج ۷، ص ۱۴

۴۳۔ ابو حامد محمد بن الغزالی۔ احیاء علوم الدین۔ مصطفیٰ البابی الحبی، مصر ۱۹۳۹ء: ج ۳، ص ۵۲

۴۴۔ امام مالک بن انسؓ۔ المؤطاء۔ میر محمد کتب خانہ کراچی: باب حسن الخلق

۴۵۔ مجمع الزوائد: ج ۸، ص ۵۷۴، رقم ۱۴۱۸۸

۴۶۔ احمد بن حنبل۔ المسند: ج ۱، ص ۶۶۵

Marfat.com

واهدني لاحسن الاخلاق، لا يهدى لا حسنها الاانت، واصرف عن سيئها لا يصرف عن سيئها الا انت (۴۷)

اور اے میرے رب! میری اچھے اخلاق کی طرف رہ نمائی کر، تیرے سوا کوئی حسنِ اخلاق کی راہ نہیں دکھا سکتا اور مجھ سے بُرے اخلاق کو پھیر دے، انہیں تیرے سوا مجھ سے کوئی نہیں پھیر سکتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب خلقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت استفسار کیا گیا تو انہوں نے سوالیہ اسلوب میں فرمایا:

الست تقرأ القرآن؟

کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟

پھر فرمایا:

فان خلق رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم القرآن (۴۸)

بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن ہی تو ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا:

كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم احسن الناس خلقاً (۴۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ حسنِ خلق کے مالک تھے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن کریم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلقِ عظیم کی تصدیق فرمائی اور آپ کو یہ اعزاز عطا فرمایا:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍO (۵۰)

اور بلاشبہ آپ خلق کے عظیم مرتبے پر فائز ہیں۔

۴۷۔ مسلم: ج ۱، ص ۴۳۲، رقم ۱۷۷، عن علی بن ابی طالب رضی اللّٰہ عنہ، یہ ایک طویل روایت کا حصہ ہے۔

۴۸۔ محمد بن سعد۔ الطبقات۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۹۷: ج ۱، ص ۲۷۳

۴۹۔ مسلم: ج ۱، ص ۳۷۰، رقم ۲۶۷ (۶۵۹)

۵۰۔ القلم: ۴

Marfat.com

اس آیتِ مبارکہ میں لفظِ علیٰ کا استعمال استعلا کے لئے ہے اور مفہوم یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اخلاقِ کریمانہ پر مکمل طور پر عمل پیرا ہیں اور ان کے بلند مراتب پر فائز و مستولی ہیں۔ (۵۱)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو تکمیلِ ایمان تک کو حسنِ اخلاق پر منحصر قرار دیا، آپ نے فرمایا:

اکمل المؤمنین ایمانا احسنہم خلقاً (۵۲)

مومنوں میں کمالِ ایمان کے لحاظ سے سب سے برتر وہ شخص ہے جو ان میں زیادہ حسنِ خلق رکھتا ہے۔

عام رائے میں انسان کے خدارسیدہ، عبادت گزار اور دین دار ہونے کا مدار عموماً نماز روزے پر ہوتا ہے، لیکن نبی برحق، ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں اخلاقی تربیت کی کس قدر اہمیت ہے؟ اس کا اندازہ اس فرمان مبارک سے لگائیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الرجل لیدرك بحسنِ خلقه درجة قائم اللیل و صائم النهار (۵۳)

بلاشبہ انسان اپنے اچھے اخلاق کے ذریعے رات بھر نماز پڑھنے اور دن بھر روزہ رکھنے والے شخص کا درجہ پا سکتا ہے۔

اور مسلمان کی آخری منزل بل کہ حقیقی منزل یعنی آخرت میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ترین درجہ بھی خوش خلقی کے ذریعے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۵۱۔ شامی۔ سبل الہدیٰ والرشاد۔ ج ۷: ص ۱۳

۵۲۔ ابوداؤد: ج ۴، ص ۲۲۸، رقم ۴۶۸۲، عن عربی ہریرۃ رضی اللہ عنہ

☆ احمد۔ المسند۔ ج ۲، ص ۴۹۳، رقم ۷۳۵۴

☆ حاکم۔ المستدرک۔ دارالکتب العلمیہ، بیروت ۹۰ء: ج ۱، ص ۴۳، رقم ۱

۵۳۔ ایضاً: ج ۱، ص ۱۲۸، رقم ۱۹۹

☆ احمد۔ المسند: ج ۷، ص ۲۶۸، رقم ۲۵۰۱۰

Marfat.com

ان احبکم الی واقربکم منی فی الآخرۃ محاسنکم اخلاقاً (۵۴)

تم میں سے میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ اور آخرت میں نشست کے اعتبار سے مجھ سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جو تم میں زیادہ خوش اخلاق ہوگا۔

یہ تمام روایات اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اخلاقی تربیت کی اہمیت کے بیان کے لئے کافی ہیں، آپ ﷺ نے ان اقوال پر ہی اکتفا نہیں فرمایا، بل کہ اسلامی اخلاقیات کا پورا نظام انسانیت کو فراہم کیا ہے جو آزمودہ بھی ہے اور ہر اعتبار سے کام یاب بھی، لیکن یہ مختصر سے صفحات ان کے اجمالی بیان کے لئے بھی کافی نہیں ہوسکتے، تفصیل کے لئے بڑی کتب خصوصاً کتبِ حدیث کی جانب رجوع کیا جاسکتا ہے۔

روحانی و اعتقادی تربیت

انسان کا جب تک عقیدہ درست نہ ہو، وہ اپنی حقیقت سے ناواقف ہو، اسے یہ خبر نہ ہو کہ اسے دنیا میں کس نے بھیجا؟ کیوں بھیجا؟ اور اس کا وظیفۂ حیات کیا ہے؟ اس وقت تک وہ اپنے روزمرہ کے فرائض کام یابی کے ساتھ ادا نہیں کرسکتا، اور اس سے قدم قدم پر کوتاہی و لغزش کا صدور امکانی نہیں، یقینی اور لازمی ہے، اسی طرح جب تک اس کی ایسی روحانی تربیت نہ ہو، جو رنگ و بو کی مادہ پرست دنیا سے اس کی سوچ و فکر بلند کر کے اس کے اصل مقصدِ حیات کی جانب اس کی توجہ مبذول کرائے اور اس کے منصبِ حقیقی تک اس کی رہ نمائی کرے، اس وقت تک بھی انسان اپنے فرائضِ منصبی سے بہ حسن وخوبی عہدہ برا نہیں ہوسکتا، اور نتیجتاً اس عالم آب و گل کا فساد و تضاد میں مبتلا ہونا لازمی امر ہے، جیسا کہ مشاہدہ بھی یہی ہے، ان ممکنہ خرابیوں کے تدارک کے لئے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو روحانی و اعتقادی تربیت کا بھی مکمل نظام عطا فرمایا ہے جو کہ فلاحِ انسانیت ہی کے ذیل میں آتا ہے، یہ طریقہ کار اسلام کی خصوصیات میں

۵۴۔ احمد۔ المسند۔ ج ۵، ص ۲۱۵، رقم ۱۷۲۷۸

☆ ہیثمی۔ مجمع الزوائد۔ ج ۸، ص ۴۶، رقم ۱۲۶۶۵، عن ابی ثعلبۃ خشنی رضی اللہ عنہ

☆ ابن حبان۔ الصحیح۔ مؤسسۃ الرسالۃ: ج ۲، ص ۲۰۱، رقم ۴۸۲

Marfat.com

سے ایک ہے، ورنہ مغرب نے تو عقیدے اور روحانی تربیت کے عنصر کو زندگی کی ضروریات سے ہی خارج قرار دے دیا ہے، مغرب کے آئمۂ مادیت روح کی حقیقت سے ناواقف ہونے کے سبب، اس کے وجود ہی کے منکر ہو چکے ہیں، ان کے فلسفے نے جسم پر اس قدر توجہ مرکوز کی کہ اس کے بوجھ تلے روح کچلی گئی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس فلسفے کے زیرِ سایہ پروان چڑھنے والی نسل انسانی پہلے عقیدۂ توحید سے پھر روحانی تربیت کی ضرورت و اہمیت سے اور بالآخر ہر طرح کی اخلاقی حدود و قیود سے آزاد ہوتی چلی گئی، اور رفتہ رفتہ ان ہولناک لغزشوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورا معاشرہ جفا کار و ہوس ناک ہو گیا، نفسانی لذائذ مطمحِ نظر قرار پائے اور جسمانی فوائد کے حصول کو ''معراجِ انسانیت'' تصور کر لیا گیا، اس سانحے کی بھیانک تصویر کشی وہ اعداد و شمار کرتے ہیں جو آئے دن مغرب کے حوالے سے اخبارات و دیگر ذرائع ابلاغ کی زینت بنتے رہتے ہیں، چند برس پہلے کے اعداد و شمار ملاحظہ کیجئے:

	۱۹۷۵	۱۹۸۰	۱۹۸۵	۱۹۹۰	۱۹۹۲	۱۹۹۳
۱۔ سنگین جرائم	۱۰۳۹۷۱۰	۱۳۴۴۵۲۰	۱۳۴۸۸۰۰	۱۸۲۰۱۲۳	۱۹۳۲۲۷۰	۱۹۲۱۹۰
۲۔ قتل	۲۰۵۱۰	۲۳۰۴۰	۱۸۹۸۰	۲۳۴۴۰	۲۳۷۶۰	۲۴۵۳۰
۳۔ زنا بالجبر	۵۶۰۹۰	۸۲۹۹۰	۸۸۶۷۰	۱۰۲۵۶۰	۱۰۹۰۶۰	۱۰۴۸۱۰
۴۔ راہزنی	۴۷۰۵۰۰	۵۶۵۸۴۰	۴۹۷۸۷۰	۶۳۹۲۷۰	۶۷۲۴۸۰	۶۵۹۷۶۰
۵۔ جائیداد سے متعلقہ جرائم	۱۰۲۵۲۷۰۰	۱۲۰۶۳۷۰۰	۱۱۱۰۲۶۰۰	۱۲۶۵۵۵۰۰	۱۲۵۰۵۹۰۰	۱۳۱۳۱۰۰۰(۵۵)

اوہیو یونیورسٹی امریکا Oho State University کا ماہر عمرانیات پروفیسر جیمز ڈبلیو وینڈر زینڈن ریاست ہائے متحدہ امریکا میں عائلی نظام پر تفصیل سے روشنی ڈالتا ہے۔ اس کے اعداد و شمار ملاحظہ ہوں:

۱۔ ۱۶ برس کی عمر سے زیادہ ملازمت کرنے والی خواتین: ۵۴.۷ % (۱۹۸۴) میں

55. The universal almance edited by john w. wiright universal press syndicate co missourt 1966 page-281.

Marfat.com

۲۔ اٹھارہ سال سے کم عمر بچوں کی تعداد جن کی مائیں ملازمت کرتی ہیں: تین کروڑ بیس لاکھ بچے

۳۔ ۱۰ سال سے کم عمر کے بچے جو اسکول کے وقت کے بعد گھر میں والدین کے بغیر وقت گزارتے ہیں: ۵۰ لاکھ بچے

۴۔ خواتین پر ہر سال تشدد کے واقعات: ۱۰ لاکھ ۶۰ ہزار

۵۔ بچوں پر ہر سال تشدد کے واقعات ۱۰ لاکھ ۵۰ ہزار (۵۶)

ایک جائزے کے مطابق امریکا میں اس وقت ۲۵۰۰ کمپنیاں ڈے کیئر سینٹر چلا رہی ہیں، ان مراکز میں ایک بچے کی نگہ داشت کا خرچ جو والدین سالانہ ادا کرتے ہیں، تین ہزار ڈالر ہے۔

یہ وہ حالات ہیں جو انسانی حقوق کے نام نہاد علم برداروں کے گھروں کی کیفیت بیان کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اعتقادی و روحانی تربیت کی ضرورت بھی، ان خرابیوں کی سب سے پہلی وجہ ان کی جانب سے عقیدۂ توحید کا انکار ہے، انسان جب تک اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار نہیں کرتا اور جملہ صفات کے ساتھ اسے اپنا پروردگار تسلیم نہیں کرتا، اس وقت تک ذہنی، علمی اور عملی دنیا میں مسلسل بھٹکنا اور در در کی خاک چھاننا اس کا مقدر رہتا ہے، اب تک کا تجربہ بھی یہی کہتا ہے اور مشاہدہ بھی، توحید باری کے اقرار کا فلاحِ انسانیت کے ساتھ براہ راست تعلق ہے، فلاح کے اخروی پہلو کے ساتھ تو یہ تعلق واضح ہے کہ انسان کے جنت میں داخل ہونے کی اولین شرط یہی ہے، حدیث مبارک میں اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

من قال لا الہ الا اللّٰہ، دخل الجنة (۵۷)

جس نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کرلیا وہ جنت میں داخل ہوگیا۔

---

56. The social experience : an introduction to sociology by james W. Vander Zanden Random House New York 1988, page- 335, 352-362

۵۷۔ ہیثمی۔ مجمع الزوائد: ج ۱، ص ۱۶۳، رقم ۲۲

Marfat.com

یعنی داخل ہونے کا حق دار بن گیا اور ایک مسلمان کی حیثیت سے اس سے بڑھ کر اور کیا کام یابی ہوگی؟ اور فلاح کے دوسرے یعنی دنیاوی پہلو کے اعتبار سے بھی توحید کا مقام بلند اور اس کی ضرورت مسلم ہے کہ توحید اللہ تعالیٰ کی ذات سے انسان کے تعلق کے استوار ہونے کا نام ہے، اس کے بعد ہی انسانی قوتیں اپنے اصل اور فطری رنگ میں سامنے آتی ہیں اور انسانی صلاحیتوں کو جلا ملتی ہے، دوسری جانب توحید انسانیت کو مساوات اور حریت کا پیغام دیتی ہے، کیوں کہ خدا تعالیٰ کو ایک ماننے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اس ذاتِ باری کو حاکمِ اعلیٰ تسلیم کر رہا ہے اور جب ایک بار اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ تسلیم کر لی جائے تو پھر باقی ہر طرح کی محکومیت سے انسان آزاد ہو جاتا ہے، پھر وہ کسی دوسرے انسان کا محکوم نہیں رہ سکتا، اور اس حقیقت سے تو کوئی انکار نہیں کرے گا کہ دنیا میں فلاح کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ وہ ظلم و تعدی اور جور و ستم ہے جس کی ذمے دار انسانوں کی قائم کردہ چھوٹی چھوٹی حاکمیتیں ہیں، اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کر لینے کے بعد یہ تمام راستے بند ہو جاتے ہیں، تمام امتیازات و اختلافات ختم ہو جاتے ہیں، کیوں کہ اس کی نظر میں سب برابر ہیں، اور تقویٰ کے علاوہ اور کوئی ''معیارِ فضیلت'' نہیں ہے، ارشاد باری ہے:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ (۵۸)

بلاشبہ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔

اعتقاد کے درست ہونے کے بعد روحانی و اخلاقی تربیت کا مرحلہ آتا ہے، یہ اگرچہ شخصی وصف ہے لیکن معاشرے سے براہ راست متعلق ہے، کیوں کہ کوئی بھی معاشرہ بذاتہ کوئی الگ وجود نہیں رکھتا وہ افراد ہی کے مجموعے سے مرکب ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جانب بھرپور توجہ مرکوز فرمائی ہے، آپ نے فرمایا:

انسان کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اگر وہ درست ہے تو تمام جسم درست ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو تمام جسم فساد کا شکار ہو جاتا ہے، سن لو! وہ

۵۸۔ الحجرات: ۳

Marfat.com

دل ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفس پر قابو پانے کو جہادِ اکبر قرار دیا ہے، آپ نے فرمایا:

المجاهد من جاهد نفسه (۵۹)

مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔

درحقیقت پوری دنیا کا نظام دل کے ہاتھوں محصور ہے، جب تک دل کا نظام درست نہج پر استوار نہیں ہوتا، اس وقت تک دنیا کے نظام کا درست و صحیح راہ پر گام زن ہونا محال ہے۔

تعلیم

روحانی، اخلاقی اور اعتقادی تربیت کے بعد سب سے اہم مرحلہ تعلیم کا ہے جو اصل میں اُسی تربیت کا ایک تسلسل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حصولِ تعلیم پر بھی بہت زور دیا ہے، علم کا حصول تخلیق انسانی کا ایک اہم جز ہے، یہی وہ جوہر ہے جس کی بنا پر انسان کو نوری مخلوق فرشتوں پر بھی فضیلت عطا ہوئی، قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْقَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ اِنِّى جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَن يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَO وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِى بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَO (۶۰)

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ وقت یاد کیجئے) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں، انہوں نے (فرشتوں نے) کہا کہ کیا اس (زمین) میں ایسے شخص کو (خلیفہ) بنائے گا جو اس میں فساد و خون ریزی کرے گا؟ حال آں کہ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں اور حمد بھی کرتے ہیں، اللہ نے فرمایا: بے شک (ان اسرار کو) میں جانتا ہوں، جن کو تم نہیں جانتے اور اس (اللہ تعالیٰ) نے آدم کو تمام (چیزوں کے) نام سکھا

۵۹۔ ترمذی: ج ۳، ص ۲۳۲، رقم ۱۶۲۷

۶۰۔ البقرہ: ۳۰، ۳۱

Marfat.com

دیئے، پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے کر کے فرمایا کہ اگر تم (اپنے دعونے میں) سچے ہو تو مجھے ان سب چیزوں کے نام بتاؤ۔

ان آیات سے یہ بھی واضح ہوا کہ علم انسان کے خمیر ہی میں ڈال دیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ابتدا ہی سے اسے وہ صلاحیتیں ودیعت فرمائی تھیں جن کے بل پر اس کو دائمی فضیلت اور دوسری تمام مخلوقات پر اس کی مکمل حاکمیت قائم ہو سکتی ہے۔

علم کی اہمیت کو مزید واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ○ (۶۱)

اور یہ مثالیں ہیں جن کو ہم لوگوں کے (سمجھانے) کے لئے بیان کرتے ہیں اور ان کو وہی سمجھتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔

اس آیتِ مبارکہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ہر طرح کی خیر و بھلائی کی طرف وہی شخص لپکتا اور اس کو قبول کرتا ہے جو علم و آگہی کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے اور جس کا ضمیر اپنے پروردگار کی عطا کردہ معرفت کی روشنی سے منور ہوتا ہے۔

تعلیم کے بنیادی تصورات کے حوالے سے بھی اسلامی اور مغربی نظریات باہم ٹکراتے ہوئے نظر آتے ہیں، اسلام تو علم کو بہت وسیع تصور دیتا ہے اور اسے فلاحِ دارین کی کلید بتاتا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

لیس العلم بکثرۃ الروایات، انما العلم نورٌ یجعله اللّٰه تعالیٰ فی القلب (۶۲)

علم کثرتِ روایات کا نام نہیں، علم تو ایک نور ہے، جو اللہ تعالیٰ قلب میں پیدا فرما دیتے ہیں۔

اور امام شافعی علم کے نور ہونے کی بابت اپنے خیالات اشعار کی صورت میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

۶۱۔ العنکبوت: ۴۳

۶۲۔ سید محبوب حسن واسطی۔ شش ماہی ''السیرہ'' عالمی، مدیر سید فضل الرحمٰن۔ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی: شمارہ ۳، ربیع الاول، ۱۴۲۱ھ۔ جون ۲۰۰۰ء، ص ۸۰

Marfat.com

شکوت الی و کیع سوء حفظی
فا و صانی الی ترك المعاصی
فان العلم نور من اله
ونور اللّٰہ لا یعطیٰ لعاصی (۶۳)

میں نے اپنے استاد وکیعؒ سے حافظے کی کم زوری کی شکایت کی تو انہوں نے مجھے ترک معاصی کی نصیحت کی، کیوں کہ علم تو اللہ کا نور ہے اور اللہ کا نور کسی گناہ گار کو نہیں ملتا۔

اس تقدس ونورانیت کے ماحول میں جب انسان حصولِ علم کے لئے کوششیں اور اپنی توانائیاں صرف کرتا ہے تو پھر اس پر فلاح وکام یابی کے تمام در وا ہوتے چلے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (۶۴)

اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں کے اور ان لوگوں کے جنہیں علم عطاء ہوا، درجات بلند کرے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ مبارک کے مطابق وہی علم فضیلت کا مستحق ہے جو مفید اور نافع ہو، فرمایا:

اشد الناس عذابا یوم القیامة عالم لم ینفعه علمه (۶۵)

قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ عذاب اس عالم پر ہوگا جس کا علم اس کے لئے نفع کا ذریعہ نہ بنا ہو۔

اسی طرح اگر حصولِ علم کا مقصد نیک نہیں تب بھی حاصل کردہ علم اور اس کی محنت اکارت جائے گی، فرمایا:

من طلب العلم لیجاری به العلماء اولیماریٰ به السفهاء اویصرف

۶۳۔ سید محبوب حسن واسطی۔ شش ماہی "السیرہ" عالمی: ص ۸۱

۶۴۔ المجادلۃ: ۱۱

۶۵۔ ہیثمی۔ مجمع الزوائد: ج ۱، ص ۴۴۰، رقم ۸۷۲

Marfat.com

به وجوه الناس اليه ادخله الله النار (٦٦)

جس نے علم اس لئے حاصل کیا کہ اس کے ذریعے علما پر اپنا رعب جمائے یا بے وقوفوں سے جھگڑا کرے یا اپنی طرف لوگوں کی توجہ حاصل کرے تو اللہ اسے جہنم کی آگ میں داخل کرے گا۔

لیکن اگر نیت صاف اور ارادے نیک ہوں تو علم کے طالب کو یہ اعزاز حاصل ہوتا ہے، فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

ان الله و ملائكته واهل السموات والارض حتى النملة فى جحرها وحتى الحوت ليصلون على معلم الناس الخير (٦٧)

بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے اور آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوقات حتیٰ کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں (پانی میں) لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دینے والوں کے لئے دعائے خیر کرتی ہیں۔

یہاں ''خیر (بھلائی) کی تعلیم'' میں فلاح انسانیت کے تمام پہلوؤں کی جانب اشارہ فرما دیا گیا ہے۔ اور ایک روایت میں فرمایا:

ان مثل علم لا ينفع به كمثل كنز لا ينفق في سبيل الله (٦٨)

ایسے علم کی مثال جس سے نفع نہ اٹھایا جائے (نہ دوسروں کو اس کی تعلیم دی جائے اور نہ انسان اس علم کے مقتضا پر خود عمل پیرا ہو) ایسے خزانے کی سی ہے جس سے اللہ کے راستے میں کچھ خرچ نہ کیا جائے۔

دوسری جانب یہ جاننا بھی ہمارے لیے ضروری ہے کہ مغرب کا علم کے بارے میں کیا نظریہ ہے اور ان کے ہاں حصولِ علم کے اغراض و مقاصد کیا ہیں؟ اس بارے میں صرف دو

٦٦۔ ترمذی: ج ۴، ص ۲۹۸، رقم ۲۶۶۳، عن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ

☆ ہیثمی۔ مجمع الزوائد: ج ۱، ص ۴۳۸، رقم ۸۶۴۰۰

٦٧۔ ترمذی: ج ۴، ص ص ۳۱۴، رقم ۲۶۹۴، عن ابی امامة الباهلی رضی الله عنه

٦٨۔ احمد۔ المسند: ج ۳، ص ۲۹۰، رقم ۱۰۰۹۸، عن ابی هريرة رضی الله عنه

☆ دارمی۔ السنن۔ قدیمی کتب خانہ، کراچی: ج ۱، ص ۱۴۸، رقم ۵۵۶

Marfat.com

اقوال ملاحظہ کیجئے۔

It denotes an attempt on the part of the adult members of a human society to shape the development of the coming generation in accordance with its own ideals of life. (69)

علم کسی انسانی معاشرے کے سمجھ بوجھ رکھنے والے افراد کی اُن کوششوں کا نام ہے جو وہ اپنے تصوراتِ حیات کے مطابق اپنی آئندہ نسل کی ترقی کی تشکیل کے لئے کرتے ہیں۔

J.S. Mills نے مزید سہل الفاظ میں علم کی حقیقت اس طرح بیان کی:

Every effort which helps to shape the human beings......deliberate direction and training.(70)

ہر وہ کوشش علم ہے جو انسانوں کی ترقی کی تشکیل میں ممد و معاون ہو یعنی شعوری رہ نمائی اور تربیت کا عمل۔

یعنی اخروی فلاح و کام یابی کا تو ذکر ہی نہیں، دنیاوی اعتبار سے بھی صرف اپنے تصورِ حیات کو ترقی کی اساس قرار دیا جا رہا ہے، حال آں کہ انسانوں کی آرا میں باہم جو تفاوت ہے وہ محتاجِ بیان نہیں، پھر ان کو بنیاد بنا کر کی جانے والی کوششیں (جن کا باہم ٹکرانا یقینی و بدیہی ہے) کیوں کر بارآور اور کام یاب ثابت ہوسکتی ہیں؟ ان کا نتیجہ مزید انتشار و اضطراب کی صورت میں نہیں نکلے گا تو اور کیا ہوگا؟

اجتماعیت

اسلام اجتماعیت پسند مذہب ہے۔ وہ اتحاد و اتفاق کا داعی ہے، وہ امۃ واحدہ کا علم بردار ہے، اس کی نظر میں کسی قسم کا امتیاز کوئی حیثیت نہیں رکھتا، اگر دنیاوی فرقوں اور

69. Encyclopaedia Britannica (1768) Vol-7, P. 964

70. Encyclopaedia Britannica (1768) Vol-7, P. 964.

Marfat.com

گروہوں کی کوئی حیثیت ہے تو صرف اس قدر، قرآن کریم کے الفاظ میں:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝ (۷۱)

اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بلاشبہ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔

اجتماعیت ہر معاشرے کی بنیادی ضروریات میں سے ایک ہے، کیوں کہ انسان مدنی الطبع ہے، اس لئے ہر شخص کسی نہ کسی درجے میں دوسرے افراد کا محتاج نظر آتا ہے، اور آج کے ترقی یافتہ دور میں تو اس کے سوا کوئی صورت ہی باقی نہیں رہی کہ ہر شخص اپنے روزمرہ کے امور کی انجام دہی میں دوسرے افراد سے تعاون حاصل کرے، اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ اجتماعیت انسان کی فطری خواہش اور ضرورت ہے، اسلام اس ضرورت کو اس کے مقام پر رکھتا ہے اور اس خواہش کی تہذیب کر کے اسے انسانیت کی فلاح کے لئے کام میں لاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اس سلسلے میں بھی بہت واضح ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتماعیت پر زور دینے کے ساتھ ساتھ افتراق کی بھی بھرپور مذمت فرمائی ہے، کیوں کہ افتراق کی نفی اجتماعیت کا احیا ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝ (۷۲)

جن لوگوں نے دین میں تفرقہ پیدا کیا اور وہ بہت سے فرقے ہو گئے، تو آپ کو ان کی کسی بات سے بھی کچھ سروکار نہیں، ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، پھر وہ ان کو بتا دے گا کہ جو کچھ وہ کرتے تھے۔

۷۱۔ الحجرات: ۱۳

۷۲۔ الانعام: ۱۵۹

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتحاد و اتفاق اور اجتماعیت پر زور دیتے ہوئے اور افتراق کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

من فارق الجماعة قيد شبر فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه (۷۳)

جس شخص نے بالشت بھر بھی جماعت سے علیحدگی اختیار کی اس نے اپنی گردن سے اسلام کی رسی نکال دی۔

ایک روایت کا آخری یہ حصہ ہے:

فایا کم و الشعاب، و علیکم بالجماعة والعامة والمسجد (۷۴)

سو تم مختلف گھاٹیوں سے (مختلف گروہ بازی سے) بچنا اور جماعت اور عام لوگوں کو اختیار کرو اور مسجد سے تعلق استوار کرو۔

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللّٰہ لا یجمع امتی اوقال امة محمد صلی اللّٰہ علیه وسلم علی ضلالة، ویداللّٰہ علی الجماعة، ومن شذ شُذَّ الی النار (۷۵)

بے شک اللہ میری امت کو یا فرمایا امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گمراہی پر جمع نہیں فرمائے گا، اور اللہ کا ہاتھ (اس کی حمایت) جماعت پر ہے اور جو جماعت سے جدا ہوا، وہ دوزخ میں جا گرا۔

آپ ﷺ نے تو اتحاد و اجتماعیت کی اس حد تک تاکید فرمائی کہ ایک شخص کے تنہا سفر کرنے کی بھی ممانعت فرمائی، ہمیشہ کم از کم دو افراد کو سفر کرنے کا حکم فرمایا، اس میں جہاں دوسرے مصالح پیش نظر تھے، وہیں اجتماعیت کی تعلیم دینا بھی پیش نظر تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خطبہ منقول ہے، اس میں آپ ﷺ نے یہ الفاظ

۷۳۔ ابوداؤد: ج ۴، ص ۲۵۵، رقم ۴۷۵۸، عن ابی ذر رضی اللّٰہ عنه

۷۴۔ احمد۔ المسند: ج ۶، ص ۳۰۷، رقم ۲۱۵۲۴، عن ابی معاذ بن جبل رضی اللّٰہ عنه

۷۵۔ ترمذی: ج ۴، ص ۶۸، رقم ۲۱۷۳

☆ حاکم۔ المستدرک: ج ۱، ص ۲۰۰، رقم ۳۹۱، اس روایت میں فاتبعو السواد الاعظم کے الفاظ زائد ہیں۔

Marfat.com

بھی فرمائے:

من احب منكم بحبوحة الجنة فعليه بالجماعة، فان الشيطان مع الواحد و هو من الا ثنين ابعد (۷۶)

تم میں سے جو شخص جنت کے خاص درمیان کی خواہش رکھتا ہے اسے چاہئے کہ جماعت کی پیروی کرے، کیوں کہ شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے اور دو سے دور بھاگتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا بیش تر حصہ نہ صرف اتحاد و اتفاق کی برکات سے انسانیت کو فیض یاب کرتا ہے، بل کہ اسلام کا نظامِ عبادات مکمل طور پر اتحاد و یک جہتی اور اتفاق و اجتماعیت کی دعوت دیتا ہے، نماز سے لے کر حج تک تمام عبادات کی انجام دہی کا صحیح اور مسنون طریقہ اتحاد کی بھی علامت ہے اور اجتماعیت کی بھی۔

نظامِ زکوٰۃ

نظامِ زکوٰۃ اسلام کی ان گنت خصوصیات میں سے ایک ہے، اس کی افادیت ہمہ جہت ہے، اس کا ایک پہلو جو معاشرتی اعتبار سے سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے، وہ یہ ہے کہ اس سے دولت پرستی اور حبِ مال کے سنگین مرض کی بیخ کنی ہوتی ہے، جو معاشرے میں اتحاد و اتفاق کے لئے بھی سدِ راہ ہے اور مساوات کا بھی عملی دشمن ہے، زکوٰۃ سے ایک طرف تو ضرورت منداور پریشان حال افراد کی ضروریات کا ایک بڑا حصہ پورا ہوتا ہے، دوسری جانب اس سے غربا کے دلوں میں بھی معاشرے کی اہمیت اور اجتماعیت کے فوائد کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ایک بڑا کارنامہ ہے، کیوں کہ اس نظام کے داعی اور بانی آپ ﷺ ہی ہیں، آپ سے پہلے اس کا کوئی تصور نہ تھا، اس نظام پر عمل پیرا ہونے کا ثمرہ انسانیت کو اس صورت میں ملا کہ اسلامی دورِ حکومت پر ایک دور ایسا بھی آیا، جب زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے صاحبِ حیثیت افراد ہاتھوں میں زکوٰۃ لئے مستحقین کی تلاش میں سرگرداں پھرتے تھے اور انہیں

۷۶۔ مستدرک۔ ایضاً: ص ۱۹۹، رقم ۳۹۰

Marfat.com

کوئی مستحقِ زکوٰۃ تو کجا، کوئی ایسا شخص بھی نہیں ملتا تھا جو زکوٰۃ لینے کے استحقاق کا فقط دعوے دار ہی ہوتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش فرمودہ اس نظامِ زکوٰۃ کا تعلق بھی انسانیت کی فلاح کے دونوں پہلوؤں سے ہے، دنیاوی اعتبار سے تو اس کے فوائد وثمرات سے انکار کسی کے لئے بھی ممکن نہیں، اخروی لحاظ سے بھی اس کے فوائد بے شمار ہیں۔

زکوٰۃ کو اسلام نے پاکی اور صفائی کا سبب قرار دیا ہے، قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (۷۷)

ان کے اموال میں سے زکوٰۃ وصول کریں اور اس طرح انہیں پاک اور صاف کریں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے مال کی پاکیزگی کا ذریعہ قرار دیا ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من ادی زکوٰۃ مالہ فقد ذهب عنه شره (۷۸)

جس شخص نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی تو اس کے مال کا شر اس سے رفع ہو گیا۔

اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

حصنوا اموالکم بالزکاة وداووا مرضاکم بالصدقة واعد و للبلاء الدعاء (۷۹)

اپنے اموال کی حفاظت کرو زکوٰۃ کے ذریعے، اور اپنے مریضوں کی دوا کر صدقے کے ذریعے، اور بلاؤں اور مصائب کو دور کرو دعا کے ذریعے۔

زکوٰۃ کی ان برکات اور فوائد ہی کے پیشِ نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کی ادائیگی کو اسلام کی تکمیل کا باعث قرار دیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے فرمایا:

۷۷۔ التوبہ: ۱۰۳

۷۸۔ مجمع الزوائد: ج ۳، ص ۲۰۰، رقم ۴۳۳۴

۷۹۔ ایضاً: ص ۲۰۱، رقم ۴۳۳۶

Marfat.com

ان تمام اسلامکم ان تؤدوا زکوٰۃ اموالکم (۸۰)

تمہارے اسلام کی تکمیل میں سے یہ بات بھی ہے کہ تم اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا کیا کرو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا فرمودہ نظامِ زکوٰۃ کا ایک اور قابلِ توجہ پہلو یہ ہے کہ انسان جب اپنی محنت سے کمائے ہوئے مال میں سے صرف اللہ کے حکم سے اس کے نام پر ایک مخصوص حصہ نکالتا ہے تو وہ نماز، روزے کی طرح اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کرنے کا عملی مظاہرہ کرتا ہے جس کو وہ اس سے قبل قلبی طور پر تسلیم کر کے زبان سے اس کا اقرار کر چکا ہے، اور پھر جس طرح حالتِ نماز میں سجدہ غایتِ تذلل کی علامت ہے اس لئے انتہائی پسندیدہ اور نماز کا اہم ترین رکن ہے، اسی طرح محنت و مشقت سے کمائے ہوئے مال میں سے سال کے سال فقط حکمِ خداوندی پر ایک حصہ نکال دینا اُس غایت درجے کے تذلل سے کم نہیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات کا نتیجہ یہ ہے کہ افراد کی خود غرضانہ سوچ اور صرف ان کی اپنی ذات تک محدود رہنے والے فوائد و مراعات کا تصور مٹتا چلا جاتا ہے اور ان کے اندر اجتماعی سوچ بیدار ہوتی ہے، ہر فرد تمام معاملات کو اجتماعی نظر سے دیکھنے لگتا ہے اور ہر ایک کی بھلائی اور خیر و فلاح کا خواہش مند ہوتا ہے اور اس کی تمام تر سرگرمیاں فلاحِ انسانیت کے لئے وقف ہو جاتی ہیں۔

خلاصۂ کلام

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاحِ انسانیت کے لئے جن نکات پر زور دیا ہے اور جو طریقۂ کار عطا فرمایا ہے، ان کے بعض پہلوؤں پر مختصراً گفت گو کی گئی، نیز یہ بھی واضح ہوا کہ اسلام کی نظر میں فلاح کا تعلق انسانی زندگی کے دونوں حصوں دنیا اور آخرت سے ہے، اور حیاتِ انسانی اور انسانی زندگی سے وابستہ اہم معاملات پر مغرب اور اسلام کی آرا کے تقابل سے ان میں موجود باہمی تفاوت بھی سامنے آیا۔ یہ تمام امور اس بات کے شاہد

۸۰۔ مجمع الزوائد: ص ۱۹۸، رقم ۴۳۲۶

Marfat.com

ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہی حقیقی معنی میں مکمل فلاح و کامرانی کی ضامن ہیں اور ان پر عمل پیرا ہو کر ہی اس عالمِ آب و گل کو صحیح معنی میں انسانیت کے لئے فلاحی مقام میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

ضرورت ان تعلیمات کو سمجھنے اور ان پر غور و فکر کے بعد ان کی روح کے مطابق ان پر عمل پیرا ہونے کی ہے، اللہ تعالیٰ علم و عمل میں تفاوت دور فرمائے اور ہمارا حامی و ناصر ہو۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی نبینا محمد والہ واصحابہ و من تبعھم اجمعین باحسان الی یوم الدین. وما علینا الا البلاغ المبین

Marfat.com

خانگی زندگی اور اسوۂ حسنہ

ششماہی السیرہ، عالمی: شمارہ: ۱۱، اپریل ۲۰۰۴ء

کتابی صورت میں: زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی ۲۰۰۴ء: ۴۸ص

Marfat.com

خانگی زندگی اور اسوۂ حسنہ

انسانی زندگی کے بہت سے دائرے ہیں، اس کی پوری زیست ان ہی دائروں کے گرد گھومتی ہے، اور دنیا و آخرت دونوں کے اعتبار سے کام یاب شخص وہی ہے، جو ان تمام دائروں میں رہتے ہوئے اور تمام لوازم زیست کو برتتے اور استعمال کرتے ہوئے ان میں سے کسی ایک دائرے میں اپنے آپ کو گم نہیں کرتا اور کسی دائرے میں اس کا اپنا وجود ضم نہیں ہو جاتا، بل کہ وہ سب کو دیکھتا ہے اور برابر دیکھتا ہے، سب کے حقوق ادا کرتا ہے اور اس سلسلے میں مکمل عدل و انصاف سے کام لیتا ہے، وہ گھر کے اوقات دفتر کے لئے وقف نہیں کرتا، اور دفتری امور میں گھریلو زندگی کی ملاوٹ نہیں کرتا، وہ احباب کے تعلق کو نبھاتے ہوئے اہل قرابت کو فراموش نہیں کرتا۔ اور اپنی ضرورتوں کی کفالت کی خاطر اپنے متعلقین کے حقوق اور ان کی ضرورتوں سے صرف نظر نہیں کرتا۔

یہ تمام اخلاقی اوصاف ایسے ہیں، جنہیں سراہنے والے دنیا کے ہر کونے میں پائے جاتے ہیں، اور جن کے عمدہ اور اچھے ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا، لیکن اسوۂ نبوی علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کا امتیاز یہ ہے کہ اس نے ان خالص دنیاوی امور کی ڈور کو آخرت کی فلاح سے منسلک کر دیا ہے، اور کام یاب مومن اسی کو قرار دیا ہے جو ان پہلوؤں کے اعتبار سے بھی کمال و حسن رکھتا ہے، نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کی صرف یہی خوبی نہیں ہے کہ وہاں قول و عمل ایک ہیں، اور ایک کو دیکھ کر دوسرے کو بہ سہولت جانا اور پہچانا جاسکتا ہے، بل کہ اس کا ایک اہم امتیاز یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں زندگی

Marfat.com

کے یہ دائرے اپنے اپنے مدار میں یک ساں فاصلے اور بالکل متناسب رفتار سے گردش کرتے نظر آتے ہیں، کوئی دائرہ نہ تو دوسرے سے ٹکراتا ہے، نہ دوسرے کی حدود میں مداخلت کرتا ہے، اس بات کو صفحہ قرطاس پر منتقل کرنا تو بہت آسان ہے، لیکن اس کا حق ادا کرنا کارے رداردہے۔ اسی لئے ایک مومن کامل کی پہچان بھی ہے۔

زندگی کے ان دائروں میں غالباً سب سے اہم دائرہ خانگی زندگی سے تعلق رکھتا ہے، اور یہ دائرہ پھر مزید چند چھوٹے دائروں میں تقسیم ہو جاتا ہے، کیوں کہ گھریلو اور خانگی زندگی میں انسان کا واسطہ ان چند رشتوں سے پڑتا ہے، والدین، اہل خانہ، اولاد، اہل قرابت اور ملازمین، ان تمام رشتوں اور تعلقات کی نوعیت باہم مختلف ہے، اور انسانیت کا کمال یہ ہے کہ ان رشتوں کا امتیاز واختلاف برقرار رہتے ہوئے ان سے روابط کو استوار رکھا جائے، انسانی فطرت یہی کہتی ہے کہ ان دائروں کی حدود باہم ٹکرانے نہ پائیں، اوران رشتوں کا تقدس وحسن بھی اسی صورت میں قائم رہ سکتا ہے، جب ان کا امتیاز برقرار رہے۔

ہر شخص اس امر سے واقف ہے کہ انسانی زیست کا یہ ایک نازک مقام ہے، اور اس باب میں نہ افراط قابل قبول ہے نہ تفریط، یہاں حد درجہ احتیاط کے ساتھ اپنے فرائض کی انجام دہی کام یابی کی کلید ہےتو ذرا سی بے احتیاطی فلاح وکام یابی کے راستے سے بھٹکانے کے لئے کافی ہے۔ ایسے میں ہمارے لئے رسول اکرم نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں بہترین سبق موجود ہے، ہمیں دیکھنا ہے کہ آپ ﷺ نے ان دائروں کی گردش کو کس طرح مسخر کیا؟ اور کس حسن تدبیر سے کام لے کر افراط وتفریط کے مابین راستہ بنایا، اور امت کے سامنے پیش کر دیا، زیر نظر سطور سیرت طیبہ کے اسی پہلو کے ایک مختصر مطالعے اور اس کے نتائج پر مشتمل ہیں۔

ہماری موجودہ حالت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں، ہمارے گھروں کی کیفیت ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارے لئے بہت بڑا سوالیہ نشان ہے، پریشان سب ہیں اور ان مصائب کے حل کے متلاشی بھی، مگر شاید ہم اس حقیقت سے کم واقف ہیں کہ ہماری ان پریشانیوں کا حل ہمارے گھر میں موجود ہے، ضرورت صرف ذرا سی توجہ سے اسے سمجھنے اور پھر اس پر

Marfat.com

بھرپور عمل کی ہے۔ کاش اسوۂ حسنہ کا یہ روشن چراغ ہمارے گھروں میں پھر سے فیروزاں ہو کر اپنی روشنی پھیلا سکے۔ آمین

خاندان

انسان کی گھریلو زندگی اس کے خاندان کے گرد گھومتی ہے، اس لئے آغاز میں خاندان کی اہمیت پر غور کرنا ضروری ہے۔ انسانی معاشرت کا جائزہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ خاندان پوری انسانی زندگی کی اساس و بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے، یہ میاں بیوی، والدین، اولاد اور اہل قرابت سے تشکیل پاتا ہے اور اس کا نظام ایک اکائی کی صورت میں کام کرتا ہے، اس کے مثبت انداز میں سرگرم رہنے سے پورا معاشرہ راحت پاتا ہے، اور اس میں کسی جانب سے بھی رخنہ اندازی آہستہ آہستہ پورے انسانی معاشرے کو متاثر کر ڈالتی ہے، اس لئے خاندان کا استحکام اور صحیح بنیاد پر اس کا استوار ہونا نہایت ضروری ہے، اور خاندان کے استحکام کا مدار اس امر پر ہے کہ اس کے اجزائے ترکیبی باہم ایک دوسرے سے کس حد تک مربوط ہیں۔

خاندان کے ان اجزا کو باہم مربوط رکھنے کے لئے اسلام نے واضح ہدایات فرمائیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں اپنے اسوۂ حسنہ کی صورت میں مثالی نمونۂ عمل عطا فرمایا ہے، جو ہر دور میں ہر اعتبار سے قابل عمل ہے، جناب ڈاکٹر خالد علوی کے بہ قول:

> آپ ﷺ نے خاندان کو انتشار سے بچانے اور اسے استحکام بخشنے کے لئے باہمی حقوق و فرائض کا ایک سلسلہ قائم کر دیا، جس پر عمل پیرا ہو کر انفرادیت پسندی، عدم اطمینان، پریشانی اور انتشار جیسے معاشرتی امراض کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے، اسلام فرد اور جماعت کے تعلق میں جس توازن و اعتدال کا علم بردار ہے اس کا تقاضا ہے کہ خاندان کی حیثیت ایک اجتماعی اکائی کے طور پر قائم رہے، تاکہ اجتماعی تربیت کا ابتدائی مرکز وسیع تر اجتماعی شعور اور فلاح کے لئے موثر کام کرے۔ حضور اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ میں خاندان کے جملہ عناصر ترکیبی مثلاً

Marfat.com

والدین، ازواج، اولاد، اقربا اور غلاموں کے بارے میں واضح ہدایات موجود ہیں۔(۱)

والدین

والدین انسان کے نہ صرف اس دنیا میں آنے کا سبب ہیں، بل کہ اس کی اصل بنیاد اور ماخذ و مصدر سبھی کچھ ہیں، طبعی طور پر بھی انسان والدین کا بہت سی بل کہ ان گنت چیزوں اور بے شمار شعبوں میں محتاج ہے۔ عادات، اطوار، اخلاق، لب ولہجہ، زبان و بیان، قد کاٹھ، شکل وصورت، رسوم ورواج، پسند و ناپسند وغیرہ کتنے ہی امور انسان میں والدین کی جانب سے منتقل ہوتے ہیں اور انسان اپنی پوری زندگی میں ان سے فیض یاب ہوتا اور فائدے اٹھاتا ہے، اس لئے انسان پر والدین کے احسانات لامتناہی اور نہ ختم ہونے والے ہیں، اسی لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی اولاد اپنے باپ کا بدلہ نہیں چکا سکتی، سوائے اس کے کہ وہ باپ کو کسی کے پاس غلام دیکھے اور اسے خرید کر آزاد کر دے۔(۲)

قرآن حکیم نے والدین کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا ہے، جس کے مفہوم میں حسن سلوک اور ان کی اطاعت و تابع داری شامل ہے، پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ قرآن حکیم نے اللہ کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ شرک نہ کرنے کی تلقین کرنے کے فوراً بعد والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے، فرمایا:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (۳)

اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور ماں

۱۔ ڈاکٹر خالد علوی۔ انسان کامل۔ الفیصل، لاہور: ص ۵۱۵

۲۔ الترمذی: ج ۳، ص ۳۶۳، رقم ۱۹۱۳

☆ مسلم: ج ۲، ص ۴۲۳، رقم ۱۵۱۰

☆ ابن ماجہ: ج ۴، ص ۵۱۷، رقم ۳۶۵۹

۳۔ النساء: ۳۶

Marfat.com

باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

اور دوسرے مقام پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کی اس طرح تلقین فرمائی گئی:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ○ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ○ (۴)

اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو ''ہوں'' بھی نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو اور ان سے ادب سے بات کرو اور ان کے لئے اطاعت کا بازو محبت سے جھکاؤ اور کہو کہ اے میرے پروردگار تو ان دونوں پر رحمت فرما جس طرح انہوں نے بچپن میں مجھے پالا۔

حقیقت یہ ہے کہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی یہ تعلیم تمام آسمانی کتب کا حصہ ہے، چناں چہ تورات و انجیل کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ تورات میں فرمایا گیا:

تم میں سے ہر ایک اپنی ماں اور اپنے باپ سے ڈرتا رہے۔ (۵)

اور فرمایا:

اور جو کوئی اپنے باپ یا اپنی ماں پر لعنت کرے، وہ ضرور جان سے مارا جائے، اس نے اپنے باپ یا اپنی ماں پر لعنت کی ہے، سو اس کا خون اسی کی گردن پر ہوگا۔ (۶)

تو اپنے باپ اور اپنی ماں کی عزت کرنا، تا کہ تیری عمر اس ملک میں جو خداوند

۴۔ بنی اسرائیل: ۲۳، ۲۴

۵۔ احبار۔ ۱۹: ۳

۶۔ احبار۔ ۲۰: ۹

Marfat.com

تجھے دیتا ہے، دراز ہو۔ (۷)

اور انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

کیوں کہ خدا نے فرمایا ہے کہ اپنے ماں باپ کی عزت کر اور جو ماں یا باپ پر لعنت کرے، جان سے مارا جائے، پر تم کہتے ہو کہ جو کوئی اپنے باپ یا ماں کو کہے کہ جو کچھ مجھے تجھ کو دینا واجب ہے سو خدا کی نذر ہو اور اپنے ماں باپ یا ان کی عزت نہ کرے تو کچھ مضائقہ نہیں، پس تم نے اپنی روایت سے خدا کے حکم کو باطل کیا۔ (۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کے مال اور جان دونوں کو اس کے والد کی ملک قرار دیا، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا:

ان لی مالا و ولدان، وان ابی یحتاج الی مالی

میرے پاس مال و دولت بھی ہے اور میں صاحبِ اولاد بھی ہوں، میرے والد کو میرے مال کی احتیاج ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

انت و مالك لابیك (۹)

تم بھی اور تمہارا مال بھی دونوں تمہارے باپ کے ہیں۔

ایک اور روایت میں آپ نے والدین کی خدمت کو جہاد قرار دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک شخص نے آں حضرات صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا میں جہاد میں شریک ہوسکتا ہوں۔ آپ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے

۷۔ خروج۔۲۰: ۱۲

۸۔ انجیل متی

۹۔ ابن ماجہ: ج ۳، ص ۵۲، رقم ۲۲۹۲

☆ ابن حبان: ج ۲، ص ۱۴۲، رقم ۴۱۰

☆ بیہقی، ابوبکر احمد بن حسین۔ السنن الکبریٰ۔ دار الفکر، بیروت۔ ۱۹۹۶ء: ج ۷، ص ۴۸۰، ۱۵۵۲۷

Marfat.com

والدین (زندہ) ہیں۔ اس نے عرض کیا کہ ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر ان ہی میں جہاد کرو، یعنی ان کی خدمت کرو۔ (۱۰)

دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ والدین تمہاری جنت بھی ہیں (اگر ان کے ساتھ حسن سلوک کرو) اور تمہاری دوزخ بھی (اگر ان کی نافرمانی کرو)۔ (۱۱)

ایک روایت میں والدین کی خدمت کو رزق میں اضافے اور عمر کی درازی کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اس کی عمر دراز ہو اور اس کے رزق میں اضافہ ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے اور ان کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔ (۱۲)

پھر یہی نہیں، بل کہ مشرک ماں کی خدمت کو بھی لازم قرار دیا۔ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ میری ماں میرے پاس آئی۔ اس وقت وہ مشرکہ تھی، میں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ میری ماں میرے پاس آئی ہوئی ہے اور وہ مجھ سے مالی امداد کی طالب ہے۔ کیا میں اس کے ساتھ صلہ رحمی کرسکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا: ضرور، اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔ (۱۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کی خدمت کو اللہ کی رضا مندی کا باعث بھی بتایا۔ چناں چہ مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو نیک اولاد ماں باپ پر

۱۰۔ بخاری ء: ج ۴، ص ۳۴

☆ مسلم: ج ۴، ص ۱۶۳، رقم ۲۵۴۹

☆ ترمذی: ج ۳، ص ۲۵۵، رقم ۱۶۷۷

۱۱۔ ابن ماجہ: ج ۴، ص ۵۱۷، رقم ۳۶۶۱

۱۲۔ احمد۔ المسند: ج ۴، ص ۱۶۹

۱۳۔ بخاری: ج ۲، ص ۱۶۱، رقم ۲۶۲۰

☆ ابوداؤد: ج ۲، ص ۴۹، رقم ۱۶۶۸

☆ مسلم۔ ج ۲، ص ۹۰، رقم ۱۰۰۳

Marfat.com

محبت بھری ایک نظر ڈالتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کو ایک حج مقبول کا ثواب عطا فرماتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر کوئی ایک دن میں سو بار اسی طرح رحمت ومحبت کی نظر ڈالے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں: اگر کوئی سو بار ایسا کرے تب بھی۔ اللہ تعالیٰ (تمہارے تصور سے) بہت بڑا اور (تنگ دستی جیسے عیبوں سے) بالکل پاک ہے۔ (۱۴)

اور ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک صحابی کے پوچھنے پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ والدین کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ حسن سلوک کی صورت یہ ہے کہ تم ان کے لئے دعا واستغفار کرو، جو عہد وہ پورا نہ کر سکے ہوں، تم اس کو پورا کرو، ان کی وجہ سے جس کے ساتھ صلہ رحمی ہو سکتی تھی، وہ کرو اور ان کے دوستوں کا احترام کرو۔ (۱۵)

پھر چوں کہ اولاد کی پرورش میں ماں کی محنت اور مشقت زیادہ ہوتی ہے، اس سلسلے میں اسے زیادہ تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس لئے اسلام کی نگاہ میں ماں کا درجہ بھی باپ سے بڑھا ہوا ہے، ایک روایت میں ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کو حسن معاملہ کا مستحق قرار دیا، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میرے اچھے معاملے کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تیری ماں۔ اس نے عرض کیا کہ پھر کون ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تیری ماں، اس نے عرض کیا کہ پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تیری ماں، اس نے عرض کیا کہ پھر کون ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر تیرا باپ۔ (۱۶)

ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے ماں یا اس کی قائم مقام یعنی خالہ کی خدمت کو توبہ

۱۴۔ خطیب العمر تبریزی۔ مشکوۃ المصابیح۔ مطبع مجتبائی، دہلی: کتاب البر والصلۃ

۱۵: ابوداؤد: ج ۴، ص ۳۷۴، رقم ۵۱۴۲

☆ ابن ماجہ: ج ۴، ص ۵۱۸، رقم ۳۶۶۴

☆ حاکم: ج ۴، ص ۱۷۱

۱۶۔ بخاری: ج ۴، ص ۸۰، رقم ۵۹۷۱

☆ ابن ماجہ: ج ۴، ص ۵۱۶، رقم ۳۶۵۸

Marfat.com

کی قبولیت کا سبب بتایا، چناں چہ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے بعض بڑے گناہ کئے ہیں، کیا ان کی توبہ ہوسکتی ہے؟ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: کیا تمہاری ماں زندہ ہے؟ اس نے عرض کیا کہ نہیں، پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ کوئی خالہ ہے؟ اس نے کہا ہاں: آپ نے فرمایا کہ بس، اس کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ (یہی ان بڑے گناہوں کی توبہ ہے)۔ (۱۷)

اس کے برعکس والدین کی نافرمانی کرنے والے اور ان کی خدمت نہ کرنے والے شخص کو بدقسمت ترین شخص قرار دیا گیا، حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص رسوا ہوا، بے عزت ہوا۔ لوگوں نے دریافت کیا: کون یا رسول اللہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ جس نے اپنے ماں باپ، دونوں کو یا کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور (ان کی خدمت کر کے) بہشت میں داخل ہونے کا موقع حاصل نہ کیا۔ (۱۸)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین بہت پہلے وفات پا گئے تھے، آپ کے والد حضرت عبداللہ صحیح قول کے مطابق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے دو ماہ پہلے انتقال کر گئے تھے، جب کہ اس وقت خود ان کی عمر ۱۸ سال تھی۔ (۱۹) جب کہ آپ ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ کے انتقال کے وقت آپ کی عمر مبارک صرف ۶ برس تھی، اس لئے آپ ﷺ کو ان کی خدمت کا موقع بھی نہ مل سکا۔ (۲۰) لیکن آپ ﷺ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ جن کا ہوازن کے معزز و معروف قبیلے بنوسعد سے تعلق تھا، اور جن کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیا تھا، وہ کافی عرصے حیات رہیں، انھوں نے جس شفقت و محبت سے آپ کی پرورش کی، اس کا صلہ آخرت میں تو ملے گا ہی، دنیا میں بھی ان کے وہم و گمان

۱۷۔ ترمذی: ج ۳، ص ۳۶۲، رقم ۱۹۱۱

☆ حاکم: ج ۴، ص ۱۷۱، ۱۸۔ مسلم: ج ۴، ص ۱۶۵، رقم ۲۵۵۱

۱۹۔ تفصیل و دیگر اقوال کے لئے دیکھئے: زرقانی: ج ۱، ص ۱۰۹

☆ انسان العیون (سیرت حلبیہ): ج ۱، ص ۸۴

۲۰۔ ابن سعد۔ الطبقات: ج ۱، ص ۵۵۔

☆ عیون الاثر: ج ۱، ص ۹۹

Marfat.com

سے بڑھ کر ملا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو عہد رسالت تک زندہ رکھا اور اسلام سے مشرف فرمایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کو ماں کے برابر سمجھتے تھے اور ان سے بے حد محبت فرماتے تھے۔ ایک دفعہ وہ آپ سے ملنے آئیں تو آپ ﷺ میری ماں، میری ماں کہہ کر ان سے لپٹ گئے۔ اسی طرح آپ کو اپنے رضاعی بھائی اور بہنوں سے بھی بڑی محبت تھی، خصوصاً حذیفہ سے، جو شیماء کے لقب سے مشہور ہیں، یہ بڑی تھیں اور حضور کی خدمت کیا کرتی تھیں، غزوہ حنین کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی تھیں تو آپ نے ان کے بیٹھنے کے لئے اپنی چادر مبارک بچھا دی تھی۔ (۲۱)

اسی طرح حضرت ابوطفیلؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ (ایک جگہ کا نام) میں گوشت تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک عورت آئی اور آپ ﷺ کے بہت قریب پہنچ گئی۔ آپ ﷺ نے اس کے لئے اپنی چادر بچھا دی اور وہ اس پر بیٹھ گئیں۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ آں حضرت کی رضاعی ماں ہیں۔ (۲۲)

ابوداؤد کی مراسیل کی ایک روایت میں ذکر ملتا ہے کہ عمر بن سائب روایت کرتے ہیں کہ ایک بار آں حضرت ﷺ تشریف فرما تھے کہ آپ کے رضاعی والد تشریف لائے، آپ ﷺ نے ان کے لئے اپنے کپڑے کا کچھ حصہ بچھا دیا، جس پر وہ بیٹھ گئے، پھر آپ کی رضاعی والدہ تشریف لائیں، آپ ﷺ نے اس کپڑے کا مزید حصہ ان کے لئے دراز فرما دیا، وہ بھی اس پر تشریف فرما ہوگئیں، پھر آپ ﷺ کے رضاعی بھائی تشریف لائے تو آپ کھڑے ہوگئے اور انہیں اپنے سامنے بٹھا دیا۔ (۲۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اہل قرابت خصوصاً والدین کے بارے میں اس قدر احترام کے جذبات رکھتے تھے کہ ابولہب کی باندی ثویبہ نے آپ ﷺ کو صرف ایک دو روز دودھ پلایا تھا، مگر آپ ﷺ ان کا بھی بہت احترام فرماتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ سے نکاح

۲۱۔ ابن ہشام: ج۱، ص ۱۸۵

☆ عیون الاثر: ج۱، ص ۹۳

۲۲۔ ابوداؤد: ج۴، ص ۳۷۴، رقم ۵۱۴۴

۲۳۔ ابن اکثیر۔ البدایۃ والنہایہ۔ بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۱ء: ج۴، ص ۳۹۳

Marfat.com

کے بعد ثویبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں، ہجرت کے بعد بھی آپ ﷺ کبھی کبھی مدینہ منورہ سے ان کے لئے تحفہ بھیجتے، مکہ فتح ہونے پر آپ ﷺ نے ثویبہ اور ان کے بیٹے مسروح کے بارے میں دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ دونوں کا انتقال ہو چکا ہے، پھر فرمایا کہ اس کے عزیزوں میں سے کوئی زندہ ہے تا کہ اس کے ساتھ کچھ حسن سلوک اور احسان فرمائیں تو معلوم ہوا کہ اس کے رشتے داروں میں سے بھی کوئی زندہ نہیں ہے۔ (۲۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے اس دلی احترام کا پتا چلتا ہے جو آپ ﷺ کے دل میں اپنے رضاعی رشتے داروں کے لئے تھا، اور آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہماری اس بارے میں راہ نمائی کرتا ہے کہ اپنے والدین اور قریبی عزیزوں کے ساتھ ہمارا رویہ، انداز اور برتاؤ کس قدر قربت، محبت اور احترام پر مبنی ہونا چاہیے۔

آج ہمارے گھروں میں اس حوالے سے جو صورت حال پیدا ہوتی جا رہی ہے، اس کے لئے ان سطور میں ہدایت و راہ نمائی کا بہت سامان موجود ہے، ہم بعض اوقات لا پرواہی میں، کبھی نادانستگی میں اور کبھی جانتے بوجھتے ایسی باتیں کر جاتے ہیں جو احترام والدین کے منافی ہیں۔ بعض اوقات ہمارے رویے ان تعلیمات کے شایان شان نہیں ہوتے، یہ سب باتیں ہمارے لئے لمحۂ فکریہ ہیں۔ ہم سب کو اس حوالے سے اپنی زندگیوں کا جائزہ لینا چاہیے۔

بہ حیثیت شوہر

عفت و عصمت ان چیزوں میں سے ہے جن کی حفاظت اسلام کے بنیادی مقاصد میں سے ہے، عفت و عصمت کا جذبہ فطرت انسانی میں ودیعت کیا گیا ہے، مرورِ زمانہ سے اس میں اگر تغیر آیا بھی ہے تو اس کے اسباب خارجی نوعیت کے ہیں، اور ان سے صرف یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ انسانی فطرت جہاں پر ان کے اثرات قبول کر کے مسخ ہو جاتی ہے، وہاں اس قسم کے حادثات جنم لیتے ہیں، عفت و عصمت کی حفاظت کے لئے اسلام نے

۲۴۔ طبقات: ج ا، ص ۱۵۱

☆ الروض الانف: ج ا، ص ۱۸۶

Marfat.com

نکاح کا پورا قانون وضع کیا اور اس پر چلنے کی ترغیب دی ہے۔ سورۂ نور میں فرمایا:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ (۲۵)

اور تم میں سے جو مجرد ہوں ان کا نکاح کر دیا کرو۔ اور تمہارے غلام اور باندیاں جو نیک ہوں ان کے بھی (نکاح کر دیا کرو)۔

تعلیمات اسلام اعتدال کا دوسرا نام ہے، اسلام انسانوں کو نہ تو فرشتہ بننے پر مجبور کرتا ہے اور نہ وہ ان کا شیطان بننا گوارا کرتا ہے، بل کہ وہ چاہتا ہے کہ انسان اپنے دائرے میں رہ کر زندگی گزارے اور یہی اس کا کمال ہے، وہ کھانا پینا بھی نہ چھوڑے اور روزے بھی رکھے، اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کرے اور راحت و آرام بھی، شادی کر کے جنسی میلان بھی پورا کرے، مگر عفت و عصمت کی حفاظت کے وقت فرشتہ بھی بن جائے، گویا وہ ایک ایسا انسان ہو جس کے اندر ملکوتی صفات بھی ہوں اور انسانی اوصاف بھی، یہ بات انسانی مجد و شرف کے خلاف ہے کہ وہ اپنے دامن عفت کو آلودہ ہوتے ہوئے دیکھ کر برداشت کرے، جنسی میلان کی تکمیل اگر انسان کا پیدائشی حق ہے تو اس کے ساتھ ناجائز طریقوں سے اجتناب اس کا دینی اور اخلاقی فریضہ ہے۔ (۲۶)

اسی بنا پر نکاح کی ترغیب دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباء ة فلیتزوج، فانه اغض للبصر، و احصن للفرج (۲۷)

اے نوجوانو! تم میں سے جو طاقت رکھتا ہے اسے چاہئے کہ وہ شادی کر لے، اس لئے کہ یہ نگاہ کو پست رکھتی ہے اور شرم گاہ کی محافظ ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حوالے سے جن بنیادی باتوں کی تلقین کی، ان

۲۵۔ النور: ۳۲

۲۶۔ اسلام کا نظامِ امن: ص ۳۴۷

۲۷۔ بخاری: ج ۳، ص ۳۶۳، رقم ۵۰۶۶

☆ ابن حبان: ج ۹، ص ۳۳۵، رقم ۴۰۲۶

☆ الدارمی: ج ۴، ص ۱۷۷، رقم ۲۱۶۵

Marfat.com

میں یہ بات سرفہرست تھی کہ انسان اس میدان میں بھی اعتدال کو سامنے رکھے اور اس کا طرز عمل افراط وتفریط دونوں سے بالکل پاک ہو، چناں چہ ایک دفعہ تین صحابہ کرامؓ کا شانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئے اور آپ کی عبادت کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہیں، پھر ان میں سے ایک نے کہا کہ میں پوری رات شب بیداری میں گزارا کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزے سے رہوں گا، تیسرے نے کہا کہ میں کبھی عورت کے پاس نہیں جاؤں گا، اس گفت گو کی اطلاع جب آں حضرت ﷺ کو ہوئی تو آپ نے ان سے فرمایا کہ تم لوگوں نے یہ کیا بات طے کی ہے، خدا کی قسم میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتا ہوں، اور اس کا اطاعت گزار بھی ہوں، لیکن کیا تم نہیں جانتے کہ میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور رات میں سوتا بھی ہوں، نکاح بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے تعلق بھی رکھتا ہوں، لہذا سن لو کہ نکاح میری سنت ہے، جو شخص میرے اس طریقے سے اعراض کرے گا، وہ مجھ سے نہیں ہے۔ (٢٨)

نکاح ایک کثیر المقاصد فریضہ ہے، جس پر خاندان کی عمارت استوار ہوتی ہے، دو افراد (مرد وعورت) سے مل کر بننے والا چھوٹا سا اجتماعی دائرہ انسان کی معاشرتی حیات کا پہلا قدم ہے۔ نکاح کی حیثیت باہم مکمل رضا مندی سے ہونے والے اس کھلے معاہدے کی سی ہے جسے پورے اعتماد کے ساتھ علانیہ طور پر کیا جاتا ہے۔ نکاح کے بغیر مرد وزن کا تعلق بدترین معصیت اور ایک ایسا جرم ہے جس کی سخت ترین سزا مقرر ہے۔ معاہدۂ نکاح کے ذریعے دونوں اپنے اوپر بھاری ذمے داریاں عائد کرلیتے ہیں اور ہمیشہ کے لئے ان کے پابند ہو جاتے ہیں، اس رشتے کی وجہ سے جو ایک چھوٹی سی وحدت بنتی ہے، مرد اس کا نگراں ہوتا ہے، اور اس حیثیت سے اپنے اہل وعیال کی دنیوی ضرورتوں اور اُخروی فلاح دونوں کا خیال رکھنا اس کے فرائض منصبی کا حصہ ہے جس کے لئے وہ جواب دہ ہے، اور بیوی اس کے زیر ہدایت گھر کا نظم ونسق چلاتی ہے اور اس حیثیت سے اس کی ذمے داری یہ ہے کہ وہ نہ صرف گھر کے اندرونی نظم ونسق کو سنبھالے بل کہ شوہر کی حقیقی رفاقت کرے اور اپنی عفت کو پوری طرح محفوظ رکھے۔ (٢٩)

٢٨۔ بخاری: ج ٣، ص ٣٦٢، رقم ٥٠٦٣

Marfat.com

چوں کہ انسانی زندگی کا سب سے پہلا دائرہ اس کی گھریلو زندگی ہے اور اس کا زیادہ تر وقت اپنے اہل وعیال میں گزرتا ہے، اسی لئے ہر شخص اپنے اہل وعیال سے گہری محبت بھی رکھتا ہے اور ان کے ساتھ ایثار وقربانی کا سلوک بھی کرتا ہے۔ آدمی چوں کہ اہلِ خانہ کے ساتھ اپنا زیادہ وقت گزارتا ہے۔ اس لئے وہ غیروں کے سامنے تو اپنی وضع اور بھرم برقرار رکھ سکتا ہے مگر اپنے اہلِ خانہ اور خدمت گاروں کے سامنے یہ وضع اور بھرم قائم رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ کیوں کہ وہ ان سے اپنی بدمزاجی، درشت خوئی، غصہ اور ایسے ہی دوسرے عیوب کو چھپا نہیں سکتا۔ مگر آں حضرت ﷺ کی حیات طیبہ، اسوۂ حسنہ اور عادات واخلاق کا ایک سب سے امتیازی پہلو یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی خانگی زندگی میں ان چیزوں کا شائبہ تک نہیں ملتا۔ (۳۰)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہ حیثیت شوہر بھی ہمارے لئے مثالی اسوۂ حسنہ رکھتے ہیں، جس سے روشنی حاصل کر کے ہم اپنے گھروں کو روشن تر کر سکتے ہیں۔ قرآن کریم میں شوہروں کو حکم دیا گیا:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (۳۱)

اور ان کے ساتھ اچھی طرح زندگی بسر کرو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اس کی عملی تصویر تھی، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خیر کم خیر کم لا هلی، وانا خیر کم لاھلی (۳۲)

تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے بہتر ہے، اور میں اپنے گھر والوں کے لئے تم سے بہتر ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آپ ﷺ نے عورتوں سے حسنِ سلوک

۲۹۔ پروفیسر خورشید احمد۔ اسلامی نظریہ حیات۔ شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ، کراچی یونیورسٹی، کراچی، ۱۹۹۳: ص ۴۱۷

۳۰۔ ہادی اعظم ﷺ: ج۱، ص ۵۲۰۔

۳۱۔ النساء: ۱۹

Marfat.com

کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ ایمان کے اعتبار سے مومنوں میں سب سے کامل وہ لوگ ہیں جو ان میں سے زیادہ حسن خلق والے ہیں اور تم میں سے بہتر وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے لئے اخلاق کے لحاظ سے بہتر ہیں۔ (۳۳)

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ عورتوں کے ساتھ اچھے سلوک، پرہیز گاری اور صلح جوئی کی زندگی بسر کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیوی کا شوہر پر کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے پوری وضاحت کے ساتھ فرمایا:

ان یطعمها اذا طعم وان یکسوها اذا اکتسی ولا یضرب الوجه ولا یقبح ولا یهجر الا فی البیت (۳۴)

جب خود کھائے تو اس کو کھلائے، جب خود پہنے تو اس کو پہنائے۔ نہ اس کے منہ پر تھپڑ مارے، نہ اس کو برا بھلا کہے اور اگر اس سے علیحدگی اختیار کرنی پڑے تو یہ گھر کے اندر ہی ہو، یعنی خفا ہوکر گھر نہ چھوڑ دے۔

عورتوں کے مزاج میں حساسیت، عجلت، ضد اور ان سے ملتی جلتی صفات کا تناسب زیادہ ہوتا ہے۔ یہ باتیں ان کی فطری ساخت اور مزاج کا حصہ ہیں، جن سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں، نہ انہیں تبدیل کیا جاسکتا ہے، عورتوں کے مزاج کی اسی خصوصیت کے ساتھ ہی گزر اوقات کرنا چاہیے۔ لیکن بعض اوقات مرد حضرات خواتین کی ان نفسیاتی کیفیتوں کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کی ضد کے مقابلے میں سختی سے کام لے کر ان کی ضد اور ٹیڑھے پن کو نکال دیں۔ ایسے مردوں کو آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نہایت عمدہ تشبیہ کے ذریعے نصیحت فرمائی۔ آپ نے فرمایا:

۳۲۔ ترمذی: ج ۵، ص ۶۷۵، رقم ۳۹۲۱

☆ ابن ماجہ: ج ۲، ص ۶۲۹، رقم ۱۹۷۷

☆ مستدرک: ج ۳، ص ۳۵۲، رقم ۵۳۵۹، ۳۲

۳۳۔ ترمذی: ج ۲، ص ۳۸۷، رقم ۱۱۶۵

۳۴۔ ابن ماجہ: ج ۲، ص ۵۹۰، رقم ۱۸۵۰

Marfat.com

المرأہ کالضلع،ان اقمتھا کسرتھا،و ان استمتعت بھا استمتعت بھا وفیھا عوج (۳۵)

عورت ٹیڑھی پسلی کی طرح ہے۔ اگر تم اس کو سیدھا کرنے کی فکر کرو گے تو اس کو توڑ ڈالو گے۔ اور اگر تم اس کے ٹیڑھے پن کے ساتھ کام لے لو گے تو کامیاب ہو جاؤ گے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے ایک روایت میں مردوں کو بیویوں کے معاملے میں خوش، قانع اور راضی رہنے کا ایک نہایت عمدہ نسخہ بتایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

کوئی ایمان والا شوہر اپنی مومن بیوی سے نفرت نہ کرے۔ اگر اس کی کوئی عادت ناپسندیدہ ہوگی تو اس کی کوئی دوسری عادت پسندیدہ بھی ہوگی۔ (۳۶)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری طرف خواتین کو بھی مردوں کی اطاعت و فرماں برداری کرنے اور انہیں خیر و فلاح کے راستے پر گامزن رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے عورت کو شوہر کی مکمل اطاعت کرنے کا حکم دیا اور یہاں تک فرمایا کہ اگر میں اللہ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ (۳۷)

ام سلمہؓ سے منقول ہے، وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس عورت کا اس حالت میں انتقال ہوا کہ اس کا شوہر اس سے راضی تھا، تو وہ جنت میں داخل

۳۵۔ بخاری: ج ۳،ص ۳۹۲، رقم ۵۱۸۵

☆ مسلم: ج ۲،ص ۳۸۱، رقم ۱۴۶۸

☆ بیہقی: ج ۱۱،ص ۱۳۵

☆ حاکم: ج ۴،ص ۱۹۲

۳۶۔ مسلم: ج ۲،ص ۳۸۱، رقم ۱۴۶۸

۳۷۔ ترمذی: ج ۲،ص ۳۸۶، رقم ۱۱۶۲

☆ مستدرک: ج ۴،ص ۱۹۰

☆ بیہقی: ج ۱۱،ص ۱۲۹

Marfat.com

ہوگی۔ (۳۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت پر سب سے زیادہ حق اس کے شوہر کا ہے اور مرد پر سب سے زیادہ حق اس کی ماں کا ہے۔ (۳۹)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تقوے کے بعد صالح عورت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں کہ شوہر اس کو جو کہے، وہ مانے اور شوہر جب اس کی طرف دیکھے تو وہ اس کو خوش کر دے اور اگر شوہر اس کو قسم دے کر کچھ کہے تو وہ اس کی قسم پوری کر دے اور شوہر گھر پر نہ ہو تو اپنے آپ کی اور اس کے مال کی پوری حفاظت کرے۔ (۴۰)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ہمارے لئے اس حوالے سے بھی مثالی نمونے کی حیثیت رکھتی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک بڑی ازدواجی زندگی گزاری، آپ نے مختلف مصلحتوں کے پیش نظر کئی شادیاں کیں، اور ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ نو ازواج بھی آپ ﷺ کے عقد میں رہیں، یہ ایک بڑی تعداد ہے، اور عام ماحول کو دیکھا جائے تو آپ کی یہ زندگی بہ جائے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال انسانیت اور نبوت کی دلیل ہے، آپ ﷺ نے نہ صرف بہترین خانگی زندگی کے لئے مکمل و جامع ہدایات عطا فرمائیں، بل کہ اس اعلیٰ ترین معیار کے مطابق اپنا اسوۂ حسنہ بھی پوری دنیا کے سامنے پیش فرما دیا۔ آپ ﷺ کا پہلا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ نکاح کے وقت ان کی عمر چالیس برس اور آپ ﷺ کی عمر ۲۵ سال تھی، حضرت خدیجہ نے ۶۵ برس کی عمر میں وفات پائی، اس طرح وہ پچیس سال تک آپ ﷺ کے ساتھ رہیں، ایک جانب عمروں کا یہ تفاوت، پھر اتنی طویل رفاقت، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا وہ دور بھی ایسا کہ قدم قدم پر آزمائشیں، مشکلات اور طرح طرح کے مصائب، مگر یہ سارا زمانہ حسن معاشرت کا بہترین نمونہ ہے، اس دوران ذرا دیر کے لئے بھی کوئی ایسی بات پیش نہیں آئی، جس سے

۳۸۔ ابن ماجہ ج ۲، ص ۵۹۲، رقم ۱۸۵۴

۳۹۔ کنز العمال: رقم ۴۴۷۷۱

۴۰۔ مستدرک: ج ۲، ص ۱۷۵

Marfat.com

کسی قسم کی رنجش یا کدورت کا اشارہ مل سکتا، آخر ایک مثالی معاشرت کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوگی؟ پھر حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد بھی آپ ﷺ نے ان سے تعلق منقطع نہیں کیا، بل کہ اس کے بعد بھی آپ ﷺ حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں اور ملنے جلنے والی خواتین کے ہاں ہدایا اور تحائف وغیرہ بھجواتے رہے۔ (۴۱)

آپ ﷺ کے حسن معاشرت کی ایک اہم مثال یہ ہے کہ نو ازواج مطہرات کے ساتھ آپ کا برتاؤ مکمل طور پر یک ساں تھا، آپ خود فرماتے تھے:

اللّٰهم هذا فعلي فيما املك فلا تلمني فيما تملك و لا املك (۴۲)

اے اللہ! یہ میرا کام ہے اس امر میں جس کا میں مالک ہوں، اور جس امر کا تو مالک ہے اور مجھے اُس بارے میں کچھ قدرت نہیں، تو اس میں مجھے ملامت نہ کر۔

جب کہ کاشانہ نبوی ﷺ کی جو مالی کیفیت تھی وہ کسی سے مخفی نہیں، کئی کئی روز چولھا تک نہیں جلتا تھا اور کھجور وغیرہ پر گزارا ہوتا تھا، ایسے حالات میں عین ممکن تھا کہ کوئی بات خلاف مزاج پیش آجاتی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن تدبر، مساوات پر مبنی برتاؤ اور کریمانہ طرز عمل نے ان حالات کو بھی تمام ازواج مطہرات کے لئے مسرت بخش بنا دیا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کی خوبی یہ تھی کہ آپ ﷺ کسی بات میں ازواج میں سے کسی کی حق تلفی یا کسی کے ساتھ بے انصافی نہیں ہونے دیتے تھے اور ان کے ساتھ نہایت عمدہ اور بہتر سے بہتر سلوک کرتے تھے۔ چناں چہ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ

۴۱۔ مستدرک: ج ۴، ص ۱۹۳

۴۲۔ نسائی، احمد بن شعیب ابوعبد الرحمن (م ۳۰۳ھ)۔ السنن الکبریٰ۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۱ء: ج ۵، ص ۲۸۱، رقم ۸۸۹۱

☆ ابن ماجہ: ج ۲، ص ۶۲۷، رقم ۱۹۷۱

☆ ابن ابی شیبہ، ابوعبد اللہ محمد (م ۲۳۵ھ)۔ المصنف۔ مکتبہ الرشد، ریاض، ۱۴۰۹: ج ۴، ص ۳۷، رقم ۱۷۵۴۱

Marfat.com

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں کسی قسم کی بیہودگی اور لغویت نہیں تھی، نہ آپ کبھی چلاتے تھے اور نہ کبھی برائی کے بدلے میں برائی سے پیش آتے تھے، بل کہ آپ ﷺ درگزر سے کام لیتے تھے۔ (۴۳)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ باری کی اتنی پابندی فرماتے کہ کبھی ہم میں سے کسی کو کسی پر ترجیح نہ دیتے اور ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا کہ آپ ﷺ سب ازواجِ مطہرات کے یہاں تشریف نہ لے گئے ہوں۔ آپ ﷺ روزانہ عصر کی نماز کے بعد ازواج کے گھروں میں تشریف لے جاتے، ان کے پاس بیٹھتے، ان کے حالات معلوم کرتے۔ جب رات ہو جاتی تو وہاں تشریف لے جاتے جہاں باری ہوتی اور وہیں شب بسر فرماتے۔ (۴۴)

بعض روایتوں میں ہے کہ جن کی باری ہوتی تھی ان ہی کے گھر پر تمام ازواج مطہرات آجاتی تھیں اور دیر تک صحبت رہتی تھی۔ کچھ رات گئے سب رخصت ہو جاتی تھیں۔ (۴۵)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ جب کسی سفر پر روانگی کا ارادہ فرماتے تو ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ ڈالتے اور جس کا نام قرعے میں نکلتا، انہیں ساتھ لے جاتے۔ کئی بار یہ قرعہ حضرت عائشہ یا حضرت حفصہ کے نام نکلا۔ حال آں کہ ازروئے شریعت آپ ﷺ اس کے پابند نہ تھے، لیکن ازواج مطہرات کی رعایت فرماتے ہوئے آپ قرعہ اندازی فرماتے۔ (۴۶)

اسلام نے اس دور جاہلیت میں جب کہ عورت ہر اعتبار سے پستیوں اور ذلتوں کا شکار تھی اسے بھرپور، مکمل اور مثالی حقوق عطا کیے، آپ ﷺ نے خواتین کو معاشی تحفظ بھی فراہم کیا، چناں چہ قرآن حکیم میں عورتوں کے مہر کے بارے میں حکم ہوا:

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا

۴۳۔ ترمذی: ج ۳، ص ۴۰۹، رقم ۲۰۲۳

☆ احمد: ج ۷، ص ۲۵۰

۴۴۔ سیرت النبی: ج ۲، ص ۲۶۰۔ ۲۶۱

۴۵۔ مسلم: ج ۲، ص ۳۷۷، رقم ۱۴۶۲

۴۶۔ بخاری: ج ۳، ص ۴۰۰، رقم ۵۲۱۱

Marfat.com

فَكُلُوهُ هَنِيْئًا مَّرِيْئًا٥ (۴۷)

اور عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دے دیا کرو، پھر اگر وہ (خود) اپنی خوشی سے اس (مہر) میں سے تمہارے لئے کچھ چھوڑ دیں تو اسے شوق سے، مزے سے کھاؤ۔

اور عورتوں کے نفقے کے بارے میں فرمایا گیا:

عَلَى الْمُوْسِعِ قَدْرُهُ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدْرُهُ (۴۸)

وسعت والے پر اس کی حیثیت کے مطابق نفقہ واجب ہے اور تنگ دست پر اس کی حیثیت کے مطابق۔

ازواج مطہرات کے مابین آپ ﷺ کی تربیت اور برکت سے اتنے عمدہ تعلقات تھے کہ عام حالات میں ان کا تصور بھی ممکن نہیں۔ واقعۂ افک میں جب چند دریدہ دہن منافقوں نے عفیفۂ کائنات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو دیگر ازواج مطہرات، خصوصاً ان ازواج کے لئے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہم سری کی دعوے دار تھیں، یہ ایک عمدہ موقع تھا، لیکن جب آں حضرت ﷺ نے اس بابت ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے ان کی رائے جاننا چاہی تو باوجود اس کے کہ ان کی بہن حمنہ بھی مخالفین کے پروپیگنڈے کا شکار ہو چکی تھیں اور وہ خود بھی کئی حوالوں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہم سری کا دعویٰ رکھتی تھیں، انہوں نے صاف صاف الفاظ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حمایت فرمائی اور یہاں تک فرمایا:

واحمی سمعی وبصری واللہ ماعلمت علیها الا خیراً (۴۹)

میں اپنے کانوں اور آنکھوں کی حفاظت کرتی ہوں، میں خدا کی قسم عائشہؓ کے متعلق سوائے خیر کے کچھ نہیں جانتی۔

آں حضرت ﷺ کی ذاتی زندگی جس طرح سادگی کی مثال تھی، وہیں آپ کے اہل

۴۷۔ النساء: ۴

۴۸۔ البقرہ: ۲۳۶

۴۹۔ بخاری: ج ۲، ص ۱۷۳، رقم ۲۶۶۱

Marfat.com

وعیال نے بھی آپ کی پیروی کا حق ادا کر دیا۔ آپ ﷺ کی ازواج میں اکثر بڑے ناز ونعم میں پلی ہوئی اور بڑے گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ کی محبت کی برکت سے ان کا میلان کبھی بھی دنیا کی عارضی نعمتوں کی طرف نہیں ہوا۔ اسے آں حضرت ﷺ کی تربیت کا اثر اور محبت کی برکت ہی قرار دیا جائے گا کہ جب عبداللہ بن زبیرؓ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں دو بوریوں میں رقم بھیجتے ہیں جو پونے دو لاکھ درہم سے زائد تھی تو اسے آپ جب تقسیم کرنے بیٹھتی ہیں تو اسے ختم کر کے ہی اٹھتی ہیں اور جب روزے کے افطار کا وقت ہوتا ہے تو سوکھی روٹی اور زیتون کے تیل کے سوا کچھ کھانے کو گھر میں موجود نہیں ہوتا۔

ہمارے ہاں آج یہ عالم ہے کہ الا ماشاء اللہ کم ہی گھروں میں باہمی تقسیم کار کی وہ نوعیت موجود ہوگی جو تعلیمات نبوی ﷺ سے معلوم ہوتی ہے، اور جس کی وضاحت اسوۂ حسنہ سے ہوتی ہے، روایت مذکورہ میں واضح طور پر موجود ہے کہ آپ ﷺ نہ صرف یہ کہ معیار سے کم کوئی بات نہیں فرماتے تھے، بل کہ کسی قسم کی کم زور بات کو بھی برداشت نہیں کرتے تھے، اور آپ یہ کوشش فرماتے تھے کہ گھریلو معاملات کو انسانی فطرت ومزاج کے مطابق چلایا جائے، اسی لئے آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں نہ تصنع تھا نہ تکلف، آج کی ہماری مسرفانہ زندگی اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل کو حل کرنے اور مصائب ومشکلات کے بھنور سے نکلنے کے لئے بھی ضروری ہے کہ اسوۂ حسنہ کے ان واضح اور عملی پہلوؤں کا بہ غور مطالعہ کیا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی مکمل کوشش کی جائے۔

اولاد سے تعلق

خانگی زندگی کا تیسرا اہم دائرہ اولاد سے تعلق رکھتا ہے، انسانی معاشرے کا یہ وہ پہلو ہے، جس کے بغیر کوئی معاشرہ تکمیل نہیں پا سکتا، اس کی یہ اہمیت اس امر کی متقاضی ہے کہ اسے دنیاوی زندگی میں اس کی اہمیت کے مطابق بھرپور حصہ دیا جائے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے قبل کسی ایسی آواز کا پتا نہیں چلتا جو اس سلسلے میں دنیا کے کسی کونے سے بھی بلند کی گئی ہو۔ اسلام سے پہلے والدین کو تو اپنی اولاد پر لامحدود اختیارات حاصل تھے مگر

Marfat.com

اولاد کا والدین پر کسی طرح کا کوئی حق نہیں مانا جاتا تھا، یہ بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار امتیازات میں سے ایک ہے کہ آپ نے اس باب میں بھی حقوق و فرائض کا توازن و تناسب قائم کیا اور بتایا کہ چھوٹوں اور بڑوں کی حدود اور ان کے حقوق و فرائض کے پیمانے بے شک جدا جدا ہیں مگر قانون کی رو سے کوئی بھی فرائض سے بالاتر نہیں، جس طرح بڑوں کے حقوق ہیں اور چھوٹوں پر اس حوالے سے کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں، اسی طرح چھوٹوں کے بھی کچھ حقوق ہیں جن کی ادائیگی بڑوں کے فرائض میں شامل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جامع ترین قول مبارک ہے، فرمایا:

لیس منامن لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا (۵۰)

وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کا احترام نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے والدین کو اولاد کے اس دنیا میں آنے کا باعث و ذمے دار بنایا ہے، اس لئے والدین کو اس امر کا پابند کیا ہے کہ وہ اولاد کشی کے کسی طریقے کو روا نہ رکھیں۔ (۵۱) اس مسئلے کو اسلام نے اتنی اہمیت دی ہے کہ قرآن حکیم میں شرک اور والدین کی نافرمانی کی حرمت کو بیان کرنے کے بعد اس کو بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَاحَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْآ اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ (۵۲)

۵۰۔ حاکم: ج ۱، ص ۱۳۱، رقم ۲۰۹

☆ ابوداؤد: ج ۴، ص ۳۱۱، رقم ۴۹۴۳

۵۱۔ اسلام بلاضرورت عزل اور اسقاط حمل کی مختلف صورتوں کی تائید نہیں کرتا، نہ انہیں اچھا سمجھتا ہے، اور ایسا کرنے پر سخت گناہ کی وعید سناتا ہے، لیکن اس مسئلے کی حدود کیا ہیں؟ ضرورت کے تحت کون سی صورتیں داخل ہیں؟ یہ خالصتاً فنی اور فقہی مسئلہ ہے، اس کے لئے متعلقہ کتب کی طرف رجوع کیا جائے۔

۵۲۔ الانعام: ۱۵۱

Marfat.com

آپ کہہ دیجئے کہ آؤ میں تمہیں وہ چیزیں سناؤ جو تمہارے رب نے تم پر حرام کردی ہیں، وہ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور تنگ دستی کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس گناہ کو عظیم گناہوں میں شمار کیا ہے۔

ایک دفعہ ایک صحابی نے دریافت کیا: یا رسول اللہ! سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

ان تجعل الله ندا وهو خلقك

تم اللہ کے شریک ٹھہراؤ، جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔

اس صحابی نے پھر پوچھا کہ اس کے بعد؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ثم ان تقتل ولدك مخافة ان يطعم معك (۵۳)

تم اپنی اولاد کو اس خوف سے مار ڈالو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گی۔

والدین پر اولاد کا دوسرا اہم حق یہ ہے کہ وہ اس کا اچھا نام رکھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ باپ پر بچے کا یہ بھی حق ہے کہ اس کا نام اچھا رکھے اور اس کو حُسنِ ادب سے آراستہ کرے۔ (۵۴)

اور اگر نام کسی سبب سے مناسب نہ ہو تو اسے بدل دینا چاہئے، چناں چہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبیح ناموں کو بدل دیا کرتے تھے۔ (۵۵)

تیسرا اہم حق یہ ہے کہ اس کی جسمانی صحت اور نشو ونما کا بھرپور خیال رکھے۔ اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ شیر خوارگی کے زمانے میں ماں اپنے بچے کو دودھ پلائے اور

۵۳۔ مسلم: ج۱،ص۹۱، رقم ۱۴۱

☆ بخاری: ج۴،ص۸۷، رقم ۶۰۰۱

۵۴۔ مجمع الزوائد: ج۸،ص۹۳، رقم ۱۲۸۲۹

۵۵۔ ترمذی: ج۴،ص۳۸۲، رقم ۲۸۴۸

Marfat.com

اگر ماں نہ ہو تو باپ پر رضاعت کا انتظام کرنا اور اس کی اُجرت ادا کرنا فرض قرار دیا گیا، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ (۵۶)

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس دودھ پلائیں، یہ مدت اس کے لئے ہے جو چاہے کہ رضاعت کی مدت پوری کرے۔

جسمانی نشو ونما کے بعد قرآن کریم نے اولاد کی تربیت کی طرف بھی توجہ دلائی اور فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (۵۷)

اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔

اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد کی تعلیم اور تربیت کے فریضے کی جانب والدین کو بار بار متوجہ کیا ہے، اور انہیں اس فریضے کی ادیگی کی تلقین کی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا:

ما نحل ولد والد ولدا من نحل افضل من ادب حسن (۵۸)

کوئی والد اپنے بچے کو اس سے بہتر کوئی عطیہ نہیں دے سکتا کہ وہ اس کو اچھی تعلیم دے۔

پھر اسلام کی نظر میں مرد وعورت برابر ہیں، اسی طرح لڑکا اور لڑکی میں بھی کوئی تفریق نہیں، اور اگر کوئی ایسا تصور رکھتا ہے تو آپ ﷺ نے اس کی مکمل نفی فرما دی، چناں چہ لڑکیوں کی پرورش کی یہ کہہ کر تلقین کی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس

۵۶۔ البقرہ:۲۳۳

۵۷۔ التحریم:۶

۵۸۔ ترمذی: ج۳،ص ۳۸۳، رقم ۱۹۵۹

☆ ابوبکر احمد بن حسین البیہقی۔شعب الایمان۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبعہ اولیٰ، ۱۹۹۰: ج۲،ص ۲۵۶

Marfat.com

بندے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو لڑکیوں کی ذمے داری ڈالی گئی اور اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو یہ لڑکیاں اس کے لئے دوزخ سے بچاؤ کا سامان بن جائیں گی۔(۵۹)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ دو لڑکیوں کا بار اٹھائے اور ان کی پرورش کرے، یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں تو قیامت کے روز وہ شخص اور میں اس طرح ہوں گے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو بالکل ملا کر دکھایا۔(۶۰)

نبی رحمت، ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا اولاد سے تعلق بڑا قریبی نوعیت کا تھا، آپ کی اپنی بھی اولاد تھی، چار صاحب زادیاں تھیں، اور تین صاحب زادے (صحیح قول کے مطابق)۔ صاحب زادے اگرچہ جلد ہی وفات پا گئے، مگر ان سے تعلق کے بہت سے مظاہر اوراق سیرت میں محفوظ ہیں، پھر آپ ﷺ کے کئی نواسے و نواسیاں تھیں، جن سے آپ کی الفت و تعلق قلبی کے بہت سے واقعات ہمارے سامنے موجود ہیں۔

آپ ﷺ بچوں پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ بچوں پر آپ ﷺ کی شفقت و مہربانی کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں اور میرا خیال ہوتا ہے کہ میں لمبی نماز پڑھوں، مگر نماز کے دوران کسی بچے کے رونے کی آواز آتی ہے تو میں نماز کو چھوٹا کر دیتا ہوں، کیوں کہ مجھے یہ بات ناگوار معلوم ہوتی ہے کہ اس کی ماں پر سختی کی جائے۔(۶۱)

آپ کو اپنی نواسی اُمامہ بنتِ زینبؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے بے حد محبت تھی۔ ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ کو بوسہ دیا۔ اس وقت آپ ﷺ کے پاس اقرع بن حابس تمیمی بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے کہا کہ میرے دس لڑکے

۵۹۔ بخاری: ج۴، ص۸۶، رقم ۵۹۹۵

☆ مسلم: ج۴، ص۱۹۹، رقم ۲۶۶۹

☆ ترمذی: ج۳، ص۳۶۷، رقم ۱۹۲۲

۶۰۔ مسلم: ج۴، ص۱۹۹، رقم ۲۶۳۱

۶۱۔ بخاری: ج۱، ۱۷۱، رقم ۷۰۹

Marfat.com

ہیں، میں نے ان میں سے کسی کو کبھی نہیں چوما، آپ ﷺ نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ جو رحم نہیں کرتا، (اس پر) رحم نہیں کیا جاتا۔ (۶۲)

بچپن میں ایک بار آپ ﷺ کی نواسی حضرت امامہ رضی اللہ عنہا آپ کے کندھے پر تھیں، اسی حال میں آپ ﷺ نے نماز پڑھائی، جب آپ رکوع میں جاتے تو انہیں اتار دیتے تھے اور جب کھڑے ہوتے تو انہیں پھر سوار کر لیتے۔ (۶۳)

آں حضرت ﷺ طبعتاً رقیق القلب تھے اور کسی کو تکلیف میں دیکھ کر آپ آب دیدہ ہو جاتے تھے۔ آپ کی ایک نواسی قریب الوفات تھیں۔ آپ نے ان کو گود میں اٹھالیا، اسی حالت میں ان کی وفات ہوگئی۔ ام ایمنؓ جو آپ کی کنیز تھیں رونے لگیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے نبی کے سامنے بھی رونا شروع کر دیا۔ (اس وقت آپ کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری تھے) انہوں نے عرض کیا کہ حضور بھی تو رو رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ رونا ممنوع نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ اور فرمایا کہ مومن ہر حال میں خیر ہی میں رہتا ہے حتیٰ کہ خود اس کی روح کو نکالا جاتا ہے تب بھی وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔ (۶۴)

آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا ایک اور واقعہ ہم سب کے لئے سبق آموز ہے، اور وہ دنیاوی تعلقات اور اللہ تعالیٰ سے ربط و تعلق کی حدود کی بہت عمدہ تشریح بھی کرتا ہے، آپ ﷺ کے صاحب زادے حضرت ابراہیم بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے، جب ان کی علالت شدت اختیار کر گئی اور وقت آخر قریب آیا تو آپ ﷺ ابوسیف کے ہاں پہنچے، ان کی اہلیہ حضرت ابراہیم کی رضاعی والدہ تھیں، اور حضرت ابراہیم اس وقت جان کنی کے عالم میں تھے، یہ دیکھ کر آپ ﷺ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ رو رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تو شفقت و رحمت ہے، پھر فرمایا:

ان العين تدمع، والقلب يحزن ولا نقول الا ما يرضى ربنا، وانا

۶۲۔ بخاری: ج ۴، ص ۸۶، رقم ۵۹۹۷

۶۳۔ بخاری: ج ۴، ص ۸۶، رقم ۵۹۹۶

۶۴۔ شمائل ترمذی: رقم ۳۲۴

Marfat.com

بفراقك يا ابراهيم لمحزونون (٦٥)

آنکھ روتی ہے، دل غم گین ہے، مگر ہم وہی بات کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہو، اور اے ابراہیم ہم تمہاری جدائی پر آزردہ ہیں۔

لیکن آپ ﷺ کا اولاد اور بچوں سے یہ تعلق ایک رخ نہ تھا، آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور تعلیمات کا یہ پہلو بھی اپنے اندر جامعیت کی امتیازی شان کا حامل ہے۔ آپ ﷺ نے صرف ان سے تعلق خاطر کا اظہار ہی نہیں کیا، بل کہ ہمہ وقت ان کی تربیت بھی فرماتے رہے، اور ان کے روز و شب کی نہایت کڑی نگرانی بھی کرتے رہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آں حضور ﷺ کی محبوب ترین صاحب زادی ہیں، لیکن ان کی یہ محبت بھی انہیں دنیاوی نعمتوں کی فراہمی کے لئے مجبور نہیں کر سکی، چکی پیس پیس کر ان کے ہاتھوں میں چھالے پڑے گئے تھے اور گھر کے کام کاج تنہا کرنے کی بنا پر طرح طرح کی مشقتیں اٹھاتی تھیں، مگر ایک بار جب آپ ﷺ سے گھر کے کام کے لئے ایک لونڈی کا مطالبہ کیا تو آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ یہ فقرا و یتیموں کا حق ہے۔ (٦٦)

ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سونے کا ہار دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو فرمایا کہ اے فاطمہ! کیا تم لوگوں سے یہ کہلوانا چاہتی ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحب زادی کے ہاتھ میں آگ کی زنجیر ہے، یہ سن کر انہوں نے وہ ہار بیچ دیا۔ اس کی اطلاع جب آپ ﷺ کو ملی تو فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے، جس نے فاطمہ کو آگ سے نجات دی۔ (٦٧)

ایک بار آپ ﷺ کی کسی سفر سے واپسی کی خوشی میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دروازے پر پردہ لٹکا دیا اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو چاندی کے کنگن پہنا دیئے۔ آپ ﷺ جب تشریف لائے تو یہ رنگ دیکھ کر واپس ہو گئے۔ حضرت فاطمہؓ نے آپ ﷺ کی ناراضی ملاحظہ کر کے پردہ فوراً پھاڑ دیا اور حسنینؓ کے ہاتھوں سے کنگن اتار ڈالے، حضرات

٦٥۔ بخاری: ج ١، ص ٣١٧، رقم ١٣٠٣

٦٦۔ شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی۔ سیرت النبی ﷺ۔ دارالاشاعت، کراچی: ج ٢، ص ٢٦٣

٦٧۔ نسائی۔ السنن: کتاب الزینۃ، باب کراہیۃ النساء فی اظہار الحلی والذہب

Marfat.com

حسنین رضی اللہ عنہما روتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ میرے اہل بیت ہیں، میں نہیں چاہتا کہ میرے اہل بیت دنیاوی لذتوں سے آلودہ ہوں۔ (۶۸)

ہمارے گھروں میں خصوصیت کے ساتھ اس پہلو سے بے توجہی کی شکایت عام ہے۔ والدین خصوصاً باپ کاروبار حیات میں اس قدر غرق ہیں کہ انہیں اس پہلو پر توجہ دینے کی فرصت ہی نہیں، بعض صورتوں میں تو کئی کئی روز، بل کہ ہفتوں بچوں سے ملاقات نہیں ہوتی، والدین کی نظر میں آج اولاد کے حوالے سے صرف یہ دل چسپی قائم ہے کہ وہ کس طرح اعلیٰ تعلیمی مراتب پر جلد از جلد فائز ہوتے ہیں، اور مزید تعلیم کے لئے اور پھر ملازمت یا کاروبار کے لئے بیرون ملک کس قدر جلد جانے میں کام یاب ہوتے ہیں، کچھ عرصے قبل تک والدین کم از کم حقیقی تعلیمی قابلیت کے تو خواہاں ہوتے تھے، اب وہ عنصر بھی ختم ہو چکا ہے، اب ان کی دل چسپی محض اچھے نمبروں کے حصول میں ہے، اور اس کے لئے سفارش اور رشوت سے لے کر دباؤ اور جبر کی ہر صورت کو روا سمجھا جا رہا ہے، نتیجہ یہ ہے کہ تعلیمی نظام بھی تباہ ہو رہا ہے، اور طلبہ بھی تعلیمی حوالے سے کسی امتیاز کے حامل نظر نہیں آتے، یہ سب تعلیمات نبوی سے لاعلمی اور اسوہ حسنہ سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے، اور اس سلسلے میں ہمارے طرزِ عمل کے جو نقصانات سامنے آ رہے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، مگر اس سلسلے میں ہم خود بھی اپنے فرائض ادا نہ کر کے سخت گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں، یہ بات بالکل واضح ہے کہ اولاد کی جسمانی نشو و نما کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیم اور تربیت بھی والدین کے اولین فرائض میں شامل ہے اور اس میں صرف دنیاوی تعلیم شامل نہیں، بل کہ تعلیم و تربیت کا وہ حصہ بھی ضروری اور اہم ہے جو ہمیں اخروی کام یابی سے ہم کنار کر سکے۔

اہل قرابت سے روابط

انسان کی گھریلو زندگی میں اولاد کے بعد اہل قرابت کا درجہ ہے، اہل قرابت کی حدود بہت وسیع ہیں، اس میں وہ تمام اعزا شامل ہیں جو کسی بھی رشتے کی رو سے قرابت رکھتے

۶۸۔ نسائی: کتاب الزینۃ، باب کراھیۃ النساء فی اظھار الحلی والذھب

Marfat.com

ہوں، پھر ان میں سے جو جس قدر قریب ہوگا، اسی قدر ہمارے حسنِ سلوک کا مستحق ہوگا، اسلام تمام اہل قرابت کو ایک دوسرے کا دلی خیر خواہ، ہم درد، مددگار اور غم گسار دیکھنا چاہتا ہے، اسی لئے قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر رشتے داروں سے حسنِ سلوک کا حکم دیا گیا ہے، اور احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں صلہ رحمی کی بار بار تاکید فرمائی گئی ہے، لیکن اس میں یہ فرق بھی شریعت محمدیہ نے ملحوظ رکھا ہے کہ یہ تعاون صرف نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ہوگا، وہ تمام امور جن کی بنیاد معصیت پر ہو یا جو کسی بھی نوع کی خالق کی نافرمانی یا مخلوق کی حق تلفی پر مبنی ہوں، وہ صلہ رحمی کے دائرے میں نہیں آتے۔

اسلام نے خون کے رشتوں کو تقدس عطا کرنے، ان کا احترام قائم رکھنے اور ان کی بنیاد پر صحت مند معاشرے کی تشکیل کے لئے بہت سے اقدامات کئے ہیں۔ اہل قرابت کے ساتھ حسنِ سلوک اللہ تعالیٰ کے ان خاص احکام میں سے ہے، جن کا انسان سے عہد لیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیثَاقَ بَنِیٓ اِسْرَآئِیلَ لاَ تَعْبُدُونَ اِلاَّ اللّٰہَ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَذِی الْقُرْبیٰ وَالْیَتٰمیٰ وَالْمَسَاکِیْنِ (۶۹)

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین، رشتے داروں اور یتیموں اور مساکین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق پیدا کی اور اس عمل سے فارغ ہوگیا تو رحم نے عرض کیا کہ یہ اس کا مقام ہے، جو قطع رحمی سے تیری پناہ مانگتا ہے، اللہ نے فرمایا کہ ہاں، کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ میں اس سے جوڑوں جو تم سے اپنے آپ کو جوڑے اور اس سے توڑلوں جو تم سے اپنے آپ کو توڑے، رحم نے کہا کیوں نہیں اے رب، اللہ نے فرمایا کہ پس یہ مقام تمہارے

۶۸۔ نسائی: کتاب الزینۃ، باب کراھیۃ النساء فی اظھار الحلی والذھب

۶۹۔ البقرہ: ۸۳

Marfat.com

لئے ہے۔(۷۰)

ایک دفعہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کوئی ایسی بات بتائیے جو مجھے جنت میں لے جائے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو، کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ، نماز پوری ادا کرو، زکوٰۃ دو اور قرابت داروں کا حق ادا کرو۔(۷۱)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کو یہ پسند ہو کہ اس کی روزی میں وسعت اور اس کی عمر میں برکت ہو تو اس کو چاہئے کہ صلہ رحمی کرے۔(۷۲)

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی گناہ ایسا نہیں کہ خدا تعالیٰ اس کے مرتکب کو بہت جلد دنیا ہی میں اس کا بدلہ یا عذاب دے اور آخرت میں بھی اس کے عذاب کو جمع رکھے، مگر دو گناہ ہیں: امام وقت کے خلاف بغاوت اور قطع رحمی (۷۳)

عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی احسان جتانے والا، قطع تعلق کرنے والا اور شراب کشید کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔(۷۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح زندگی کے دوسرے معاملات میں حقوق و فرائض کے توازن و تناسب کو اہتمام کے ساتھ قائم کرنے کی تاکید فرماتے تھے، اور پھر خود عملی طور پر اس پر عمل پیرا ہو کر دکھاتے تھے، آپ کی یہی شانِ جامعیت اس معاملے میں بھی نمایاں ہے، آپ ﷺ کا اپنا طرز عمل اس باب میں یہ تھا کہ آپ نے آغاز کار ہی سے لوگوں کو صلح جوئی اور صلہ رحمی کی تاکید کی، اور یہ ایک تاریخی حقیقت اور امر واقعی ہے کہ آپ ﷺ کی کاوشوں کے نتیجے میں دنیائے عرب کا وہ حصہ جو آپ سے قبل طرح طرح کے اختلافات، فسادات، لڑائیوں اور خون ریزیوں کی آماج گاہ بنا ہوا تھا، متحد و متفق امتِ

۷۰۔ بخاری: ج ۴، ص ۸۴، رقم ۵۹۸۷

۷۱۔ بخاری: ج ۴، ص ۸۳، رقم ۵۹۸۳

۷۲۔ بخاری: ج ۴، ص ۸۴، رقم ۵۹۸۵

۷۳۔ ابو داؤد: ج ۴، ص ۲۹۸، رقم ۴۹۰۲

۷۴۔ نسائی: کتاب الاشربۃ، باب توبہ شارب الخمر

Marfat.com

واحد میں تبدیل ہو گیا، اس مقصد کے لئے آپ ﷺ نے گروہی تعصبات کا خاتمہ کیا، قبائلی منافرتوں کو ختم کیا اور خاندانی اختلافات کو دور کیا، یہ سب باتیں اہل قرابت میں بھائی چارے کے فروغ اور مستحکم تعلقات کے احیا میں معاون ثابت ہوئیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اعزا واقربا کے ساتھ بھی خاص حسن سلوک پر مبنی طرزِ عمل اختیار کیا، آپ ﷺ نے آغاز دعوت ہی میں اپنے رشتے داروں کو دعوت اسلام دی، انہیں نام بہ نام پکار کر ان تک اسلام کا پیغام پہنچایا، پھر جب کلمۂ حق بلند کرنے کے سبب آپ ﷺ پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے اور طرح طرح کی مشکلات سے آپ ﷺ کے لئے راہ زیست تنگ کی گئی، تب بھی آپ نے جوابی کارروائی کے طور پر کوئی ایسا اقدام نہ کیا، جس سے مشرکین مکہ کو کوئی نقصان اٹھانا پڑتا، جن میں آپ ﷺ کے قریبی عزیز بھی شامل تھے اور جو خود آپ کی مخالفت میں پیش پیش تھے، پھر جب یمن کے سردار ثمامہ نے ایمان لانے کے بعد اہل مکہ کو غلے کی فراہمی بند کردی تو اہل مکہ نے آپ ﷺ سے درخواست کی، انہوں نے آپ کو یہی لکھا کہ آپ تو صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں، ہم آپ کے رشتے دار ہیں، آپ ﷺ ثمامہ سے کہہ کر ہمارا غلہ بہ حال کروایے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست قبول کی اور حضرت ثمامہؓ کو اہل مکہ کا غلہ بہ حال کرنے کا حکم دیا۔ (۷۵)

غزوۂ حنین کے موقع پر جب مسلمانوں کو فتح ہوئی اور اسیران جنگ مسلمانوں کی تحویل میں آئے، تو آپ ﷺ کی رضاعی بہن شیماء بھی آپ کے پاس لائی گئیں، انہوں نے اپنا تعارف کرایا کہ میں آپ کی رضاعی بہن ہوں، آپ ﷺ نے علامات سے انہیں پہچان لیا تو انہیں کہا کہ اگر تم میرے پاس رہنا چاہو تو پورے اعزاز واحترام کے ساتھ رہ سکتی ہو، اور اگر اپنی قوم میں واپس لوٹنا چاہو تو یہ بھی ممکن ہے، میں پوری عزت کے ساتھ رخصت کروں گا، چناں چہ انہوں نے دوسری صورت کو پسند کیا اور آپ ﷺ نے انہیں تحائف کے ساتھ رخصت کیا۔ (۷۶) اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ کر

۷۵۔ ابن ہشام: ج۴، ص ۲۴۵

☆ حلبی: ج۳، ص۱۷۲

۷۶۔ البدایۃ والنہایۃ: ج۴، ص۳۹۳

Marfat.com

اپنی چادر ان کے لئے بچھا دی اور فرمایا کہ جو مانگو گی، تمہیں ملے گا، اور جس چیز کی سفارش کرو گی، وہ پوری ہو گی۔ (۷۷)

غزوۂ بدر کے موقع پر جو قیدی گرفتار ہو کر مدینہ منورہ لائے گئے، ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان تمام قیدیوں کو باندھ کر رکھا گیا تھا، رات کو بندش کی سختی کے سبب حضرت عباس کے کراہنے کی آواز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سماعتوں تک پہنچی تو آپ کی آنکھوں سے نیند جاتی رہی، جب صحابہ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے سبب دریافت کیا، آپ ﷺ نے وجہ بتا دی، صحابہ نے حضرت عباس کی بندشیں کھولنے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے اس موقع پر بھی انہیں امتیازی طور پر کسی سہولت سے فیض یاب نہیں کیا، بل کہ فرمایا کہ سب قیدیوں کی بندشیں کھول دو۔ (۷۸)

نوفل بن حارث آپ کے چچا زاد بھائی تھے۔ آں حضرت ﷺ وقتاً فوقتاً ان کی خبر گیری فرمایا کرتے تھے۔ ان کو شادی کی خواہش ہوئی تو آں حضرت ﷺ نے ایک خاتون سے ان کی شادی کا اہتمام کیا۔ ان کے پاس کھانے پینے کا کوئی سامان نہ تھا۔ آں حضرت ﷺ نے ابو رافع اور ابو ایوب کے ہاتھ اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی اور اس کے بدلے تیس صاع جو لے کر عطا کئے۔ (۷۹)

حضرت عبد اللہؓ آپ کے چچا حضرت عباس کے صاحب زادے ہیں، وہ بچپن ہی سے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ان کو بلا کر فرطِ محبت سے آغوشِ عاطفت میں بٹھایا اور سر پر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی:

اللّٰهم بارك فيه وانشر منه۔ (۸۰)

اے خدا! اس پر برکت نازل فرما اور اس سے علم کی روشنی پھیلا۔

۷۷۔ البدایۃ والنہایۃ: ج ۴، ص ۳۹۳

۷۸۔ حلبی: ج ۲، ص ۴۵۸

☆ ابن کثیر۔ السیرۃ النبویہ: ج ۲، ص ۴۶۲

۷۹۔ مستدرک: ج ۳، ص ۲۴۶

۸۰۔ ابن حجر العسقلانی۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ۔ مکتبہ تجاریہ الکبریٰ، مصر، ۱۹۳۹ء: ج ۲، ص ۳۲۳

Marfat.com

فتح مکہ کے وقت ام ہانی، جو آپ ﷺ کی چچا زاد بہن اور ابو طالب کی صاحب زادی تھیں، نے کہا: یا رسول اللہ میں نے ابن ہبیرہ کو پناہ دی ہے، لیکن علیؓ کہتے ہیں کہ وہ اس کو قتل کریں گے۔ آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا:

قد اجرنا من اجرت یا ام هانی (۸۱)

اے ام ہانی! جسے تم نے پناہ دی، اسے ہم نے بھی پناہ دی۔

لیکن دوسری جانب اگر ہم اس حوالے سے اپنے احوال ملاحظہ کریں تو کسی اعتبار سے بھی ہمیں نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نسبت معلوم نہیں ہوتی۔ رشتے داروں اور اہل قرابت سے ہمارے تعلقات کی قطعاً وہ نوعیت نہیں ہے، جو آپ ﷺ کے امتی ہونے کی حیثیت سے ہونی چاہئے، معمولی باتوں کو ہمیشہ کے لئے قطع تعلقات کی بنیاد بنا لینا، بدگمانی اور سوئے ظن رکھنا، خلاف طبع کوئی بات پیش آجائے تو برسوں کے تعلقات اور خونی رشتوں تک کو یک سر فراموش کر دینا، پھر غیبت، الزام تراشی اور اس قبیل کی تمام برائیوں سے اپنے آپ کو آلودہ کرتے رہنا، محض اپنے حقوق کے حوالے سے گفت گو کرنا اور اس سلسلے میں اپنے اوپر عائد ہونے والے فرائض سے پہلو تہی کرنا ہمارا روز مرہ کا معمول اور روایت و مزاج کا حصہ بن چکا ہے، سب سے پہلی اور بنیادی بات تو یہ ہے کہ یہ تعلق اللہ تعالیٰ کا قائم کیا ہوا ہے، اور اس کو عزت و حرمت بھی اللہ ہی کی جانب سے عطا ہوئی ہے، اس لئے اسے کوئی انسان آخر ختم کیسے کرسکتا ہے؟ انسان صرف یہ کرسکتا ہے کہ اپنے گمان و خیال میں اسے ختم کر کے اپنے طور پر بری الذمہ ہو جائے، لیکن اس کا ایسا کوئی قدم بارگاہ خداوندی میں سند نہیں رکھتا، یہ تعلقات اللہ کا بیش قیمت انعام ہیں، اس لئے اس بارے میں کسی قسم کی بھی کوتاہی کفرانِ نعمت کا درجہ رکھتی ہے، جس کا نقصان خود ہمیں ہی اٹھانا ہوگا۔

ملازمین سے رویہ

ملازمین ہماری معاشرت اور گھریلو زندگی کا لازمی جز ہیں، وہ ہمارے ساتھ زندگی کا بہت اہم و بڑا حصہ گزارتے ہیں، اور ہماری ضرورتوں کی تکمیل کا بڑی حد تک ان پر انحصار

۸۱۔ حاکم۔ المستدرک: ج ۴، ص ۵۹، رقم ۶۸۷۴

☆ ابوداؤد: ج ۲، ص ۴۴۱، رقم ۲۷۶۳

Marfat.com

ہوتا ہے، لیکن یہ قدرت کا نظام ہے اور فطرت کا قانون کہ کچھ لوگ جو ہم ہی جیسا وجود رکھتے ہیں، ہماری طرح کے اعضا کے مالک ہوتے ہیں، ان کی تشکیل بھی اسی مادے سے ہوتی ہے، جس سے طبقۂ اشرافیہ کے کسی اعلیٰ ترین فرد کی ہوتی ہے، لیکن چوں کہ قدرت کو اس کائنات کا نظام برقرار رکھنا ہے، اس لئے سماجی اعتبار سے تفاوت قائم کر کے معاشرت کے نظم ونسق کو قائم کیا گیا ہے، یہ ایک ناگزیر ضرورت تھی، مگر اس کی بنا پر کسی طبقاتی تقسیم کی گنجائش پیدا نہیں کی جاسکتی، نہ سماجی مراتب کو کسی کے اعلیٰ یا ادنیٰ ہونے کی دلیل قرار دیا جاسکتا ہے، کیوں کہ قرآن حکیم نے عزت واحترام کی کسوٹی تقوے کو قرار دے کر باقی تمام راستوں کو بند کر دیا، فرمایا:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (۸۲)

اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے۔

جس طرح موجودہ دور میں خادم اور ملازم خاندان کا لازمی حصہ شمار ہوتے ہیں، ماضی میں اس سے کہیں بڑھ کر اہمیت غلاموں کو حاصل تھی، اور غلام و باندی کسی بھی خاندان کا جزو لاینفک متصور ہوتے تھے۔ اس دور میں ان کی حالت کچھ زیادہ ہی بری تھی، کیوں کہ وہ مال ومتاع خیال کئے جاتے تھے، انہیں اپنی ذات پر ذرا بھی اختیار نہ تھا۔ جب کہ آج کے دور میں نوکر وخادم تو تنخواہ دار ہوتے ہیں اور انہیں چھوڑ جانے کا اختیار بھی حاصل ہے، لیکن غلام ایک بالکل بے بس مخلوق تھی جس کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ نبی رحمت ﷺ نے اپنے اسوہ حسنہ کے ذریعے انسانیت کی جبین سے غلامی کے اس بدنما داغ کو مٹانے کی بھرپور کوشش فرمائی ہے۔ آپ ﷺ ہی انہیں سب سے پہلے انسانیت کے دائرے میں لے کر آئے ہیں، آپ نے لوگوں کو بتایا کہ یہ بھی تمہاری ہی طرح کی اللہ کی ایک مخلوق ہیں، ان کے بھی کچھ حقوق تمہارے ذمے ہیں۔

آں حضرت غلاموں سے خصوصی شفقت فرماتے تھے، آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

من لاء مکم من مملوکیکم فاطعموہ مما تاکلون واکسوہ مما

۸۲۔ الحجرات: ۱۳

Marfat.com

تلبسون و من لم یلائمکم منھم فبیعوہ ولا تعذبوا خلق اللہ (۸۳)

جو غلام تمہارے مزاج کے مطابق ہوں تو جو تم کھاتے ہو وہی ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنتے ہو وہی ان کو پہناؤ اور جو ناموافق ہوں، انہیں بیچ دو اور خلق خدا کو عذاب نہ دو۔

آں حضرت ﷺ کی ملکیت میں جو غلام آتے تھے، آپ ان کو ہمیشہ آزاد فرما دیتے تھے، لیکن وہ حضور ﷺ کے احسان وکرم کی زنجیر سے آزاد نہیں ہو سکتے تھے۔ ماں باپ، قوم قبیلے اور رشتے داروں کو چھوڑ کر عمر بھر آپ کی غلامی کو شرف جانتے تھے، زید بن حارثہؓ ایک غلام تھے، آں حضرت ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا، انہیں ان کے والد لینے آئے لیکن وہ آستانہ رحمت پر باپ کے ظل عاطفت کو ترجیح نہ دے سکے اور ان کے ساتھ جانے سے قطعاً انکار کر دیا۔ (۸۴)

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور اسلام کے احکامات کا ہی نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کے ہاں غلاموں اور باندیوں سے حسن سلوک کی عام روایت قائم ہوگئی تھی۔ اس حسن سلوک کا پہلا مظہر یہ تھا کہ مسلمان بڑی تعداد میں غلاموں کو خرید کر آزاد کر دیتے تھے، اسلام نے اس کام کو عظیم نیکی قرار دیا، اسلام میں غلاموں کی یہ اہمیت ابتدائی دور ہی سے قائم رہی۔ سورۂ بلد میں جو مکہ میں نازل ہوئی تھی، جن کاموں کو ''گھاٹی'' بتایا گیا ہے، ان میں ایک فَكُّ رَقَبَةٍ یعنی گردن سے غلامی کی رسی کو کھولنا بھی ہے، چناں چہ مکہ کی پر خطر زندگی میں بھی حضرت خدیجہؓ، حضرت ابوبکرؓ اور دوسرے اہل ثروت مسلمانوں نے بہت سے غلاموں کو کافروں سے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ مدینہ آکر اس تحریک نے اور فروغ پایا اور تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ یعنی گردن کو آزاد کرنا بہت سی فروگذاشتوں کا کفارہ قرار پایا اور غلاموں کے آزاد کرنے کے لئے بہت سی ترغیبات کا اعلان کیا گیا، صحابہ نے اپنے پیغمبر کی اس آواز پر لبیک کہا اور چند روز میں غلاموں کی دنیا کچھ سے کچھ ہوگئی۔ حضرت حکیم بن حزمؓ نے جو فتح مکہ کے دن اسلام لائے ہیں، اسلام کے بعد سو غلام آزاد کئے۔ حضرت عائشہؓ نے صرف

۸۳۔ ابوداؤد: ج۴، ص۳۷۹، رقم ۵۱۶۱

۸۴۔ طبقات: ج۳، ص۴۰۔ ۴۷

Marfat.com

ایک قسم کے کفارے میں چالیس غلام آزاد کئے۔ حضرت عبد اللہؓ بن عمر نے ایک ہزار اور حضرت عبد الرحمان بن عوفؓ نے تیس ہزار غلاموں کو آزادی عطا کی۔ (۸۵)

ملازموں، غلاموں سے حسن سلوک کے زمرے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ انہیں تکالیف نہ دی جائیں، خصوصاً طاقت سے زیادہ بوجھ ان پر نہ لادا جائے، نہ انہیں کسی ایسے کام کا مکلف بنایا جائے جو ان کی طاقت سے باہر ہو، دور غلامی میں غلاموں اور باندیوں پر تشدد کیا جاتا تھا، لیکن نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سختی سے ممانعت فرمائی۔

ایک بار ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ اپنے غلام کو مار رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گزر ہوا۔ آپ ﷺ نے یہ دیکھ کر پیچھے سے آواز دی کہ اے ابو مسعود! جان لو کہ اللہ تم پر اس سے زیادہ اختیار رکھتا ہے جتنا تم اس پر رکھتے ہو، انہوں نے فوراً عرض کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ اللہ کی رضا کے لئے آزاد ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم ایسا نہ کرتے تو تمہیں جہنم کی آگ اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔ (۸۶)

اسی طرح آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر غلام تمہارے موافق نہ ہو تو تم اسے بیچ ڈالو۔ (۸۷)

یعنی اگر تمہیں خادم کی کوئی بات پسند نہیں یا اس کا مزاج ناقابل قبول ہے تو تم اسے بیچ ڈالو، اس کی جگہ دوسرا غلام خرید لو، لیکن تمہیں یہ حق قطعاً حاصل نہیں کہ اسے تشدد کا نشانہ بناؤ یا اس پر ظلم وستم کرو۔

آپ ﷺ نے غلاموں کو ہمیشہ برابر کا درجہ عطا فرمایا، اور مسلمانوں کو یہی تعلیم دی کہ ان کے ساتھ مساوات پر مبنی سلوک کریں، انہیں کسی بھی معاملے میں کمتر تصور نہ کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے کچھ بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھوں میں دے رکھا ہے۔ اگر کسی ہاتھ میں اللہ نے اس کے بھائی کو دیا ہو تو اس کو چاہئے کہ جو خود کھائے، وہی اسے کھلائے، جو خود پہنے، وہی اسے پہنائے۔ اس کے ذمے اتنا کام نہ

۸۵۔ سیرۃ النبی ﷺ: ج ۶، ص ۱۵۷۔ ۱۵۸

۸۶۔ ابو داؤد: ج ۴، ص ۳۷۹، رقم ۵۱۵۹

۸۷۔ ایضاً: ج ۴، ص ۳۸۱، رقم ۵۱۶۷

Marfat.com

ڈالے جو اس کی طاقت سے زیادہ ہو۔ اور اگر کام زیادہ ہو تو اس کی مدد کرے۔ (۸۸)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی کا خادم کھانا لائے اور وہ (کسی وجہ سے) اسے اپنے ساتھ (کھلانے کے لئے) نہ بٹھا سکے تو اس کو ایک یا دو لقمے ضرور کھلانے چاہئیں۔ (۸۹)

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم اپنے خادم کی غلطیوں سے کس حد تک درگزر کریں؟ آپ ﷺ خاموش رہے۔ اس نے پھر اپنی بات دہرائی۔ آپ پھر خاموش رہے۔ تیسری مرتبہ سوال پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر دن میں ستر مرتبہ بھی غلطی کرے تو درگزر سے کام لو اور معاف کرتے رہو۔ (۹۰)

غلاموں کو لفظ غلام میں اپنی ذلت محسوس ہوتی تھی، آں حضرت ﷺ کو ان کی یہ تکلیف بھی گوارا نہ تھی، آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص میرا غلام، میری لونڈی نہ کہے، میرا بچہ، میری بچی کہے اور غلام بھی اپنے آقا کو خداوند نہ کہیں، خداوند تو خدا ہے، آقا کہیں۔ (۹۱)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غلاموں کا اس قدر احساس تھا کہ مرض وفات میں آپ ﷺ نے سب سے آخری وصیت جو فرمائی، اس میں بھی غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی سختی سے تاکید فرمائی، آپ ﷺ کی آخری وصیت کے یہ الفاظ منقول ہیں:

الصلاۃ، الصلاۃ، اتقوا اللہ فیما ملکت ایمانکم (۹۲)

نماز، نماز، (اور) غلاموں کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔

ایک صحابیٔ رسول نے ایک بار آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے دو غلام ہیں جو میری تکذیب کرتے ہیں، خیانت کرتے ہیں، میری نافرمانی کرتے ہیں۔ میں

۸۸۔ ابوداؤد: ج ۴، ص ۳۷۹، رقم ۵۱۵۸

۸۹۔ بخاری: ج ۲، ص ۱۴۲، رقم ۲۵۵۷

۹۰۔ ابوداؤد: ج ۴، ص ۳۸۰، رقم ۵۱۶۴

۹۱۔ بخاری: ج ۲، ص ۱۴۲، رقم ۲۵۵۲

۹۲۔ ابوداؤد: ج ۴، ص ۳۷۸، رقم ۵۱۵۶

☆ ابن ماجہ: ج ۳، ص ۱۹۵، رقم ۲۶۹۸

Marfat.com

ان کو مارتا ہوں، برا بھلا کہتا ہوں، تو میرا عمل کیسا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اگر تمہاری سزا ان کے جرم کے برابر ہوگی تو ٹھیک ہے اور اگر تمہاری سزا ان کے جرم سے کم ہوگی تو تمہیں اجر ملے گا اور اگر ان کے جرم سے زائد ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس پر سزا دے گا۔

یہ سن کر وہ صاحب رونے لگے، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے کتاب اللہ کی یہ آیت نہیں پڑھی:

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ ○ (۹۳)

اور روز قیامت ہم میزان عدل قائم کریں گے، پھر کسی شخص پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی (کوئی عمل) ہوگا تو ہم اس کو بھی لائیں گے اور حساب کرنے کے لئے ہم کافی ہیں۔

اس شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں ان غلاموں کو اپنے آپ سے جدا کرنے سے بہتر کوئی صورت نہیں پاتا، میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ سب آزاد ہیں۔ (۹۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا خادم کھانا تیار کر کے تمہارے پاس لائے اور کھانا تیار کرنے میں اس نے گرمی اور دھوئیں کو برداشت کیا ہو تو چاہئے کہ اسے ساتھ بٹھا کر کھلاؤ۔ اگر کھانا کم ہو تو ایک دو لقمے ہی اسے دے دو۔ (۹۵)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک خادموں اور غلاموں کے ساتھ کس قسم کا تھا؟ اس کی مثال آپ ﷺ کے خادم خاص حضرت انسؓ سے سنئے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک بار آپ نے مجھے کسی کام سے بھیجنا چاہا، میں نے انکار کر دیا، آپ ﷺ خاموش ہو گئے، میں باہر چلا گیا، اچانک آپ نے پیچھے سے آکر میری گردن پکڑ لی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو

۹۳۔ الانبیاء: ۴۷

۹۴۔ احمد بن حنبل۔ المسند: ج ۷، ص ۳۹۸

۹۵۔ مسلم: ج ۳، ص ۱۰۷، رقم ۱۶۶۳

Marfat.com

آپ ﷺ کھڑے مسکرا رہے تھے، پھر فرمایا:

انسؓ! جس کام کے لئے کہا تھا، اب تو جاؤ۔

میں نے عرض کیا کہ جاتا ہوں، حضرت انس رضی اللہ عنہ اسی واقعے کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سات برس تک آپ ﷺ کی خدمت کی، مگر کبھی آپ نے یہ نہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا، یا یہ کام کیوں نہ کیا؟ (۹۶)

ایک جانب نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے ہے، دوسری جانب ہمارا اپنے ملازموں اور ماتحتوں کے ساتھ رویہ ہے، دونوں کا تقابل کر کے دیکھئے کہ کیا ان میں کہیں کوئی مناسبت ہے؟ اور ہمارا کردار وطرزِ عمل نبوی اسوۂ حسنہ سے کس قدر میل کھاتا ہے، اس میں کہاں کہاں اور کون کون سی خامیاں موجود ہیں، اور کس کس جگہ اصلاح کی ضرورت اور گنجائش ہے؟

آج ہمارا عمومی انداز یہ ہے کہ ہم ملازمین سے بشاشت کے ساتھ بات کرنا شاید اپنے مقام ومرتبے کے منافی تصور کرتے ہیں، سوچنے کی بات ہے کہ آخر احباب اور دوستوں کے بے تکلف ماحول میں ہمارا جو رویہ ہوتا ہے، وہ ملازمین سے گفت گو کے وقت یک سر کیوں تبدیل ہو جاتا ہے؟ پھر ان کا خیال رکھنا از روئے شریعت ہماری ذمے داریوں میں داخل ہے، اور اس سے انحراف اپنے فرائض سے کوتاہی کے زمرے میں آتا ہے، اور پھر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کی حیثیت سے ہماری ذمے داریاں دو چند ہیں، اور اسوۂ حسنہ کی تبلیغ وترویج کا انحصار بھی ہمارے اپنے رویوں پر ہے، اور اس سلسلے میں کوتاہی بھی قابل مواخذہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے علم وعمل کو صحیح اسلامی تعلیمات میں ڈھالنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

خلاصۂ کلام

اسلام کے عطا فرمودہ نظام معاشرت میں ہر دائرہ اپنے اپنے مقام پر مکمل بھی ہے

۹۶۔ ابوداؤد: ج۴، ص۲۶۳، رقم ۴۷۷۳،

☆ مسلم: ج۴، ص۳۵، رقم ۲۳۱۰

Marfat.com

اور ایک دوسرے سے باہم مربوط بھی، اسلام کا خانگی نظام بھی اسی بنا پر اپنے تمام پہلوؤں کے ساتھ باہم ربط وارتباط رکھتا ہے۔

اوپر ہونے والی گفت گو سے انسان کی خانگی زندگی کے مختلف دائروں کا کردار اور اسوۂ حسنہ کی روشنی میں ان کے فرائض وحقوق کا ایک خاکہ سامنے آتا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان قرآن وسنت کی روشنی میں اپنے گھریلو امور کو اس انداز سے استوار رکھے کہ اس کے نتیجے میں کسی کی بھی حق تلفی نہ ہو، نہ اس کے اپنے نفس کا حق مارا جائے، نہ والدین کو اس سے شکایت ہو، نہ اہل خانہ اور اولاد اس سے ناخوش ہو، نہ ملازمین سے اس کا رویہ ان کے لئے ناقابل برداشت ہو، یہ سب باتیں اسی صورت میں پیدا ہوسکتی ہیں، جب انسان کے سامنے نبیٔ اکرم، ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ کامل صورت میں موجود ہو، اور اس پر دل وجان سے عمل پیرا ہونے کا داعیہ بھی موجود ہو۔

اس مقصد کے لئے اسلام انسان کے اندر سب سے پہلے خوف خدا پیدا کرتا ہے، اور اس کے ذہن میں یہ حقیقت پیوست کردیتا ہے کہ انسان ہر صورت میں اپنے رب کے سامنے اپنے تمام امور کے لئے جواب دہ ہے۔ اسلام یہ فکر بھی بھرپور قوت کے ساتھ پیش کرتا ہے کہ ہر شخص کو اپنے اپنے امور کی جواب دہی کرنی ہے، اور ہر شخص اپنے کئے کا خود ہی ذمے دار ہے۔ اس کی اچھائیاں اسی کے کھاتے میں لکھی جائیں گی، اور اسے اپنی کوتاہیوں اور برائیوں کا خمیازہ بھی خود ہی بھگتنا ہوگا۔ اس حوالے سے کوئی رشتہ کام نہ آئے گا۔ قرآن حکیم میں فرمایا:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا (۹۷)

جس کسی نے کوئی نیک کام کیا تو وہ اپنے ہی لئے کیا اور جس کسی نے کوئی برائی کی تو اس کا وبال بھی اسی پر پڑے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل واضح الفاظ میں فرمایا کہ ہر شخص اپنی اپنی حدود میں ذمے دار ہے اور اس کی ذمے داریوں کی بابت اس سے ضرور پوچھ گچھ ہوگی، فرمان نبوت ہے:

۹۷۔ حم السجدۃ: ۴۶

Marfat.com

کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ (۹۸)

تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی ذمے داری کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

ہمارے گھریلو معاملات اسوۂ حسنہ اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے روگردانی کے سبب انتشار و مسائل کا شکار ہیں۔ انسان کی گھر کے حوالے سے اولین خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ اس کے لئے جائے امن اور مقام راحت و اطمینان ثابت ہو، لیکن جب گھر کا نظام درست نہج پر استوار نہیں رہتا تو وہاں سکون و اطمینان کی تلاش ایک نہ پوری ہونے والی خواہش اور دم توڑتی ہوئی امید بن جاتی ہے۔ یہ چیز انسان کو ذہنی اور جسمانی طور پر مزید مسائل و مشکلات سے دوچار کر دیتی ہے، نتیجتاً ایسا شخص مسائل و مصائب کے گرداب میں مسلسل پھنستا چلا جاتا ہے، اس کا حل صرف ایک ہے، اسوۂ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی روشنی میں اپنے معاملات، طرزِ عمل، رویوں اور اپنے اندازِ زیست کا از سرِ نو جائزہ لیا جائے اور ان تمام کوتاہیوں، خامیوں اور فروگزاشتوں پر قابو پانے کے لئے فوری طور پر کوشش شروع کی جائے، جن کا ہم اب تک شکار رہے ہیں، اس مقصد کے لئے اسلام عملی زندگی کی اصلاح کا مسلسل درس دیتا ہے، اس کا پیغام تو یہ ہے:

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰیo (۹۹)

اور انسان کو تو وہی کچھ ملتا ہے، جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔

اس مقصد کے لئے اسوۂ حسنہ ہمارے لئے بہترین مشعل راہ ہے، کیوں کہ اس میں نہ صرف ہدایات ہیں، بل کہ آپ ﷺ کے اپنے عمل کی صورت میں ہمارے لئے مکمل راہ نمائی بھی ہے، پھر اسوۂ حسنہ ہمارے امورِ زیست کی چھوٹی چھوٹی جزئیات کا بھی کمال خوبی کے ساتھ احاطہ کرتا ہے، اس لئے وہاں ابہام کا بھی کوئی سوال نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اسوۂ حسنہ پر صحیح معنی میں عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

۹۸۔ احمد: ج ۲، ص ۱۵۵، رقم ۵۱۴۵

۹۹۔ النجم: ۳۹

Marfat.com

صبر کی ضرورت اور اہمیت، عصرِ حاضر میں

شش ماہی السیرہ عالمی ۔ کراچی: شمارہ ۱۵۔ اپریل ۲۰۰۶ء

Marfat.com

صبر کی ضرورت اور اہمیت

عصرِ حاضر میں

لغت میں صبر روکنے کو کہتے ہیں، چناں چہ جب کہا جاتا ہے کہ صبره عن الشئ تو اس کا معنیٰ ہوتا ہے کہ فلاں شخص نے اپنے آپ کو فلاں چیز سے روک لیا (۱) اور راغب اصفہانی کے بہ قول صبر سختی میں روکنے کو کہتے ہیں، چناں چہ صبرت الدابۃ کا معنیٰ ہوتا ہے کہ میں نے جانور کو چارے کے بغیر روکے رکھا۔ (۲)

اصطلاحِ شرع میں صبر کے معنیٰ ہیں:

حبس النفس علی مایقتضیه العقل، والشرع اوعما یقتضیان حبسها عنه (۳)

عقل اور شریعت جن امور کا حکم دیتی ہیں ان پر نفس کو جمائے رکھنا اور جن سے وہ منع کرتی ہیں ان سے نفس کو باز رکھنا۔

صبر لغوی اعتبار سے بہت سے مقامات پر استعمال ہوتا ہے، چناں چہ مصیبت کے موقع پر صبر کو صبر ہی کہتے ہیں، البتہ جنگ وغیرہ کے موقع پر صبر کو شجاعت کہتے ہیں، سخت

۱۔ لسان العرب: ج ۴، ص ۴۳۸

۲۔ المفردات: ص ۲۷۳

۳۔ ایضاً

Marfat.com

مصائب کے عالم میں صبر کو اطمینانِ قلب سے تعبیر کرتے ہیں، اگر بات چھپانے کا موقع ہو تو اسے رازداری کہا جاتا ہے۔ قرآنِ حکیم میں ان تمام مواقع پر صبر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ (۴)

اللہ تعالیٰ کے اسما میں بھی ایک نام صبور ہے، یہ مبالغے کا صیغہ ہے، اور اسی مادے سے ہے، اس کا مفہوم ہے ایسی ذات جو نافرمانوں کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتی۔ (۵)

صبر کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی راہ میں نفس کے تقاضوں پر صبر کرنا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کے لئے نفس کے تقاضوں کے برخلاف صبر کرنا۔

۳۔ اطاعتِ خداوندی کرنے اور اللہ کی نافرمانی سے بچنے کے لئے جو مشکلات آئیں، ان پر صبر کرنا۔ (۶) اور جوہری کے بہ قول:

الصبر حبس النفس الجزع (۷)

صبر نفس کو آہ وزاری سے روکنے کا نام ہے۔

صبر و ثبات اور عزم و استقلال قانونِ فطرت ہے، انسان کو ہر منزل کے حصول کے لئے اور ہر میدان میں کام یابی کے لئے جس ملکے کی سب سے زیادہ ضرورت پیش آتی ہے وہ محنت کے بعد صبر ہے۔ خالقِ کائنات نے اس کائنات کا مزاج ایسا رکھا ہے کہ ہر کام ایک طے شدہ نظام کے تحت اور مقررہ مدت کے بعد ہی تکمیل پا سکتا ہے، کسان زمین کی درستگی اور اس میں بیج ڈالنے کے بعد عام طور پر تین سے چھ ماہ صبر کرتا ہے، اور بعض اوقات یہ مدت سال بھر تک ممتد ہو جاتی ہے، تب جا کر اسے اپنی محنت کا ثمرہ لہلہاتی فصل کی شکل میں حاصل ہوتا ہے۔ انسان کو صبر کی تلقین کی ہی غرض سے اور اس سے طبعی عجلت کا مادہ کم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اس کائنات کو اس

۴۔ المفردات: ص ۲۷۳

۵۔ لسان العرب: ج ۴ ص ۴۳۷

۶۔ لسان: ج ۴، ص ۴۳۹

۷۔ جوہری۔ الصحاح۔ بہ ذیل مادہ صبر

Marfat.com

نے چھ ایام میں تخلیق فرمایا ہے۔ (۸) صاف ظاہر ہے کہ یہ اس ذات کے لئے لمحے بھر میں بھی ممکن تھا، جو کسی کام کے کرنے کے لئے محض ''کن'' کہنے کی بھی محتاج نہیں۔

ہم اگر خود حضرت انسان کا جائزہ لیں تو اس کی تخلیق سے لے کر بچپن تک اور بچپن سے لے کر لڑکپن، جوانی اور کہولت تک فطرت کا یہ قانون مسلسل نظر آتا ہے۔ انسان کا مزاج بچپن میں کچھ اور ہوتا ہے، اور اسے شعور کی پختگی، مزاج کی صلابت اور کردار کے ٹھہراؤ کے لئے ایک طویل وقت تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔ فطرت کا یہ مزاج کائنات کی تمام اشیا میں موجود ہے، اس کا قانون اٹل ہے، جس میں انسان کسی طرح کی ترمیم کا مجاز نہیں۔ اس لئے اس کے پاس صبر و ثبات کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

انسان کو عملی زندگی میں کام یابی کے لئے ہر طرح کا صبر درکار ہے، صبر انسانی اخلاق کا حصہ تو ہے ہی، عبادات بھی صبر کے بغیر تکمیل نہیں پاسکتیں۔ نماز کے لئے قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے :

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا (۹)

اپنے اہل وعیال کو نماز کی تلقین کرو اور اس پر جم جاؤ۔

صبر انسان کی انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ اجتماعی زندگی کا بھی ناگزیر حصہ ہے، مخالفین کا سامنا کرنے اور ان کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے قرآن کے لفظوں میں صبر ضروری ہے، ارشاد ہے :

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا (۱۰)

اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو تمہیں ان (مخالفین) کا مکر وفریب کچھ نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

صبر و استقامت ایسی چیزیں نہیں ہیں جن سے حاصل شدہ فوائد صرف دنیاوی امور سے تعلق رکھتے ہیں، بل کہ صبر کرنے والے شخص کا اجر کسی صورت بھی ضائع نہیں

۸۔ الاعراف: ۵۴

۹۔ طٰہٰ: ۱۳۲

۱۰۔ آلِ عمران: ۱۲۰

Marfat.com

ہوسکتا، دنیاوی فوائد وثمرات تو اسے حاصل ہوں گے ہی، اُخروی اجر وثواب بھی ان شاء اللہ اس کا نصیب ہوگا۔ قرآن کہتا ہے:

اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ (۱۱)

البتہ جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے، تو اللہ اچھے کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

پھر ان کا اُخروی اجر بھی کوئی محدود نہیں، انہیں بلا حساب اجر سے نوازا جائے گا، دوسری جگہ فرمایا:

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ (۱۲)

بلاشبہ صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بلا حساب ملے گا۔

نبی اکرم ﷺ کا اسوۂ حسنہ، جس کی اتباع ہم سب کی دنیوی اُخروی کامیابی کے لئے ناگزیر ہے (۱۳) صبر کے حوالے سے بھی نہایت روشن اور قابل تقلید نمونۂ عمل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوتی زندگی کے روزِ اول ہی سے قدم قدم پر جن مشکلات، مصائب اور شدائد کا سامنا کیا اُن کی تفاصیل کتبِ سیرت میں مکمل جزئیات کے ساتھ موجود ومحفوظ ہیں، آپ ﷺ کی پوری زندگی صبر و برداشت کی تصویر ہے، مشکلات ومصائب کا دور ہو یا فتح وکامرانی کا، ہر دور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر سے کام لیا۔

ایک طرف تو طائف کے میدان میں آپ ﷺ نے پیش آنے والی مشکلات کا مقابلہ صبر سے فرمایا، اور اہلِ طائف کی شقاوت قلبی پر جب خالقِ کائنات نے جبرائیل امین کو بھیجا، اور انہوں نے عرض کیا کہ آپ کی قوم نے جو سلوک کیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ نے دیکھ لیا ہے، اور اس نے ملک الجبال (پہاڑوں پر مامور فرشتہ) کو بھیجا ہے، اگر آپ حکم فرمائیں تو ان دونوں پہاڑوں کو (جن کے درمیان طائف اور مکہ ہیں) آپس میں ملا کر انہیں ختم کردیا جائے تو آپ ﷺ نے یہی فرمایا:

۱۱۔ یوسف: ۹۰

۱۲۔ الزمر: ۱۰

۱۳۔ الاحزاب: ۲۱

Marfat.com

بل ارجوا ان یخرج الله من اصلابهم من یعبد الله وحده، لایشرك به شیئا (۱۴)

نہیں، بل کہ مجھے امید ہے کہ ان کی نسل میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے، جو اللہ کی عبادت کریں گے اور کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

اسی طرح ہادیٔ برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اُحد کے مقام پر مشرکینِ مکہ کی جانب سے مسلط کردہ جنگ میں مصروف تھے، اور اس معرکے میں آپ کے دندانِ مبارک بھی شہید ہوئے، اور چہرۂ انور زخمی ہوا تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ ان کے لئے بدُعا فرمایئے، ایسے کٹھن اور مشکل وقت میں بھی نبیٔ رحمت ﷺ نے صبر کا بے مثال مظاہرہ کیا اور یہی دعا فرمائی:

اللّٰھم اھد قومی فانھم لا یعلمون (۱۵)

اے اللہ! میری قوم کو ہدایت عطا فرما، یہ مجھے جانتی نہیں۔

اور دوسری جانب جب فتحِ مکہ کے موقع پر یہی اہلِ مکہ جنہوں نے آپ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کا جینا دوبھر کر دیا تھا، سرنگوں ہوگئے، اور انہوں نے اپنی امیدیں یہ کہہ کر رحمتِ عالم ﷺ کے دامنِ مبارک سے وابستہ کرلیں کہ اخ کریم، وابن اخ کریم. آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے، تو آپ نے یہ فرما کر سب کو (چند ایک بدبختوں کے سوا) اذنِ رہائی دے دیا:

لاتثریب علیکم الیوم، اذھبوا فانتم الطلقاء

آج تم پر کچھ الزام نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔ (۱۶)

آپ ﷺ نے جن مشکلات کا سامنا کیا، اُن کو پڑھ کر ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور پھر جب ہم پڑھتے ہیں کہ اتنے بڑے واقعات پر بھی آپ نے صبر و

۱۴۔ بخاری: ج۲، ص۳۳۹، رقم ۳۲۳۱

☆ مسلم: ج۳، ص۹۹

۱۵۔ قاضی عیاض۔ الشفاء۔ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ۱۹۵۰ء: ج۱، ص۶۱

۱۶۔ مولانا شبلی نعمانی۔ سیرت النبی: ج۱، ص۳۰۰

Marfat.com

ضبط سے کام لیا تو ہمیں احساس ہوتا ہے کہ صبر کا جذبہ انسان کو ترقی کی کس قدر منازل سے آشنا کرتا ہے؟ ابتدائی ایام کا ذکر ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سجدہ کر رہے تھے اور ان کے گرد قریش کے کچھ لوگ کھڑے تھے، اس دوران عقبہ بن ابی معیط اُونٹ کی اوجھڑی لایا اور حضورِ اکرم ﷺ کی پشت پر ڈال دی، جس سے آپ سر نہ اُٹھا سکے۔ اس دوران حضرت فاطمہؓ آ گئیں اور اسے آپ کی پشت سے ہٹایا اور جس نے یہ حرکت کی تھی، اس کو بددعا دی۔ (۱۷)

آپ ﷺ کا یہ بے مثل صبر و ضبط دراصل امتِ محمدیہ کے لئے ایک سبق اور درسِ عمل تھا، آپ نے اپنے عملِ مبارک کے ذریعے یہ تلقین و تاکید فرمادی کہ حالات خواہ کیسے ہی ناساز کیوں نہ ہوں، مشکلات کا دورانیہ خواہ کس قدر طویل ہی کیوں نہ ہو اور مصائب کی شدت خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو، فتح اور مکمل کام یابی کے لئے صبر ازبس ضروری ہے، اور صبر و ثبات کے بغیر دائمی، حقیقی اور مکمل کام یابی کا تصور ممکن نہیں۔

یہاں یہ بات بھی نہیں کہی جاسکتی کہ چوں کہ نبی اکرم ﷺ کو بہ راہِ راست اللہ تعالیٰ کی مدد اور وحی الٰہی کی تائید حاصل تھی، اس بنا پر آپ عزیمت کی اس بلندی پر فائز تھے، جہاں عام انسان کا گزر ممکن نہیں، یہ بات جزوی طور پر تو درست ہوسکتی ہے، مکمل طور پر نہیں۔ یہ درست ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے مقام بلند کا تصور بھی ہمارے لئے ممکن نہیں، مگر آپ کا اُسوۂ حسنہ ہم سب کے لئے ازروئے نصِ قرآنی دائمی نمونۂ عمل ہے، اور یہ حکم صبر کے لئے بھی ہے۔ دوسرے اگرچہ آپ ﷺ کا بہ راہِ راست تائیدِ خداوندی اور وحی الٰہی سے تعلق تھا، مگر یہ بات آپ کو پہنچنے والی مشکلات اور مصائب کی شدت میں کمی نہیں کرتی، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کو پہنچنے والی مشکلات اور مصائب بھی دوسروں کے مقابلے میں ہر اعتبار سے بہت زیادہ تھے، خود آپ ﷺ کا فرمانِ مبارک ہے:

> بلاشبہ اللہ کی راہ میں مجھے جس قدر اذیت دی گئی، اتنی کسی کو نہیں دی گئی، اور اللہ کی راہ میں مجھے اتنا ڈرایا گیا کہ کسی کو اتنا نہیں ڈرایا گیا۔ (۱۸)

۱۷۔ بخاری: ج۱، ص۶۶، رقم ۲۴۰

۱۸۔ فتح الباری: ج۷، ص۲۱۰

Marfat.com

اور ایک مرتبہ آپ ﷺ سے سوال ہوا کہ کن لوگوں کی آزمائش سب سے کڑی ہوتی ہے؟ فرمایا کہ انبیا کی، پھر ان سے کم تر لوگوں کی، پھر اُن سے کم تر لوگوں کی، لوگوں کو اُن کے دین کے تناسب سے آزمایا جاتا ہے، جس کا دین سے تعلق مضبوط اور مستحکم ہوگا، اس کی آزمائش سخت ہوگی، اور جس کی دین داری کم زور ہوگی، اس کا امتحان بھی کم زور ہوگا، اور آدمی کی آزمائش ہوتی رہتی ہے، یہاں تک کہ (ان میں پورا اُترنے کے بعد) وہ زمین پر چلتا ہے اور اس پر کوئی گناہ نہیں رہتا۔ (۱۹)

صبر، حدیث کے الفاظ میں ایک روشنی ہے، مینارۂ نور ہے۔

الصبر ضیاء (۲۰)

انسان جب زندگی کی پُر پیچ راہوں میں مشکلات کے اندھیروں سے نبرد آزما ہوتا ہے، حوادث کے تھپیڑے اس کے سامنے زیست کی راہ کو تاریک کردیتے ہیں، اور پریشانیوں کی ظلمت دراز ہونے لگتی ہے تب صبر روشن چراغ کی مانند اپنی ضیا پھیلاتا ہے، ایسے وقت میں صبر ایسی روشنی کا کام دیتا ہے جو اُسے مایوسیوں سے نکال کر امید کی روشن راہوں تک لے آتی ہے، اس لئے صبر ہر حال میں ایک مسلمان کا وظیفۂ حیات ہونا چاہئے۔

مشکلات و مصائب کے بارے میں ہمارا تصور بھی حد درجے ناقص ہے۔ ہمارا عام تصور یہ ہے کہ مشکلات کا سبب یا تو اللہ تعالیٰ کی ناراضی ہے، ہماری بدقسمتی ہے، بزرگوں کا عدم التفات ہے، یا پھر کاروباری، خاندانی اور ذاتی رقابتوں کا شاخسانہ ہے، جن کے نتیجے میں ہم پر جادو کے ذریعے یا جنات وغیرہ کے توسط سے ایسا عمل کردیا گیا ہے جو ہماری گھریلو، کاروباری اور خاندانی مشکلات کا باعث بنا ہے۔ یہ تصور ہمارا اپنا تراشا ہوا ہے جس کا اسلامی فکر سے کوئی تعلق نہیں۔ قرآن تو ہمیں یہ ہدایت دیتا ہے کہ کسی بھی انسان کو اور بالخصوص اچھے مسلمان کو کسی بھی صورت اس دنیا میں مشکلات

۱۹۔ ترمذی: ج۴، ص۱۷۹، رقم ۲۴۰۶

☆ ابن ماجہ: ج۴، ص۶۳۳، رقم ۴۰۲۳

۲۰۔ مسلم: ج۱، ص۱۷۱، رقم ۲۲۳

☆ ترمذی: ج۵، ص۳۰۷، رقم ۳۵۲۸

Marfat.com

سے مفر نہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ (۲۱)

ہم ضرور تمہیں آزمائش میں مبتلا کریں گے، تاکہ تمہارے حالات کو جانچیں، اور دیکھ لیں کہ تم میں مجاہد اور ثابت قدم کون ہیں؟

اور ایک مقام پر تو اس قدر وضاحت سے فرمادیا:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ○ (۲۲)

کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ (محض) آمنا (ہم ایمان لائے) کہہ کر چھوٹ جائیں گے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا۔ اور بے شک ہم ان سے پہلے والوں کو بھی آزما چکے ہیں، سو اللہ ضرور معلوم کرے گا کہ کون سچے ہیں اور وہ جھوٹوں کو بھی ضرور جان لے گا۔

اور ایک مقام پر تو اس قدر وضاحت سے فرمادیا:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ○ (۲۳)

اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے، کچھ خوف اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے اور آپ (ﷺ) صبر کرنے والوں کو خوش خبری سنا دیجئے۔

اس لئے مشکلات کا تعلق کسی اور چیز سے جوڑنے کی بہ جائے اسے من جانب اللہ سمجھنا چاہئے، اور اللہ تعالیٰ سے اعانت مانگتے ہوئے اپنے حالات کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے اور نتائج اللہ کے سپرد کردینے چاہئیں اور یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اسی میں خیر ہے، اور اسی میں ہماری بھلائی ہے۔ حدیث میں بھی یہ مفہوم بیان ہوا

۲۱۔ محمد: ۳۱

۲۲۔ العنکبوت: ۲، ۳

۲۳۔ البقرہ: ۱۵۵

Marfat.com

ہے۔ ایک بار دشمنوں کی جانب سے مسلمانوں کو پہنچائی جانے والی تکالیف سے تنگ آ کر بعض صحابۂ کرامؓ نے آپ سے دعا کی درخواست کی تو آپ نے ناراضی ظاہر فرمائی اور سختی سے جواب دیتے ہوئے فرمایا:

تم سے پہلے جو لوگ گزر چکے ہیں، ان کے جسموں پر آرے چلائے گئے اور اُن کی کھالیں تک اُتار لی گئیں، مگر وہ اپنے مذہب سے نہیں پھرے، خدا کی قسم! دینِ اسلام اپنے کمال کو پہنچ کر رہے گا، حتیٰ کہ صنعا سے حضر موت تک جانے والا مسافر خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرے گا۔ (۲۴)

ایک روایت میں اس بات کی وضاحت آپ ﷺ نے یوں فرمائی:

اذا ارادالله بعبده الخير عجل له العقوبة في الدنيا، واذا اراد بعبده الشر امسك عنه بذنبه حتى يوافى به يوم القيامة (۲۵)

جب اللہ اپنے کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے دنیا ہی میں سزا دے دیتا ہے، اور جب اپنے کسی بندے کے ساتھ شر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے گناہوں کی سزا کو دنیا میں ترک کردیتا ہے، تاکہ روزِ قیامت اُسے پوری سزا دے۔

یہ پہلو بھی ہمارے لئے نہایت اہم ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہمیں پیش آمدہ مشکلات کے بارے میں یہ یقین بھی رکھنا چاہئے کہ اِن وقتی اور دُنیاوی تکالیف کی وجہ سے ہماری دائمی اُخروی زندگی کی راحت کا سامان ہورہا ہے، اور عارضی زندگی کی عارضی مشکل اگر دائمی زندگی کی دائمی راحت کا سبب بن جائے اور ہم جب اس دُنیا سے رخصت ہوں تو ہمارا دامن ہماری بداعمالیوں کے اثرات سے پاک ہو تو یہ سودا کس قدر سستا ہے؟ یہ سستا سودا تو ہمیں خوش دلی سے قبول کرنا چاہئے۔

نبی اکرم ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کا یہ عملی پہلو یعنی صبر وضبط ہماری عملی زندگی کے لئے ہر پہلو سے نمونۂ عمل ہے، خصوصاً آج کے حالات میں صبر ہماری انفرادی اور اجتماعی

۲۴۔ ابوداؤد: ج۲،ص۳۹۶،رقم۲۶۴۹

۲۵۔ ترمذی: ج۴،ص۱۷۸،رقم۲۴۰۴

Marfat.com

زندگی کا ابتدائی اور لازمی جز ہونا چاہئے، اجتماعی سطح پر بھی عالمی صورتِ حال کے حوالے سے ہمیں اپنی حکمتِ عملی کو جہاں ازسرنو متعین کرنا چاہئے، وہیں خالص جذباتیت سے مکمل کنارہ کشی اختیار کر کے اور صبر و استقامت سے کام لے کر اپنے متعین اہداف کی طرف پیش قدمی کرنی چاہئے۔ یہ وہ راہ ہے جہاں جذباتیت بھی ضرر رساں ہے اور عجلت پسندی بھی۔ دوسری جانب ہماری توجہ اچھا اور باکردار مسلمان بننے پر پوری طرح مرکوز ہونی چاہئے، خصوصاً ہمارے سماجی رویے آج قطعاً ایک اچھا مسلمان ہونے کی نشان دہی نہیں کرتے اور نبی اکرم ﷺ کے اُمتی ہونے کی حیثیت سے ہمارے جو فرائض ہیں، ان سے ہم بالکل لاعلم، بے پروا ہیں۔ اس کی گواہی کے لئے کسی بڑی بات کی ضرورت نہیں، بہت چھوٹی چھوٹی باتیں اس کے ثبوت کے لئے کافی ہیں۔ مثلاً ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی ہمارا روز مرہ کا معمول ہے، جسے اب معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا، حال آں کہ یہ بہ راست دوسروں کو ایذا رسانی اور تکلیف دہی کے ذیل میں آتا ہے، اور اس کا حل صرف صبر میں پوشیدہ ہے، یہ صرف ٹریفک قوانین کا ہی حال نہیں، ہم قطار اور صف بندی کے کسی مرحلے کے بھی قائل نہیں، اور جب ایسے کسی موقع پر ہمیں اپنی کوتاہی کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے تو ہم اس سے بھی زیادہ نامناسب اور ناروا رویوں کا سہارا لیتے ہیں۔

اسی طرح اگر اپنے حقوق کے حصول کا معاملہ ہو تو بھی ہم صبر سے کام نہیں لیتے، اور کوشش ہوتی ہے کہ ہمارا حق ہمیں جلد سے جلد، بل کہ وقت سے بھی پہلے مل جائے، مگر جب اپنے فرائض کی ادائیگی کا وقت آتا ہے تو اس سلسلے میں پیش آنے والی مشقتوں اور مشکلات پر صبر سے کام لینے کے بہ جائے اپنی ذمے داریوں سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ ہم اشتعال انگیزیوں کا بھی بہت جلد شکار ہو جاتے ہیں، جس کے سبب ہماری مشکلات میں اضافہ ہوتا ہے، مگر ہمیں شاید علم نہیں کہ اگر ایسے مواقع پر ذرا بھی صبر اور برداشت سے کام لیا جائے تو خود ہمارے لئے بھی مشکلات کم ہو سکتی ہیں۔

Marfat.com

یہ اور ان جیسے بہت سے پہلو جو ہماری عملی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں، ہمیں صبر و ثبات، استقامت اور برداشت کی تلقین کرتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ بھی ہمارے سامنے ہے، آپ سے ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا تعلق اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کے دعوے اب ہم سے تھوڑی سی قربانی مانگتے ہیں، ہمارے جذبات کی قربانی اور بے عملی کی اس غلط مگر نفس کی نظر میں پُر آسائش زیست کی قربانی۔ یہ قربانی دے کر ہی ہم صحیح معنوں میں کامیاب زندگی گزار سکتے ہیں۔ دنیاوی اعتبار سے بھی اور اُخروی لحاظ سے بھی۔

اللہ تعالیٰ راہِ عمل ہم سب کے لئے آسان اور روشن بنائے۔ آمین

Marfat.com

ہماری موجودہ مشکلات اور سیرت طیبہ

Marfat.com

ہماری موجودہ مشکلات اور سیرت طیبہ

اس امر سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ آج ہم بہت سی مشکلات سے دو چار ہیں، یہ مشکلات کئی نوعیت کی ہیں، کچھ تو ہمارے اجتماعی امور سے متعلق ہیں، کچھ کا تعلق حکومتوں سے ہے، اور کچھ مشکلات انفرادی نوعیت کی ہیں، جن سے ہم ذاتی و شخصی حوالے سے دو چار ہیں۔ اس آخری قسم سے تعلق رکھنے والی مشکلات ایسی ہیں جن کا ہم سرسری جائزہ بھی لیں تو ہمیں اندازہ ہو جائے گا کہ ان کو حل کرنے کے لئے ہمیں نہ تو لمبی چوڑی منصوبہ بندی کی ضرورت ہے، نہ کسی بڑے سرمائے یا تربیت یافتہ افرادی قوت کی۔ یہ امور چوں کہ ہم سب کی اپنی دست رس میں ہیں، اس لئے کسی سے مطالبہ کرنے یا اسے قائل کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ ضرورت صرف صدق دل سے عمل کرنے کی ہے اور عمل بھی زیادہ مشکل نہیں، تھوڑی سی محنت اور معمولی کوشش سے ہم اپنی عادات بدل سکتے ہیں، اور ان روایات اور رسوم و رواج سے چھٹکارا پاسکتے ہیں جو ہمارے مزاج میں داخل ہوکر خود ہمیں نقصان پہنچا رہے ہیں، ذیل میں اسی حوالے سے چند امور کے متعلق سیرت طیبہ اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے راہ نمائی اور اسی حوالے سے حاصل مطالعہ پیش کیا جاتا ہے۔

حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی

ہماری بہت سی مشکلات کا سبب یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک (الا ماشاء اللہ) اپنے حقوق کے حصول کا تو دعوے دار ہے، مگر دوسروں کے اپنے اوپر عائد ہونے والے حقوق

Marfat.com

اور اپنے فرائض کی ادائیگی سے بے نیازی ولا پرواہی کا بھی شکار ہے، نتیجہ یہ ہے کہ کوئی بھی مطمئن نہیں، اور ہر ایک کام ناقص وادھورا ہے اور تقریباً ہر شخص دوسرے کا حق نادہندہ ہے، چوں کہ کوتاہی سب کی جانب سے ہے، اس لئے متاثر بھی سب ہی ہیں، اس روش سے نقصان بھی سب کو پہنچ رہا ہے، لیکن شاکی ہر ایک ہے، اصلاح کے لئے کوئی بھی تیار نہیں۔

یہ صورت حال ہر مقام اور ہر میدان میں موجود ہے، جس میں کسی کی کوئی تخصیص نہیں، استاد اپنے طلبا سے اگر اپنے حقوق کی ادائیگی کا خواہاں ہے تو دوسری جانب اس کے شاگرد اس سے مطمئن نہیں کہ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں اپنی انتہائی صلاحیتوں کو صرف کرنے سے قاصر ہے، بھائی بھائی سے اسی بنا پر نالاں ہے، مگر غور کیا جائے تو وہ خود بھی اپنے بھائی کے بہت سے حقوق ادا نہ کرنے کا ذمے دار ہے۔ اس کا سادہ حل شریعت نے یہ پیش کیا ہے کہ حقوق کی ادائیگی کو بغیر کسی ادنی رکاوٹ کے تسلسل کے ساتھ جاری رکھا جائے، اسی بنا پر نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی سخت تاکید فرمائی ہے، اور حقوق کی ادائیگی کی تلقین فرمائی ہے۔ یہ حقوق متعدد نوعیت کے ہیں، والدین کے حقوق، اولاد کے حقوق، پڑوسیوں کے حقوق، استاد شاگرد کے حقوق، اہل قرابت کے حقوق، دوست احباب کے حقوق اور ملازمین کے حقوق وغیرہ۔ ہر ایک کے علیحدہ علیحدہ حقوق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرما دیئے اور سب کی ادائیگی کی الگ الگ تلقین فرمائی ہے، مثال کے طور پر اہل قرابت کے حقوق کے بارے میں جس کی ادائیگی میں کوتاہی ہمارے ہاں عام ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الرحم شجنة من الرحمن قال الله تعالىٰ من وصلك وصلته ومن قطعك قطعته (۱)

رحم (حق قرابت) رحمٰن سے مشتق ہے، اور اللہ تعالیٰ نے رحم سے فرمایا کہ جو تجھے جوڑے گا، میں اسے جوڑوں گا، اور جو تجھے کاٹے گا، میں اسے قطع کردوں گا۔

یعنی جو شخص اپنے تعلق والوں کے حقوق احساس ذمے داری سے ادا کرے گا، اللہ

۱۔ بخاری: ج ۵، ص ۲۲۳۲، رقم ۵۶۴۲

Marfat.com

تعالیٰ اسے اپنے قرب سے نوازے گا اور جو قطع رحمی کرتے ہوئے ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرے گا، اللہ تعالیٰ بھی اس سے قطع تعلق فرمائے گا۔

صلہ رحمی کرنے اور اہل قرابت کو ان کے حقوق کی ادائیگی کے دنیاوی فوائد بھی کثرت سے ہیں، حضرت انسؓ کی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من احب ان یبسط له فی رزقه وینسأ له فی اثره فلیصل رحمه (۲)

جو شخص یہ خواہش رکھتا ہے کہ اس کے رزق میں فراخی اور دنیا میں اس کے آثار تادیر رہیں (یعنی اس کی عمر دراز ہو) تو اسے چاہئے کہ وہ صلہ رحمی کرے۔

اسلام نہ صرف ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کی تلقین کرتا ہے، بل کہ وہ ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کا خواہاں ہے، جہاں سکون واطمینان، خوش دلی اور باہمی تعاون کی فضا پروان چڑھے، اس کے لئے ضروری ہے کہ برائی کا جواب بھی اچھائی سے دیا جائے، حقوق ادا نہ کرنے والوں کے حقوق بھی ادا کئے جائیں، ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول روایت میں اسی کی تلقین ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لیس الواصل بالمکافئ ولکن الواصل هو الذی اذا قطعت رحمه وصلها (۳)

وہ شخص صلہ رحمی کا حق ادا نہیں کرتا جو بدلے کے طور پر صلہ رحمی کرتا ہے، صلہ رحمی کرنے والا تو اصل میں وہ شخص ہے جو اس شخص سے بھی صلہ رحمی کرے جو اس کے ساتھ حق تلفی کا معاملہ کرتا ہے۔

حقوق کی بحث صرف رشتے داروں کے حقوق تک محدود نہیں، اسلام کی نظر میں تو اس کی حدود بہت وسیع ہیں، جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ اس کی بہت سی شاخیں ہیں، اور بہ حیثیت

۲۔ مسلم: رقم ۲۵۵۷

☆ بخاری۔ الادب المفرد: ج ۱، ص ۳۴، رقم ۵۶

۳۔ ابوداوٗد: ج ۲، ص ۵۹، رقم ۱۶۹۷

☆ بیہقی۔ لسنن الکبریٰ۔ دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۶ء: ج ۷، ص ۲۷، رقم ۱۲۹۹۸

Marfat.com

مسلمان ہم پر فرض ہے کہ تمام حقوق کی نگہ بانی کریں، اس یقین کے ساتھ کہ اس کے نتیجے میں اخروی اجر تو ان شاء اللہ ملنا ہی ہے، دنیاوی مصائب بھی ختم ہوں گے، مشکلات کم ہوں گی، اور ہمارے گھر پھر سے پریشانیوں سے آزاد اور مسرت وانبساط کا مرکز بنیں گے۔

وقت وصلاحیتوں کا ضیاع

دوسری جانب ہمارے قیمتی وقت اور صلاحیتوں کے ضیاع نے بھی صورت حال سنگین کردی ہے، دونوں چیزیں انمول ہیں جنہیں ہم قطعاً مہمل، لایعنی اور بے مول مصروفیات یا بے کاری میں برباد کر رہے ہیں، جس کے سبب ہم بہت سی مشکلات سے دو چار ہیں، سرکاری دفاتر میں اگر کام آٹھ گھنٹے ہونا چاہئے تو عام طور پر بہ مشکل دو ڈھائی گھنٹے ہوتا ہے، طرح طرح کے بہانوں کے نتیجے میں ہونے والی چھٹیاں اس کے علاوہ ہیں۔ یہ بات جہاں ایک جانب بدترین خیانت ہے، وہیں وقت کے ضیاع کا گناہ بھی اس کے نتیجے میں لازم آتا ہے۔ ہماری نوجوان نسل گھنٹوں بل کہ بعض اوقات پوری شب انٹرنیٹ کے سامنے بیٹھ کر گزار دیتی ہے، پھر اس پر مستزاد طویل طویل ٹیلی فون کالیں ہیں، کرکٹ وغیرہ مختلف کھیلوں کی خرافات الگ ہیں، جن میں پوری قوم کے کروڑوں روپے اور ہزاروں گھنٹے برباد ہو رہے ہیں، اور افسوس یہ ہے کہ ہمیں اتنی قیمتی دولت کے ضیاع کا احساس تک نہیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ فرائض کی ادائیگی میں سخت کوتاہی و لاپرواہی عام ہے، گھر کے روزمرہ کے امور سے بھی بے توجہی کی شکایات کم نہیں، حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد سب ہی پامال ہو رہے ہیں، اور حاصل کچھ بھی نہیں، نہ دین کا فائدہ نہ دنیا ہی کا حصول، نتیجتاً گھریلو ناچاقی، بے روزگاری، مالی پریشانیاں، بڑھتے ہوئے اخراجات سب جمع ہو کر ہماری مشکلات میں اضافے کا سبب بن رہے ہیں۔

ان مشکلات سے بچنے کے لئے اسلام نے اپنے اوقات کو قیمتی بنانے اور انہیں کارآمد سرگرمیوں میں صرف کرنے کی تلقین کی ہے، اور وقت کی قدر و قیمت کو واضح کیا ہے، ان مشکلات کا واحد حل یہی ہے کہ ہم اپنے وقت کو کارآمد مصروفیات میں صرف کرکے قیمتی بنائیں، اور فضول ولایعنی امور سے چھٹکارا حاصل کریں۔ قرآن حکیم میں روزِ قیامت کی

Marfat.com

منظر کشی کرتے ہوئے فرمایا گیا:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ (۴)

جس روز اللہ انہیں اکٹھا کرے گا تو (انہیں اپنی بیتی ہوئی زندگی اس قدر محسوس ہوگی کہ) گویا وہ محض ایک گھڑی کو آپس کی جان پہچان کے لئے ٹھہرے تھے۔

انہیں محسوس یہ ہوگا کہ دنیا میں ان کا قیام اتنا ہی تھا جس میں محض دو افراد باہمی ملتے ہوئے سلام دعا کرتے ہیں، اور کچھ نہیں۔ اتنی مختصر مدت کو لایعنی امور میں ضائع کر دینا نادانی نہیں تو اور کیا ہے؟

اسی بنا پر لایعنی امور سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه (۵)

اسلام کے حسن میں سے یہ بات بھی ہے کہ انسان لایعنی (فضول، بے کار) مشاغل ترک کردے۔

انسان کو وقت کی قدر و قیمت اور اہمیت کا احساس دلاتے ہوئے نبی رحمت نے فرمایا:

اغتنم خمسا قبل خمس، شبابك قبل هرمك، وصحتك قبل سقمك، وغناءك قبل فقرك، وفراغك قبل شغلك، و حیاتك قبل موتك (۶)

پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو، بڑھاپے سے پہلے جوانی، بیماری سے پہلے تن درستی، تنگ دستی سے پہلے مال داری، مشغولیت سے پہلے

۴۔ یونس: ۴۵

۵۔ ابن حبان: ج ۱، ص ۴۶۶، رقم ۲۲۹

☆ مالک بن انس (م ۱۷۹ھ)۔ الموطا۔ دار احیاء التراث العربی، مصر: ج ۲، ص ۹۰۳، رقم ۱۶۰۴

۶۔ حاکم۔ المستدرک: ج ۴، ص ۳۴۱، رقم ۷۸۴۶

Marfat.com

فراغت اور موت سے پہلے زندگی کو۔

اور ایک روایت میں آپ ﷺ نے وقت کی قدر و قیمت کی جانب اس طرح توجہ دلائی، فرمایا:

نعمتان مغبون فیهما کثیر من الناس، الفراغ والصحة (۷)

دو نعمتیں ایسی ہیں کہ جن کے بارے میں بہت سے لوگ دھوکے کا شکار ہیں، ایک فراغت اور دوسری صحت۔

ہر چڑھنے والا سورج جہاں ایک نئے دن کی نوید لے کر طلوع ہوتا ہے، وہیں اس کا مغرب کے افق میں غائب ہو جانا بھی اس امر کا غماض ہوتا ہے کہ حیات انسانی اور مہلت دنیاوی کے مزید چوبیس گھنٹے کم ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر روز صبح کو جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس وقت دن یہ اعلان کرتا ہے کہ آج اگر کوئی بھلائی کر سکتا ہے تو کر لے، آج کے بعد میں پھر کبھی واپس نہیں لوٹوں گا۔ (۸)

ان نصوص کی روشنی میں ہمیں اپنے طرز عمل کا جائزہ لینا ہوگا، تا کہ ہم مشکلات کے بھنور سے نکل کر کامیابی و کامرانی کی راہ پر گامزن ہوسکیں۔

اسراف و دکھلاوا

ایک اور بہت بڑا مرض جس میں ہم مبتلا ہیں وہ اسراف و دکھلاوا ہے، گو یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، لیکن دونوں کے نتائج یکساں ہیں۔ ریاکاری و دکھلاوے میں بھی انسان اسراف سے کام لیتا ہے، اور اسراف کے نتیجے میں بھی ریاکاری کا جذبہ پروان چڑھتا ہے، ان کے مفاسد اس قدر واضح ہیں کہ کسی بیان کے محتاج نہیں، اسلام نے تو ان کی سختی سے ممانعت کی ہے۔ اسراف درحقیقت ہماری لامحدود خواہشات کا نتیجہ ہے، جن کی ہم تکمیل کی آرزو رکھتے ہیں، حالاں کہ ان کی تکمیل اس دنیا میں تو ممکن ہی نہیں، اس لئے اسلام نے خواہشات کی تہذیب کی ہے، اور ان کی تکمیل کے لئے حدود متعین کر دی ہیں۔

۷۔ ابن ابی شیبہ۔ المصنف۔ ریاض، مکتبۃ الریاض، ۱۴۰۹ھ: ج ۷، ص ۸۲، رقم ۳۴۳۵۷

۸۔ بیہقی۔ شعب الایمان: ج ۳، ص ۳۸۶، رقم ۳۸۴۰

Marfat.com

ہم انواع و اقسام کے اسراف میں مبتلا ہیں، جن میں ہماری تقاریب سر فہرست ہیں۔ ہماری تقاریب کئی اعتبار سے اسراف کا نمونہ ہیں، مثلاً: بات بات پر تقاریب کا انعقاد گویا ہمارے فیشن کا حصہ بن گیا ہے۔

۲۔ تقاریب میں کھانوں کا اہتمام اور پھر کثرت کی وجہ سے ان کا ضیاع الگ سے اسراف ہے۔

۳۔ پھر خصوصاً تقاریب میں خواتین کے ملبوسات اور زیورات جو آرائش سے زیادہ نمائش کے کام آتے ہیں، یہ اسراف بھی ہے اور دکھلاوا بھی، یہ اسراف اکثر ایسی حدود میں داخل ہو جاتا ہے جو شریعت میں سراسر ناجائز ہیں۔

اس موقع پر ہمیں یہ غور کرنا چاہئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا معمول کیا تھا؟ اور اس دکھلاوے یا اسراف کو آپ ﷺ نے ناپسند تو نہیں فرمایا؟ جب ہم حیاتِ طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمارے سامنے یہ حقائق آتے ہیں:

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر استعمال کپڑوں کا ہمیشہ ایک ہی جوڑا ہوتا تھا۔ (۹)

۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مسلسل دو وقت سیر ہو کر روٹی نہیں کھائی۔ (۱۰)

۳۔ ایک بار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے گھر میں پردے لٹکا لئے، آپ انے دیکھا تو گھر میں داخل تک نہیں ہوئے، پوچھنے پر فرمایا کہ اس دنیاوی زیب و زینت سے میرا کیا تعلق؟ (۱۱)

اسی طرح ایک بار حضرت عائشہؓ نے اپنے حجرے میں پردے لٹکائے، آپ انے دیکھ کر ناگواری کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ ہمیں اللہ نے یہ حکم نہیں دیا کہ ہم اس کے دیئے ہوئے رزق میں سے اینٹوں اور پتھروں کو کپڑے پہنائیں۔ (۱۲)

۹۔ قاضی عیاض۔ الشفاء۔ مصطفیٰ البابی الحلبی، قاہرہ ۱۹۵۰ء: ج ا، ص ۸۲

۱۰۔ ترمذی: ج ۴، ص ۱۵۹، رقم ۲۳۶۳

۱۱۔ ابوداوٗد: ج ۴، ص ۴۲، رقم ۴۱۴۹

۱۲۔ مسلم: ج ۳، ص ۸۲، رقم ۷۱۰

Marfat.com

۴۔ حضرت فاطمہؓ کو ایک بار حضرت علیؓ نے سونے کا ہار دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو فرمایا کہ اے فاطمہ! کیا تو یہ پسند کرتی ہے کہ لوگ کہیں کہ رسول اللہ کی صاحب زادی کے ہاتھ میں آگ کی زنجیر ہے؟ حضرت فاطمہؓ نے اسے بیچ کر ایک غلام خرید کر اسے آزاد کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو فرمایا کہ خدا کا شکر ہے اس نے فاطمہؓ کو آگ سے نجات دے دی۔ (۱۳)

حال آں کہ سب ہی اس امر سے واقف ہیں کہ خواتین کے لئے زیورات کی ممانعت نہیں، اس کے باوجود آپ ا کا اپنے اہل کے بارے میں یہ معمول تھا، ایسے میں زیورات کی موجودہ کثرت اوران کے ساتھ ہمارا موجودہ ذوق وشوق کس طرح درست قرار دیا جا سکتا ہے؟

۵۔ آپ ا کے استعمال کے بستر میں صرف کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ (۱۴)

۶۔ یہ یادرہے کہ یہ سب سادگی، زہد اور قناعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیاری فعل تھا، چناں چہ ابو امامہؓ سے روایت ہے آپ ا نے فرمایا کہ مجھے میرے رب نے پیش کش کی کہ (اگر میں چاہوں تو) میرے لئے پورے بطحائے مکہ کو سونے کا بنا دیا جائے، مگر میں نے کہا: نہیں میرے رب! میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن میں سیر ہوں اور ایک دن بھوکا رہوں، آپ ا نے یہ بات تین بار فرمائی، اور جب بھوک لگے تو تیرے سامنے تضرع کروں (روؤں، گڑگڑاؤں، تجھ سے مانگوں) اور تجھے یاد کروں اور جب سیر ہوں تو تیرا شکر ادا کروں اور تیری حمد کروں۔ (۱۵)

اسی بنا پر آپ ﷺ نے قناعت کی تلقین فرمائی اور اہل قناعت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ شخص کام یاب ہو گیا جو اسلام لایا اور گزر اوقات کے مطابق اسے رزق مل گیا اور اللہ نے اسے قناعت کی دولت سے نوازا۔ (۱۶)

۱۳۔ نسائی۔ السنن الکبریٰ۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۱ء: باب الکراہیۃ للنساء فی اظہار الحلی والذھب

۱۴۔ مسلم: ج ۳، ص ۳۶۹، رقم ۲۰۸۲

۱۵۔ ترمذی: ج ۴، ۱۵۵، رقم ۲۳۵۴

۱۶۔ ترمذی: ج ۴، ص ۱۵۶، رقم ۲۳۵۵

Marfat.com

اور دوسری روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص کے لئے خوش خبری ہے جسے اسلام کی ہدایت نصیب ہوئی اور اس کی زندگی کی گزر اوقات کے مطابق اسے روزی ملی اور قناعت حاصل ہوئی۔ (۱۷)

دوسری جانب ریا کاری بھی پسندیدہ فعل نہیں، خصوصاً دینی امور میں اس کے نقصانات واضح ہیں، اللہ کے نبی ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

من سمع سمع الله به ومن راءى راءى الله به (۱۸)

جس نے اپنا کوئی عمل ظاہر کیا، اللہ تعالیٰ اس کی رسوائی کا سامان کرے گا، اور جس کسی نے اپنا کوئی عمل ریا کاری کی نیت سے کیا تو اللہ اس کے راز لوگوں پر عیاں کردے گا۔

اس بنا پر ہماری کوشش وخواہش ہونی چاہئے کہ ان خطرناک امور سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں اور ان عام ہوجانے والی برائیوں سے اپنا دامن بچانے کی کوشش کریں۔

کذب بیانی اور وعدہ خلافی

جھوٹ کو کسی معاشرے میں بھی اچھا نہیں سمجھا جاتا، نہ وعدہ خلافی کو اچھی صفت گردانا جاتا ہے، اسلام نے بھی ان سے بچنے کی سختی سے تاکید کی ہے، لیکن اس کے باوجود ہم ان امور میں مکمل طور پر غرق ہیں۔

جھوٹ اپنی اصل کے لحاظ سے ہی غلط، ناروا اور ممنوع ہے، پھر اس کی بے شمار قسمیں ہمارے ہاں رائج ہیں، لیکن سب کی سب ممنوع، اور کسی بھی معاشرے کے لئے سخت ضرور رساں۔

قرآن حکیم میں جھوٹ کی شناعت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

۱۷۔ ترمذی: ج۴، ص۱۵۶، رقم ۲۳۵۶،

☆ المستدرک: ج۱، ص۹۰

۱۸۔ مسلم: رقم ۲۹۸۶

☆ نسائی۔ کبریٰ: ج۶، ص۵۲۲، رقم ۱۱۷۰۰

Marfat.com

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝ (۱۹)

بلا شبہ اللہ اس کو راستہ نہیں دکھاتا جو جھوٹا اور ناشکرا ہو۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ۝ (۲۰)

یقیناً اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے بڑھ جانے والا، بہت جھوٹ بولنے والا ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ کو نفاق کی علامت شمار کیا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ جس شخص میں چار عادتیں ہوں وہ خالص منافق ہے، اور جس میں ان چار میں سے ایک عادت ہو تو وہ (بھی) نفاق ہی ہے جب تک وہ اسے چھوڑ نہ دے۔ پھر ان علامات کا ذکر ان الفاظ سے فرمایا:

۱۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے

۲۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے

۳۔ جب کسی سے عہد کرے تو اسے دھوکہ دے

۴۔ جب کسی سے لڑے تو گالیوں پر اتر آئے۔ (۲۱)

عہد اور وعدے کا ایفا بھی ضروری ہے اور وعدہ خلافی سخت ممنوع، قرآن حکیم میں حکم ہوا:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝ (۲۲)

اور اپنے عہد کو پورا کرو، یقیناً عہد کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

ہمارے ہاں جو جھوٹ کی اقسام رائج ہیں، ان میں عام روزمرہ کے جھوٹ سے لے کر گواہی، قسم اور شہادت میں غلط بیانی، جھوٹے سرٹیفکیٹ، وکلا کا غلط کیس لینا، غلط سفارش، ناپ تول میں کمی، تجارتی فریب، صحافتی رپورٹنگ میں غلط بیانی اور حکومتی وسیاسی

۱۹۔ الزمر: ۳

۲۰۔ المومن: ۲۸

۲۱۔ بخاری: ج ۱، ص ۱۶، رقم ۳۴

۲۲۔ بنی اسرائیل: ۳۴

Marfat.com

سطح کے جھوٹ سب ہی شامل ہیں، سب سے ہی بچنے کا حکم ہے، اور ہماری موجودہ مشکلات میں بھی ان کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔

خیانت و بد دیانتی

جھوٹ اور کذب بیانی کے بعد جس دوسرے متعدی نوعیت کے مرض میں ہم شدت سے مبتلا ہیں، وہ خیانت اور بد دیانتی ہے، یہ مرض بھی ہم میں اس قدر سرائیت کر گیا ہے کہ اس سے چھٹکارا حاصل کرنا بھی آسان نظر نہیں آتا۔ امانت کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص کوئی کام یا کوئی چیز یا کوئی مال اس بھروسے اور اعتماد کے ساتھ دوسرے شخص کے سپرد کرے کہ وہ شخص اس سلسلے میں اپنا فرض پوری ذمے داری کے ساتھ بجالائے گا، اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرے گا۔ قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (۲۳)

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے مالکوں کو ادا کردو۔

حدیث میں بھی اس کی بڑی تاکید آئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی تمہارے پاس کوئی چیز امانت رکھے تو تم اس کو واپس کر دیا کرو، اور جو تم سے خیانت کرے تم اس سے خیانت نہ کرو۔ (۲۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کبھی بھی خطبہ دیا تو اس میں یہ ضرور فرمایا کہ جس شخص کے اندر امانت نہیں، اس کے اندر ایمان نہیں اور جس شخص میں عہد کا پاس نہیں، اس کے پاس دین نہیں۔ (۲۵)

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر چار چیزیں تمہیں میسر ہوں تو دنیا کی کسی چیز سے محرومی تمہارے لئے نقصان دہ نہیں، اور وہ یہ ہیں:

۲۳۔ النساء: ۵۸

۲۴۔ ابو داؤد: ج ۳، ص ۲۷۶، رقم ۳۵۳۴

۲۵۔ احمد۔ المسند: ج ۳، ص ۵۹۴

Marfat.com

۱۔ امانت کی حفاظت کرنا

۲۔ سچ بولنا

۳۔ خوش خلقی اختیار کرنا

۴۔ روزی میں پاکیزگی اختیار کرنا۔ (۲۶)

امانت کا مفہوم بہت وسیع ہے، اور انسانی زندگی کا ہر شعبہ اس کے دائرے میں داخل ہے، مثال کے طور پر تاجر کے لئے امانت یہ ہے کہ وہ لین دین میں سچ بولے اور دیانت داری سے تجارت کرے، آجر کے حق میں امانت یہی ہے کہ وہ اجیر (مزدور) کے حقوق کی ادائیگی بروقت کرے، اور اس میں کسی بخل سے کام نہ لے، اجیر کے حق میں امانت یہ ہوگی کہ وہ مالک اور آجر کے حقوق کی نگہ بانی کرے اور اس کے مفاد کا بھرپور خیال رکھے، ملازم اپنی ڈیوٹی پوری ذمے داری سے ادا کرے، صنعت کار اپنا فریضہ دیانت داری سے انجام دے اور کسی قسم کی غلط سرگرمی میں ملوث نہ ہو، یہ سب امانت داری ہے، اور اگر کوئی شخص اس کے برعکس کرتا ہے تو وہ خیانت کا مرتکب ہے، اور خیانت کے برا ہونے میں کس کو کلام ہوسکتا ہے؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ادو الخیاط والمخیط وایاکم والغلول، فانہ عار علی اھلہ یوم القیٰمۃ (۲۷)

دھاگا اور سوئی (تک) ادا کردو، اور خیانت سے بچو، اس لئے کہ یہ خیانت قیامت کے دن عار اور ندامت کا باعث ہوگی۔

خیانت کی ہمارے ہاں بہت سی شکلیں رائج ہیں، ملازمت کے اوقات میں خیانت سے لے کر ذمے داریوں کی ادائیگی میں خیانت تک، اور علمی خیانتوں سے لے کر عملی خیانت تک کتنی ہی غلط راہیں ہم نے تراش لی ہیں، ہم وقت پر دفتر نہیں پہنچتے، ذمے داریوں کی ادائیگی میں امانت و دیانت کا لحاظ نہیں رکھتے، دوسروں کے حقوق کی ادائیگی میں خیانت کر جاتے ہیں، لین دین میں اپنے مفادات کو ترجیح دے کر دوسروں کو نقصان پہنچانا

۲۶۔ احمد: ج ۲، ص ۱۷۷، رقم ۶۶۱۴

۲۷۔ دارمی: ج ۲، ص ۳۰۲، رقم ۲۴۸۷

Marfat.com

عام ہے۔ یہ سب چیزیں خیانت میں شامل ہیں اور ہمارے لئے سخت ممنوع، ہماری بہت سی مشکلات اس بنا پر ہیں کہ ہم امانت و دیانت کے ان اسلامی تقاضوں کا پاس نہیں رکھتے، جن کی تاکید قرآن و حدیث میں بار بار کی گئی ہے۔ ان اصولوں کو نافذ کئے بغیر ایک فلاحی معاشرے کا قیام ممکن نہیں، اور اس مقصد کے لئے ہر شخص آج ہی سے اپنی ذات سے اس کا آغاز کر سکتا ہے۔

رزق حلال کی ضرورت

ہماری بہت سی مشکلات کا ایک سبب رزق حلال کی کمی ہے، ہمارا مطمع نظر صرف کمائی بن کر رہ گیا ہے، خواہ وہ کسی طریقے سے ہو، اکثریت کے سامنے تو حلال، حرام کا تصور رہا ہی نہیں، جنہیں اس کا تھوڑا بہت خیال ہے وہ بھی حیلے بہانے سے سب کچھ جائز کر لیتے ہیں، حالاں کہ یہ بات ہمارے سامنے رہنی چاہیئے کہ حرام کھانے کا گناہ اپنی جگہ پر، آخرت کا وبال بھی درست، لیکن ان کے علاوہ خود ہماری دنیاوی زندگی بھی اس کے ساتھ اطمینان و سکون کے ساتھ نہیں گذر سکتی، ایک جانب حرام لقمہ ہماری خوراک بن رہا ہو اور دوسری جانب ہم آرام و بے فکری کی زندگی بسر کریں، یہ ممکن ہی نہیں۔ حرام غذا سے اسلام کے منع کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کے اثرات خود ہم پر ہی پڑتے ہیں اور اس کے نقصانات بہ راہ راست ہمیں ہی متاثر کرتے ہیں، جن میں سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ ہمارے مال، زندگی اور کام سب سے برکت اٹھ جاتی ہے، مشکلات بڑھنے لگتی ہیں، مسائل میں اضافہ ہوتا ہے، غیر متوقع اخراجات سامنے آتے ہیں، اور زندگی حادثات کا شکار ہونے لگتی ہے، ان سے بچنے کا واحد نسخہ یہ ہے کہ کسب حلال کی کوشش کریں اور حرام سے ہر صورت میں بچیں، اسلام نے جہاں ایک جانب حلال کمائی کی تلقین کی ہے، وہیں حرام سے بچنے کی بھی سخت تاکید فرمائی ہے، قرآن حکیم میں رزق حلال کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

يَآيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا كُلُوا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَارَزَقۡنٰكُمۡ (۲۸)

اے ایمان والو! تم ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں۔

۲۸۔ البقرہ:۲:۱۷۲۔

Marfat.com

نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

طلب الحلال فریضة بعد الفریضة (۲۹)

حلال روزی کا طلب کرنا (دوسرے) فرائض کے بعد ایک فریضہ ہے۔

اس طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کمائی سے اجتناب کی تلقین واضح الفاظ میں اور متعدد مقامات پر کی ہے، جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ ﷺ نے کعب بن عجرہؓ سے فرمایا:

انه لن یدخل الجنة لحم نبت من سحت (۳۰)

بلاشبہ حرام کمائی سے پلنے والا گوشت جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔

ایک موقع پر حرام کمائی سے صدقہ و خیرات کرنے والوں کی بابت فرمایا کہ جس شخص نے برائی کے ذریعے مال کمایا پھر اس کے ذریعے صلہ رحمی کی یا اس سے صدقہ کیا یا اسے اللہ کے راستے میں خرچ کیا تو یہ سارا مال جمع کر کے اس کے ساتھ جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ (۳۱)

مایوسی اور نا امیدی

جن مسائل سے آج ہم ذاتی حیثیت میں دو چار ہیں، اور جو آج کسی نہ کسی اعتبار سے ہمارے گھروں کو متاثر کیے ہوئے ہیں، ان کے تمام نقصانات اپنی جگہ پر، لیکن ان کا ایک سب سے بڑا نقصان یہ سامنے آ رہا ہے کہ نا امیدی اور مایوسی جیسی خطرناک نفسیاتی کیفیت سے ہم دو چار ہوتے جا رہے ہیں۔ خصوصاً مستقبل کے حوالے سے مسلسل ایسے خیالات ہمارے ذہنوں میں پرورش پا رہے ہیں جو ہمیں مایوسیوں کی جانب دھکیلنے کا باعث بن رہے ہیں، ہمیں اس حوالے سے بھی اسلامی تعلیمات کو پیش نظر رکھنا چاہئے، تاکہ اس کیفیت سے باہر نکل سکیں، کیوں کہ ایسی ہر سوچ اسلام کے منافی ہے۔ اسلام تو خدائے

۲۹۔ طبرانی۔ المعجم الکبیر۔ مکتبۃ العلوم والحکم، موصل، ۱۹۸۳: ج ۱۰، ص ۷۴

۳۰۔ دارمی: ج ۲، ص ۴۰۹، رقم ۲۷۷۶

۳۱۔ ابن رجب حنبلی (م ۷۵۰ھ)۔ جامع العلوم والحکم۔ بیروت، دار المعرفہ، ۱۴۰۸ھ: ج ۱، ص ۱۰۲

Marfat.com

واحد پر غیر متزلزل ایمان کی دعوت دیتا ہے جو حوادث کے سامنے ہر حالت میں پورے استقلال کے ساتھ قائم رہتا ہے، اور مصائب و مشکلات کی آندھیاں اسے ذرہ برابر بھی متاثر نہیں کر سکتیں۔

درحقیقت انسانی مزاج دو انتہاؤں سے عبارت ہے، ایک جانب اگر خوف، شکستگی اور انفعالیت کی انتہا ہے تو دوسری جانب ہر طرح کے نتائج و عواقب سے بے پروا ہو کر دنیاوی لذتوں سے جیسے بھی ممکن ہو اور جس قدر بھی ممکن ہو، لطف اندوزی کی انتہا ہے۔ یہ دونوں انتہائیں انسان کی حقیقی کام یابی کی راہ کی بڑی رکاوٹ ہیں، اس لئے اسلام کو ان میں سے ایک بھی انتہا مطلوب نہیں، وہ تو دونوں کے درمیان ایک راہ متعین کرتا ہے، اعتدال کی راہ۔ اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ خوف و رجا کے ارتباط سے ایسی معتدل کیفیت تشکیل پائے جہاں ایک جانب تو خدا کا خوف اسے منکرات کی جانب بڑھنے سے روکے تو دوسری جانب اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید اسے حیات مستعار کے آخری سانس تک جدوجہد کرنے پر ابھارتی رہے۔ اسلام تو ناامیدی کا تعلق گم راہوں سے جوڑتا ہے، گویا اس کے نزدیک راہ حق پر جو لوگ گام زن ہوں انہیں تو ناامیدی چھو کر بھی نہیں گذر سکتی۔ ناامیدی تو اسلام کے مزاج کے یکسر خلاف ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول قرآن حکیم نے ہم تک یوں پہنچایا:

وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ O (۳۲)

اپنے رب کی رحمت سے تو فقط گم راہ لوگ ہی ناامید ہوتے ہیں۔

یہی تعلیم حضرت یعقوب علیہ السلام کی زبانی بھی ہمیں ملتی ہے۔ (۳۳) اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے ہم گناہ گاروں کو مخاطب کر کے فرمایا:

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (۳۴)

اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، تم اللہ کی رحمت سے ناامید

۳۲۔ الحجر، ۵۶:

۳۳۔ یوسف: ۸۷

۳۴۔ الزمر: ۵۳

Marfat.com

مت ہونا۔

اسی لئے دوسرے مقام پر قرآن حکیم نے امید کا تعلق مومنین سے جوڑا اور بتایا کہ رحمت باری کی امید صرف مومن ہی رکھ سکتا ہے، فرمایا:

وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَالَا يَرْجُوْنَ (۳۵)

اور تمہیں اللہ سے وہ امید ہے جو ان (کافروں) کو نہیں۔

انسان جب بھی مشکلات سے دوچار ہوتا ہے تو اس کا یقین ڈگمگانے لگتا ہے، حالاں کہ یہ بات حد درجہ غلط ہے کہ مشکلات میں انسان اپنے رب کو بھلا بیٹھے یا اس کی رحمت سے ناامید ہو جائے، بھلا مشکلات یا مصائب کا اللہ کی رحمت سے کیا تعلق؟ اللہ کی عمومی رحمت تو ہر انسان، بل کہ ہر جاندار کے لئے یک ساں ہے، پھر انسانوں پر تو وہ خاص مہربان ہے کہ اسے اشرف المخلوقات کا درجہ فضیلت عطا فرمایا، اور رہے مسلمان وہ تو اس کے خاص فضل و کرم کے مستحق ہیں کہ خود اس کے فرمان کے مطابق اہل جنت فقط مسلمان ہیں، یعنی وہ جو ہر دور میں صراط مستقیم پر گام زن رہے، اور اس کے انبیائے کرام پر ایمان لاتے اور ان کے احکامات کی بجا آوری کرتے رہے، اس لئے نبی رحمت علیہ الصلاۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں حسن ظن رکھنے کو عبادت قرار دیا، فرمایا:

ان حسن الظن باللّٰہ عزوجل من حسن عبادة اللّٰہ (۳۶)

بلاشبہ اللہ کے بارے میں حسن ظن رکھنا بھی عبادت کرنا ہے۔

اور اللہ کے بارے میں حسن ظن کا یہی مفہوم ہے کہ اس کی رحمت کی امید رکھی جائے، اور اس پر ہر حال میں اور ہر کام میں بھروسا کیا جائے، حدیث قدسی میں خود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

انا عند ظن عبدی فلیظن بہ ماشاء (۳۷)

میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوتا ہوں، سو وہ جو چاہے میرے بارے

۳۵۔ النساء: ۱۰۴

۳۶۔ احمد: ج ۲، ص ۴۳، رقم ۸۴۹۳

۳۷۔ دارمی: ج ۲، ص ۳۹۵، رقم ۲۷۳۱

Marfat.com

میں گمان رکھے۔

اسی لئے اسلام نے خوف ورجا دونوں کو جمع کر دیا ہے، نیک بندوں اور صالحین کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

تَتَجَا فٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا (۳۸)

ان کے پہلو بستروں سے جدا رہتے ہیں، وہ اپنے رب کو خوف و امید کی کیفیات کے ساتھ پکارتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مومن کے قلب میں خوف و رجا کی دونوں کیفیتیں بہ یک وقت یک جا ہونی چاہئیں، وہ ایک جانب اگر اپنے گناہوں کی باز پرس اور خطاؤں پر مواخذے کا ڈر رکھتا ہو تو دوسری جانب وہ اللہ کی رحمت کی امید سے بھی مالا مال ہو۔ یہ دونوں کیفیات اس لئے بھی ضروری ہیں کہ ایک جانب اگر ڈر گناہوں اور معاصی پر جری ہونے سے باز رکھتا ہے تو امید رحمت اسے مایوس وشکستہ دل نہیں ہونے دیتی، اس کی آرزؤں کو توانا اور عزائم کو بلند رکھتی ہے جو کارزار حیات میں سرگرم ہونے کے لئے از بس ضروری ہے۔

حسن اعتدال پر مبنی خوف ورجا کی اسی کیفیت کے ذریعے ہم مایوسی و ناامیدی کی فضا سے نکل سکتے ہیں، اور اللہ کی رحمت اور اس کے فضل و کرم کی امید کی رسی تھام کر ہی ہم مصائب اور حوادث کی مشکل گھڑیوں میں جہد مسلسل کے سلسلے کو دوبارہ قائم کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو۔ آمین

۳۸۔ السجدۃ:۱۶

Marfat.com

اسلامی نظمِ معیشت اور کفالتِ عامہ میں زکوۃ کی اہمیت

مقالات سیرت، وزارت مذہبی امور، حکومت پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۰۱ء

Marfat.com

اسلامی نظمِ معیشت اور کفالتِ عامہ میں زکوٰۃ کی اہمیت

تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

اسلامی نظام کی اہم خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ انفرادی ضرورتوں کے ساتھ ساتھ اجتماعی مفادات پر بھی بھرپور توجہ مرکوز کرتا ہے، اس کے اقدامات کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کی تعلیمات کے زیر اثر تشکیل پانے والے معاشرے میں انسان کی اجتماعی و انفرادی ضرورتوں پر برابر توجہ دی جائے اور اس فلاحی معاشرے کے فوائد و ثمرات سے تمام افراد ہر طرح کی تفریق سے قطع نظر مساوی طور پر متمتع اور بہرہ مند ہوں، اسی لئے نبی اکرم، رحمتِ عالم، ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر روشنی و راہ نمائی ملتی ہے اور اس تناسب کے ساتھ کہ نہ کسی کو زیادہ توجہ کا مرتکز قرار دیا جاسکتا ہے، نہ کسی فریق کی بابت یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کے حقوق و مفادات کی پوری رعایت نہیں رکھی گئی، پھر ہر فریق کے حقوق کے ساتھ ساتھ اس کے فرائض بھی اسی تناسب سے بیان کئے گئے ہیں کہ یہ بھی اعتدال برقرار رکھنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

اسلامی نظام اور تعلیماتِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی یہ خصوصیات و امتیازات مالی امور اور نظامِ معیشت میں بھی نمایاں نظر آتی ہیں۔

Marfat.com

مالی امور کا معاملہ اور معاملات کی بہ نسبت زیادہ پیچیدہ بھی ہے اور خطرناک بھی، ذرا سی کم توجہی اور معمولی سی فروگزاشت کسی فریق کو حد سے زیادہ فوائد رسی کا سبب بن سکتی ہے تو دوسری جانب کسی طبقے کے لئے مشکلات و مصائب کا در بھی وا کرسکتی ہے، اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اسلام کے تعلیم فرمودہ نظمِ معیشت سے اسلام کا یہ امتیاز زیادہ واضح ہوکر سامنے آتا ہے کہ اس میں نہ کسی قسم کا ابہام ہے، نہ پیچیدگی اور نہ کسی فریق کی حق تلفی کی گئی ہے، نہ کسی کو بلا جواز نوازا گیا ہے۔

اسلام اس مساوات کا قائل نہیں، جس کے تحت ہر ایک کو برابر کی مالی حیثیت اور ایک ہی تناسب سے مادی آسائش اور ملکیت رکھنے کا استحقاق حاصل ہو، کہ یہ بالکل غیر فطری اور قطعاً ناممکن العمل ہوگا، البتہ وہ اعتدال کا ضرور قائل ہے، اسی لئے اگر کوئی معاشرہ صحیح طور پر اسلامی ہدایات اور درست طریقے سے نبوی تعلیمات علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر عمل پیرا ہو جائے تو اس کا پہلا ثمرہ یہ سامنے آتا ہے کہ اس معاشرے میں نہ تو کوئی حد سے زیادہ غریب رہتا ہے، نہ کسی کی دولت عضوِ معطل بن کر ''ارتکازِ دولت'' کی حد کو چھوتی ہے، کیوں کہ وہ کفالتِ عامہ کا ایسا مکمل و مسلسل جاری رہنے والا نظام پیش کرتا ہے، جس پر سنجیدگی اور مکمل دیانت داری سے عمل کرنے والے معاشرے اور ممالک میں ایک وقت ایسا بھی آتا ہے، جب زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے صاحبِ نصاب حضرات زکوٰۃ ہاتھ میں لئے مستحقین کی تلاش میں سرگرداں پھرتے ہیں اور کوئی سچا مستحق زکوٰۃ تو کجا، استحقاقِ زکوٰۃ کا صرف دعوے دار بھی سامنے نہیں آتا، زیرِ نظر موضوع اسلامی نظامِ معیشت کی اسی خوبی و امتیاز کی توضیح و تشریح ہے، چناں چہ آئندہ سطور میں تمہیدی مباحث کے علاوہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے اس پہلو کا قدرے تفصیلی جائزہ لیا جائے گا، واللہ ھو الموفق و علیہ التکلان،

زکوٰۃ، اشتقاق ولغوی معنی

لفظ زکوٰۃ صَدَقَۃٌ کی طرح فَعَلَۃ کے وزن پر ہے۔ یہ ان اسما میں سے ہے جو مخرج و فعل میں مشترک ہیں اور جن کا عین پر اطلاق ہوتا ہے، اور معنی ہے: الطائفۃ من مال[1]

Marfat.com

المزکی بها (۱) اور دوسرے اعتبار سے یہ تزکیہ کا فعل ہے، جیسا کہ ذکاۃ تذکیہ (ذبح کرنا) کا فعل ہے۔ (۲) جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذکاۃ الجنین ذکاۃ امه۔ (۳) زکوٰۃ کے لغوی معنی طہارۃ (پاکیزگی) نما (بڑھنے) برکت (اضافہ) اور مدح (تعریف) کے ہیں، اور لفظِ زکوٰۃ ان تمام معانی میں قرآن وحدیث میں استعمال ہوا ہے۔ (۴) چناں چہ کہا جاتا ہے: زکت النفقة، جب کہ اس میں اضافہ ہو جائے، اور مدح کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: زکی نفسه، جب کوئی اپنی تعریف کرے وغیرہ۔ (۵) زکوٰۃ سے مراد تزکیہ ہے، سو معنی یہ ہوئے کہ زکوٰۃ مال کی پاکیزگی کا سبب ہے، اور زکوٰۃ الفطر طهرة للابدان یعنی صدقۂ فطر بدن کی طہارت کا سبب ہے۔ (۶) زکوٰۃ اصل میں اس اضافے کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے برکت فرمانے سے حاصل ہوتا ہے اور اس میں دنیاوی و اخروی دونوں اضافے اور دونوں طرح کی برکتیں شامل ہیں، جیسا کہ کہا جاتا ہے: زکاالزرع یزکوا، جب کہ اس سے نمو اور برکت (فعل) حاصل ہو۔ (۷)

۱۔ مجد الدین ابو السعادات المبارک بن محمد الجزری، ابن الاثیر، م ۶۰۶۔ النهایه فی غریب الحدیث والاثر۔ موسسة اسماعیلیان، قم، ایران: ج ۲، ص ۳۰۷

☆ جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری م ۵۸۳ھ۔ الفائق فی غریب الحدیث۔ دار الفکر، بیروت: ۱۹۹۳ء، ج ۲، ص ۱۱۹

☆ لسان العرب: ج ۱۴، ص ۳۵۸

۲۔ الفائق: ج ۲، ص ۱۱۹

☆ النهایه: ج ۲، ص ۳۰۷

۳۔ ابوداؤد: ج ۳، ص ۱۸، رقم ۲۸۲۸

۴۔ النهایه: ج ۲، ص ۳۰۷

۵۔ احمد بن محمد بن اسماعیل الطحطاوی الحنفی، م ۱۲۳۱ھ۔ حاشیه علی مراقی الفلاح۔ مصطفیٰ البابی الحلبی مصر، ۱۹۳۷ء: ص ۴۲۹، کتاب الزکاة

۶۔ النهایه: ج ۲، ص ۳۰۷

۷۔ المفردات: ص ۲۱۳

Marfat.com

علامہ شامی کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث میں زکوٰۃ ان تمام معانی میں استعمال ہوا ہے جو اہلِ لغت بیان کرتے ہیں، مثال کے طور پر:

۱۔ تطہیر کے معنی میں اس کا استعمال، قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے،

خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا (۸)

لے لیجئے ان کے اموال سے زکوٰۃ تاکہ ان کو پاک صاف بنا دیں اس کے ذریعے

۲۔ تنمیہ بالخلف، جیسے فرمایا:

وَمَاۤ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَهُوَ يُخۡلِفُهٗ (۹)

اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو وہ اس کا عوض ہوتا ہے۔

اور فرمایا:

وَيُرۡبِى الصَّدَقَاتِ (۱۰)

وہ صدقات کو بڑھاتا ہے۔

۳۔ برکت، اسی سے برکت بھی حاصل ہوتی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا ينقص مالٌ من صدقة (۱۱)

زکوٰۃ دینے سے مال کم نہیں ہوتا،

۴۔ مدح، زکوٰۃ دینے والے کی مدح کی جاتی ہے اور اسے اچھے لفظوں میں یاد کیا جاتا ہے، خود قرآن تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوۡنَ ○ (۱۲)

یہ وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

۸۔ التوبہ:۱۰۳

۹۔ السبا:۳۹

۱۰۔ البقرہ:۲۷۶

۱۱۔ احمد۔ المسند: ج۱، ص۳۱۶، رقم ۱۶۷۷

۱۲۔ المومنون:۴

Marfat.com

اور فرمایا:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ (۱۳)

بلاشبہ وہ کامیاب ہوگیا جسے تزکیہ حاصل ہوگیا۔

وجہ تسمیہ

زکوٰۃ کو زکوٰۃ اس لئے کہتے ہیں کہ انسان اس سے برکت کی امید رکھتا ہے، یا اس لئے کہ اس سے انسان اپنے تزکیے اور پاکی کا خواہاں ہوتا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس میں دونوں مفہوم شامل ہوں، کیوں کہ زکوٰۃ میں یہ دونوں بھلائیاں موجود ہیں۔ (۱۴)

ابن قتیبہ کے بہ قول زکوٰۃ زکاء سے مشتق ہے اور اس کے معنی بڑھنے اور زیادہ ہونے کے ہیں، اور چوں کہ یہ انسان کو مال دار بناتی ہے اس لئے اسے زکوٰۃ کہتے ہیں۔ (۱۵) اور زہری کے بہ قول چوں کہ اس میں تزکی الفقراء یعنی فقرا کا مال دار ہونا پایا جاتا ہے، اس لئے اسے زکوٰۃ کہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ قرآنِ کریم میں جو یہ فرمایا گیا: تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا (۱۶) اس میں تطہیر، زکوٰۃ دینے والوں کی مراد ہے اور تزکیہ فقرا کا مراد ہے، یعنی زکوٰۃ کے دو مقاصد ہیں: فقرا کا مال دار ہونا اور زکوٰۃ دینے والوں کا پاکیزگی حاصل کرنا۔ (۱۷)

ابن العربی کے بہ قول زکوٰۃ کا لفظ صدقۂ واجبہ ومندوبہ، نفقہ، حق اور عفو سب پر بولا جاتا ہے۔ (۱۸)

زکوٰۃ کو صدقہ بھی کہا جاتا ہے، کیوں کہ وہ بندے کے اپنی عبودیت میں صادق

۱۳۔ الاعلیٰ: ۱۴

۱۴۔ المفردات: ۲۱۳

۱۵۔ محمد امین ابن العابدین شامی م ۱۲۵۲۔ ردالمختار علی الدرالمختار۔ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۴ء: ج ۳، ص ۱۷۰

۱۶۔ التوبہ: ۱۰۳

۱۷۔ ردالمختار: ایضاً

۱۸۔ فتح الباری: ج ۳۔ ص ۳۳۵،

Marfat.com

ہونے پر دلالت کرتا ہے۔(۱۹)

لفظ زکوٰۃ کا اس معنی میں بھی قرآن کریم استعمال ہوا ہے۔(۲۰)

اصطلاحی معنی

اصطلاح میں زکوٰۃ کی تعریف یہ کی گئی ہے:

هی تمليك مالِ مخصوص لشخص مخصوص (۲۱)

زکوٰۃ مخصوص شخص کو مخصوص مال کا مالک بنانا ہے۔

فقہ کی زبان میں مختلف شرائط کا خیال رکھتے ہوئے اس کی تشریح اس طرح کی گئی ہے:

هی تمليك جزمن مال معين شرعا من فقير مسلم غير هاشمی ولا مولاهٔ مع قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالىٰ (۲۲)

اللہ کے لئے اپنے مال کا ایک حصہ جو شرح نے مقرر کیا ہے کسی مسلمان فقیر وغیرہ کو دے کر اسے اس طرح اس کا مالک بنا دینا ہے کہ اپنا نفع اس سے بالکل منقطع کر لے اور وہ فقیر ہاشمی یا ہاشمی کا آزاد کردہ غلام نہ ہو۔

اور ابن العربی کے بہ قول اس کی تعریف یہ ہے:

اعطا جزمن النصاب الحولی الی فقير ونحوه غير هاشمی ولا مطلبی (۲۳)

۱۹۔احاشیہ مراقی الفلاح:ص ۴۲۹

۲۰۔التوبہ:۱۰۳

۲۱۔حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی حنفی۔ مراقی الفلاح۔ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ۱۹۳۷ء، مع حاشیہ طحطاوی:ص ۴۲۹، کتاب الزکاۃ

۲۲۔شیخ عبدالرحمٰن بن شیخ محمد بن سلیمان، شیخ زادہ۔ مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر۔ درسعادت، مصر، ۱۳۲۷ھ: ج ۱،ص ۱۹۲

۲۳۔فتح الباری: ج ۳،ص ۱۳۳۵

Marfat.com

لفظ زکوٰۃ کا استعمال قرآنِ حکیم میں

لفظِ زکوٰۃ قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ (۲۴) یہاں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَO (۲۵)

اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور جھکو جھکنے والوں کے ہم راہ۔

فَاَرَدْنَآ اَنْ یُّبْدِلَھُمَا رَبُّھُمَا خَیْرًا مِّنْہُ زَکٰوۃً وَّ اَقْرَبَ رُحْمًاO (۲۶)

تو ہم نے چاہا کہ ان کا پروردگار انہیں اس سے بہتر عوض عطا فرمائے، پاکیزگی اور قریب تر مہربانی میں۔

وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ زَکٰوۃً ط وَکَانَ تَقِیًّاO (۲۷)

اور ہم نے اسے رحم دلی دی اپنی طرف سے اور طہارتِ نفس، اور وہ پرہیز گار تھا۔

لفظ زکوٰۃ، احادیثِ نبویہ میں

احادیث میں بھی لفظ زکوٰۃ اور اس کے مشتقات کثرت سے استعمال ہوئے ہیں، ہم صرف تین مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

زکوٰۃ البدن الجوع (۲۸)

بدن کی زکوٰۃ اس کا بھوکا رکھنا ہے۔

زکوٰۃ الجسد الصوم (۲۹)

جسم کی زکوٰۃ، روزہ ہے۔

۲۴۔ کل ۳۲ مقامات پر لفظ زکوٰۃ آیا ہے، سیّد فضل الرحمٰن۔ معجم القرآن: ص ۲۳۴

۲۵۔ البقرہ: ۴۳

۲۶۔ الکہف: ۸۱

۲۷۔ مریم: ۱۳

۲۸۔ الزبیدی۔ اتحاف السادۃ المتقین۔ دار التصویر، بیروت: ج ۷، ص ۳۹۵

۲۹۔ ابن ماجہ: ج ۲، ص ۵۵۵، رقم ۱۷۴۵

Marfat.com

زکوٰۃ الارض یُبسھا (۳۰)

زمین کی پاکی اس کا خشک ہو جانا ہے۔

زکوٰۃ زمانہ قبل از اسلام میں

زکوٰۃ کا شمار ان عبادتوں میں ہوتا ہے جو کسی نہ کسی شکل میں سابقہ امتوں میں موجود رہی ہیں۔ مقدار کا، طریقۂ کار کا، اور مصارفِ زکوٰۃ کا اختلاف ہوسکتا ہے، اور ہے لیکن زکوٰۃ کی حقیقت کافی قدیم ہے، جس طرح نماز ہر مذہب کا جزو لاینفک ہے، اسی طرح زکوٰۃ بھی تمام مذاہب کا ہمیشہ ضروری جز رہی ہے، اس بارے میں چند اشارے قرآن کریم میں بھی ملتے ہیں۔ مثلاً:

بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ نے جو عہد لیا تھا، اس میں نماز اور زکوٰۃ دونوں شامل تھیں، قرآن کہتا ہے:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ (۳۱)

(بنی اسرائیل کو حکم ہوا) نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے تذکرے میں یہ ذکر ملتا ہے:

وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ (۳۲)

اور وہ (کامل) اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا کرتا تھا۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیان میں ہے۔ خود حضرت عیسیٰ اپنے بارے میں کہتے ہیں:

وَاَوْصٰنِىْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَادُمْتُ حَيًّا ○ (۳۳)

اور مجھے حکم دیا نماز اور زکوٰۃ کا، جب تک میں زندہ رہوں۔

۳۰۔ النہایہ: ج ۲، ص ۳۰۸، فی حدیث باقر

۳۱۔ البقرہ: ۴۳

۳۲۔ مریم: ۵۵

۳۳۔ مریم: ۳۱

Marfat.com

زکوٰۃ اسلام میں

زکوٰۃ کا ذکر ان آیات میں بھی ملتا ہے جو مکی ہیں۔ (۳۴) اس طرح یہ امر تو ثابت ہے کہ زکوٰۃ کسی نہ کسی صورت میں مکی زندگی میں بھی موجود تھی، البتہ باقاعدہ فرضیت مدنی دور میں ہوئی ہے، بہ قول جناب ڈاکٹر حمید اللہ:

زکوٰۃ کا آغاز رضاکارانہ ہوا، زمانۂ جاہلیت میں بھی خیرات کی صورت میں مالی کفالت کا طریقۂ کار موجود تھا جو اسلام کے آغاز میں بھی باقاعدہ فرضیتِ زکوٰۃ تک برقرار رہا۔ (۳۵) البتہ مدنی دور میں اس کا مکمل نظام قائم ہوا، لیکن اس کی تاریخ فرضیت میں اختلاف ہے، اس موضوع پر علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیلی بحث کی ہے، ان کا کہنا ہے کہ اکثر کی رائے میں ہجرت کے بعد زکوٰۃ فرض ہوئی ہے، پھر ایک قول یہ ہے کہ سن ۲ ہجری میں رمضان کی فرضیت سے قبل زکوٰۃ فرض ہوئی ہے، نووی کا بھی یہی خیال ہے، البتہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں اس پر جزم کیا ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت ۹ ہجری میں ہوئی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جب زکوٰۃ فرض ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے ثعلبہ بن حاطب کے پاس عاملِ زکوٰۃ کو بھیجا تو انھوں نے جواب دیا تھا کہ یہ تو جزیہ ہے، اور جزیہ ۹ ہجری میں فرض ہوا ہے، لیکن چوں کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس لئے اس سے استدلال درست نہیں۔

ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت ہجرت سے پہلے ہوئی ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے دربار میں اور باتوں کے علاوہ یہ بھی کہا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز، زکوٰۃ اور روزے کا حکم دیتے ہیں، لیکن اس سے مراد یہ ہو سکتی ہے کہ وہ عام نماز ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں نہ کہ خاص پانچ وقتہ نماز کا، اسی طرح عام روزے کا حکم دیتے ہیں نہ کہ خاص رمضان کے فرض روزوں کا، ایسے ہی صدقات کی ادائیگی کا حکم دیتے ہیں نہ کہ خاص زکوٰۃ کی ادائیگی کا، جو مخصوص نصاب کے

۳۴۔ المزمل: ۲۰

۳۵۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ خطباتِ بہاول پور۔ دارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء: ص ۳۶۰

Marfat.com

مالک ہونے اور اس پر سال گزرنے کے بعد واجب ہوتی ہے، اگر روایت سے یہ مراد لے لیا جائے تو استدلال درست نہیں ہوگا، کیوں کہ نماز، روزے اور صدقات کی ادائیگی کا حکم پہلے سے ہے، جب کہ یہ مخصوص پانچ وقتہ نماز، رمضان کے روزے اور مروجہ زکوٰۃ کی فرضیت اس وقت تک نازل نہیں ہوئی تھی۔

اور اس بات کی دلیل کہ زکوٰۃ کی فرضیت ۹ ہجری سے قبل ہوئی ہے یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کا قول ذکر ہوا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ یہ صدقات (زکوٰۃ) ہمارے اغنیا سے لے کر ہمارے فقرا میں تقسیم کیے جائیں اور ضمامؓ ۵ ہجری میں مدینہ آئے تھے۔

اب رہی اس بات کی دلیل کہ زکوٰۃ کی فرضیت ہجرت کے بعد ہوئی ہے تو اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ رمضان کے روزے ہجرت کے بعد فرض ہوئے ہیں، کیوں کہ جس آیت میں ان کی فرضیت کا ذکر ہے، وہ بالا تفاق مدنی ہے اور امام احمد، ابن خزیمہ، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم کی روایت میں قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقۃ الفطر ادا کرنے کا حکم، زکوٰۃ کا حکم نازل ہونے سے قبل دیا، پھر زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو صدقۃ الفطر کی ادائیگی کا حکم دیا، نہ اس سے ہمیں منع کیا، سو ہم اسے ادا کرتے رہے، اس سے ثابت ہوا کہ صدقۃ الفطر زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے فرض ہوا، سو معلوم ہوا کہ زکوٰۃ، رمضان کے روزوں کی فرضیت کے بعد فرض ہوئی، لہٰذا ثابت ہوا کہ زکوٰۃ کی فرضیت ۲ ہجری میں رمضان کے روزوں کی فرضیت کے بعد ہوئی ہے۔ (۳۶)

زکوٰۃ کے فوائد وفضائل

زکوٰۃ کے فوائد و فضائل کتبِ حدیث وتفسیر وغیرہ میں بہ کثرت بیان ہوئے ہیں، علامہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں:

وقرن اللّٰہ تعالیٰ الزکوٰۃ بالصلوٰۃ فی القرآن بقولہ واقیموا الصلوٰۃ

۳۶۔ فتح الباری: ج ۳، ص ۳۳۹، ۳۴۰

Marfat.com

وآتوا الزكوٰة، وبز كاء النفس وطهارتها يصير الانسان بحيث يستحق فى الدنيا الاوصاف المحمودة، وفى الآخرة الاجرو المثوبة (۳۷)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں زکوٰۃ کو صلاۃ سے ملا کر ذکر کیا ہے جیسا کہ فرمایا واقیموا الصلوٰۃ وآتوالزکوٰۃ اورنفس کی زکوٰۃ (پاکیزگی) اور طہارت سے انسان دنیا میں اوصافِ محمودہ کا مستحق ہو جاتا ہے اور آخرت میں بڑے اجر وثواب کا۔

اور امام سرخسی کے بہ قول:

الزكاة ثلث الايمان (۳۸)

زکوٰۃ ایمان کا تہائی حصہ ہے۔

احادیث میں بھی اس کے بڑے فضائل بیان ہوئے ہیں، ایک روایت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کمالِ اسلام کی نشانی قرار دیا، فرمایا:

ان تمام اسلامكم ان تؤدوا زكاة اموالكم (۳۹)

تمہارے اسلام کی تکمیل یہ ہے کہ تم اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا کرو۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں زکوٰۃ کی ادائیگی کو شر دور کرنے کا سبب قرار دیا، فرمایا:

من ادىٰ زكوٰة ماله فقد ذهب عنه شره (۴۰)

جس کسی نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کردی، اس سے اس کا شر دور ہوگیا۔

ایک روایت میں مال کے تلف ہونے کا ذمے دار زکوٰۃ ادا نہ کرنے کو قرار دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں فرمایا:

۳۷۔ المفردات: ص ۲۱۳

۳۸۔ مجمع الانہر: ج ۱، ص ۱۹۱

۳۹۔ بزار۔ المسند: رقم ۸۷۶

۴۰۔ طبرانی۔ المعجم الاوسط: رقم ۱۶۰۲۔

Marfat.com

ماتلف مال فی بر ولا بحر الا بحبس الزکاۃ (۴۱)

خشکی و تری میں جو بھی مال تلف ہوتا ہے، اس کا سبب زکوٰۃ کی ادائیگی کو روک لینا ہے۔

اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا:

حصنوا اموالکم بالزکاۃ، وداووا مرضاکم بالصدقۃ، وعید عیدوا للبلاء الدعا (۴۲)

اپنے اموال کی حفاظت زکوٰۃ کے ساتھ کرو، اور اپنے مریضوں کی دوا صدقے کے ساتھ کرو، اور بلاؤں کو دعا سے رخصت کرو۔

اور انس بن مالکؓ کی روایت میں مانعین زکوٰۃ کے لئے یہ وعید بیان فرمائی گئی ہے:

مانع الزکاۃ یوم القیامۃ فی النار (۴۳)

زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے روزِ قیامت آگ میں ہوں گے۔

اسلامی نظامِ زکوٰۃ کی خصوصیات

اسلام میں زکوٰۃ کی اہمیت کا سطورِ بالا سے کسی حد تک جائزہ سامنے آچکا ہے۔ اس کی خصوصیات بھی اس قدر ہیں کہ پورے ایک مضمون کی متقاضی ہیں، چند اہم امور کی جانب بالاختصار اشارہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ غربا، فقرا کی کفالت کا انتظام بہ حسن و خوبی ہوتا ہے، جو اپنی کفالت کے قابل نہیں ہوتے۔

۲۔ غلامی کے انسداد میں اس نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔

۳۔ پورے مالی نظام کو منظم صورت میں استوار کرنے کا سبب ہے۔

۴۔ قرآن کے مطابق یہ تزکیے کا اہم سبب ہے۔ (۴۴)

۴۱۔ مجمع الزوائد: ج ۳، ص ۲۰۰، رقم ۴۳۳۵

۴۲۔ مجمع الزوائد: رقم ۴۳۳۶

۴۳۔ طبرانی۔ المعجم الصغیر: رقم ۹۳۵

۴۴۔ ملاحظہ کیجئے حوالہ نمبر ۲۱

Marfat.com

۵۔ زکوٰۃ کی بنیاد باہمی اعانت وامداد پر قائم ہے۔

۶۔ دولت مندوں کے بعض مفاسد مثلاً بخل وغیرہ کا شافی علاج نظامِ زکوٰۃ مہیا کرتا ہے۔

۷۔ اخروی اعتبار سے تھوڑی سی محنت پر زیادہ ثواب حاصل ہوتا ہے۔

۸۔ مال و دولت میں برکت کا ظہور ہوتا ہے۔

۹۔ زکوٰۃ ادا کرنے والا شخص، مصائب و مشکلات، اتلافِ مال اور قحط وغیرہ سے محفوظ رہتا ہے۔ (۴۵)

زکوٰۃ عبادت ہے یا ٹیکس؟

زکوٰۃ و صدقات کوئی حکومتی ٹیکس نہیں، بل کہ اس کا مقصد خود مال داروں کو گناہوں اور رذائل سے پاک وصاف کرنا ہے، اور اس کی اصل مشروعیت کسی کی حاجت روائی کے لئے نہیں، بل کہ وہ مالی عبادت ہے جیسا کہ نماز، روزہ بدنی عبادات ہیں، البتہ اس کی خصوصیت اور امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا امتیاز واختصاص یہ ہے کہ جو مال فی سبیل اللہ نکالا گیا ہے۔ اسے اس امت کے فقرا ومساکین اور دیگر حاجت مندوں کے لئے حلال کر دیا گیا ہے۔ (۴۶) لفظ زکوٰۃ شرع میں ایسی چیز کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، جس سے ہمارا تزکیۂ نفس ہو سکے، اس میں اخلاقی عنصر زیادہ ہے، سرکاری وقانونی دباؤ اور جبر کا عنصر نہیں۔ (۴۷)

زکوٰۃ، اسلام اور دیگر مذاہب کی تعلیمات کا تقابل

جیسا کہ تحریر کیا گیا زکوٰۃ کا تصور دیگر آسمانی مذاہب میں بھی موجود ہے، لیکن جزئیات وفروعات میں اختلاف ہے، ذیل میں اس کا تقابل پیش کیا جاتا ہے اور یہ کہ

۴۵۔ چند احادیث اوپر ''زکوٰۃ کے فوائد وفضائل'' کے باب میں بیان ہو چکی ہیں، مزید کے لئے ملاحظہ کیجئے: مجمع الزوائد: ج ۳، ص ۱۹۷، بعد

۴۶۔ مفتی محمد شفیعؒ۔ قرآن میں نظامِ زکوٰۃ۔ دارالاشاعت، کراچی ۲۰۰۰ء: ص ۱۶۔ ملخصاً

۴۷۔ خطباتِ بہاولپور: ص ۳۶۰

Marfat.com

اسلام نے ادیانِ سابقہ کی خصوصیات کو کس طرح برقرار رکھا اور ان کی خامیوں کو کس انداز سے دور کیا؟ اگر بہ غور جائزہ لیا جائے تو اس سے بھی اسلام کے نظامِ کفالتِ عامہ کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے، کیوں کہ ان تعلیمات میں بنیادی روح جو کارفرما ہے، وہ یہی ہے کہ مخلوق خدا کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچایا جائے۔

اس موضوع پر اسلام اور دیگر مذاہب کی تعلیمات کے تقابلی مطالعے کے لئے ہم نظامِ زکوٰۃ کے دو پہلوؤں کو زیرِغور لائیں گے:

۱۔ زکوٰۃ کی مدت

۲۔ اور مقدار

زکوٰۃ کی مدت

اسلام سے قبل زکوٰۃ کی مدت کے تعین میں بڑی افراط وتفریط سے کام لیا گیا تھا، کم از کم اس وقت موجود ان کی مقدس کتب سے یہی ثابت ہوتا ہے، چناں چہ تورات سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے ہاں عشر یعنی دسواں حصہ تین سال میں ایک بار واجب ہوتا تھا۔ (۴۸) اور انجیل میں کسی مدت اور زمانے کا تعین ہی نہ تھا، بل کہ اس میں دوسرے پہلو سے روحانی کیفیات کو ابھارا گیا ہے، انجیل میں ہے:

> جو اپنا عشر (زکوٰۃ) نمائش اور فخر کرنے کے لئے نکالتا ہے اس سے وہ شخص بہتر ہے جسے اپنے گناہوں پر ندامت ہے۔ (۴۹)

اسلام نے اس سلسلے میں ایک سال کو مدت مقرر کیا ہے کہ یہ فطرت کے زیادہ قریب ہے، دنیا بھر کے ممالک اور قوانین میں محصولات اور ٹیکسوں سمیت مالی معاملات کے لئے سال ہی کو پیمانہ مقرر کیا گیا ہے۔

مقدارِ زکوٰۃ

مقدارِ زکوٰۃ بھی افراط وتفریط کا شکار تھی، مثلاً بنی اسرائیل پر زمین کی پیداوار اور

۴۸۔ استثنا۔ ۱۴: ۲۸

۴۹۔ انجیل لوقا۔ ۱۸: ۱۰، نیز ملاحظہ کیجیے ۲۱: ۱

Marfat.com

جانوروں میں بغیر کسی تفصیل کے عشر یعنی دسواں حصہ واجب تھا۔ (۵۰) نیز بیس برس یا اس سے زائد عمر کے ہر شخص پر بلاتفریق امیر و غریب آدھا مثقال واجب تھا۔ (۵۱) جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ ترغیب دی ہے کہ تمام مال و دولت راہِ خدا میں لٹا دیا جائے۔ (۵۲) اس کے برعکس زمین اور جانوروں دونوں میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل بیان کی ہے کہ بارانی ہو تو الگ شرح ہے اور کنویں یا نہر سے سیراب ہو تو الگ شرح ہے، اس طرح جانوروں میں اونٹ کی زکوٰۃ الگ شرح سے واجب ہوگی، گائے کی الگ شرح سے اور بکریوں، بھیڑوں کی الگ شرح سے۔ (۵۳) اس طرح اسلام نے افراط و تفریط دونوں کا خاتمہ کر کے زکوٰۃ کے نظام کو زیادہ مفید، رفاہ عامہ میں زیادہ سرگرم اور عام کفالت کے لئے زیادہ مستحکم بنیادوں پر استوار کیا ہے۔

زکوٰۃ کے مصارف میں اسلامی اصلاحات

یہاں پر مناسب ہے کہ ہم زکوٰۃ کے مصارف میں اسلام کی جانب سے کی جانے والی اصلاحات کا بھی جائزہ لیتے چلیں، کیوں کہ ان اصلاحات سے بھی اسلام کی اولین غرض یہی ہے کہ نظامِ زکوٰۃ مستحقوں اور ضرورت مندوں کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید اور نفع رساں ثابت ہو، اوپر کے عنوان کے تحت بھی اس پہلو کی جانب اشارہ کیا جا چکا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں تین طرح کی زکوٰۃ تھی:

۱۔ آدھا مثقال سونا، چاندی، یہ جماعت کے امور اور بیت المقدس کی تعمیر و مرمت اور قربانی کے طلائی و نقرئی ظروف و سامان بنانے میں خرچ کی جاتی تھی۔ (۵۴)

۲۔ فصل کاٹتے ہوئے اور پھل توڑتے ہوئے حکم تھا کہ کچھ غلہ اور پھل کونوں و

۵۰۔ احبار: ۲۷: ۳۰، ۳۲

۵۱۔ خروج: ۳۰: ۱۳، ۱۵

۵۲۔ متی: ۱۹: ۲۴

۵۳۔ ملاحظہ کیجئے: کتبِ حدیث و فقہ میں زکوٰۃ کے ابواب

۵۴۔ خروج: ۳۰: ۱۳

Marfat.com

گوشوں میں چھوڑ دیئے جائیں، تاکہ غربا اور مسافران سے فائدہ اٹھائیں۔ (۵۵)

۳۔ ہر تیسرے سال پیداوار اور جانوروں میں سے دسواں حصہ نکالا جائے، (جیسا کہ گزشتہ عنوان کے تحت بیان ہو چکا ہے) اس کا مصرف یہ تھا کہ زکوٰۃ ادا کرنے والا اسے لے کر بیت المقدس جائے اور جشن منائے، خود کھائے اور دوسروں کو کھلائے، اور کاہنوں اور خدا کے گھر کے خدمت گزاروں میں تقسیم کیا جائے اور اس کے بعد یہ چیزیں سرکاری خزانے میں جمع کر دی جاتی تھیں، تاکہ ان سے ضرورت مندوں کو کھانا کھلایا جائے۔ (۵۶)

شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے اس باب میں جو اصلاحات کیں، ان کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ کاہنوں، عبادت گاہوں کے خادموں وغیرہ کا حصہ ختم کر دیا گیا، جس سے مستحقوں کے لئے گنجائش پیدا ہوگئی۔

۲۔ عبادات میں سادگی اور آسانی پیدا کی گئی اور طلائی ونقرئی برتنوں کا استعمال ختم ہوگیا۔

۳۔ حج کی فرضیت کے لئے زادِ راہ کو شرط کیا گیا، اس لئے ہر ایک پر بیت اللہ جانا فرض نہ رہا، اس مد میں بھی بچت ہوگئی۔

۴۔ زکوٰۃ کے لئے ضروری قرار دیا گیا کہ اس سے دینے والے کا مفاد بالکل منقطع ہوجائے، اس طرح خود نفع اٹھانے کی ممانعت ہوگئی۔

۵۔ عمارات و مساجد وغیرہ پر زکوٰۃ خرچ نہیں کی جاسکتی، یہ مکمل طور پر ضرورت مندوں کے لئے وقف کر دی گئی۔

۶۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے مستحق کو مالک بنانا ضروری قرار دیا گیا، تاکہ وہ اپنے اوپر بہتر طریقے سے خرچ کر سکے۔

۷۔ زکوٰۃ کے مصارف متعین کر دیئے گئے، تاکہ یہ حکم رانوں کی ذاتی ملکیت بن کر نہ رہ جائے۔

۵۵۔ احبار: ۱۹: ۱۰

۵۶۔ استثنا: ۱۴: ۲۶، ۲۹

Marfat.com

۸۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آل و اولاد حتیٰ کہ بنی ہاشم، بل کہ ان کے آزاد کردہ غلاموں تک کے لئے زکوٰۃ حرام قرار دے دی، تاکہ شخصی فائدے کی بیخ کنی ہو جائے اور خاندانی مناصب سے ہٹ کر یہ عام لوگوں کی ضروریات کی کفالت کرے۔

۹۔ ضرورت مندوں کو ترجیح دی گئی ہے، خواہ وہ کوئی ہوں اور کہیں کے رہنے والے ہوں۔ (۵۷)

اس تفصیل سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ کفالت عامہ کا ایسا سلسلہ قائم ہو جائے کہ کوئی مستحق اس سے محروم نہ رہے اور غیر مستحق اس سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔

کفالت عامہ کے حوالے سے اسلامی نظمِ معیشت کے بنیادی نکات

اسلامی نظامِ معیشت کے وہ بنیادی نکات، جن پر کفالتِ عامہ کی پوری عمارت استوار ہے اور جس کا ایک حصہ زکوٰۃ بھی ہے، ذیل میں بالاختصار درج کئے جاتے ہیں، یہ وہ نکات ہیں، جن میں اسلامی نظمِ معیشت کی پوری روح سمٹ آئی ہے، اور جن کا تعلق بہ راہ راست اسلامی معیشت کے رفاہی پہلو سے بھی ہے اور اسلامی نظامِ کفالت عامہ سے بھی، ان نکات کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ اسلام شخصی ملکیت کا قائل ہے اور اس کی اہمیت کو پوری طرح تسلیم کرتا ہے۔ (۵۸) کیوں کہ اس کے بغیر انسان نہ معاشی فراغت حاصل کرسکتا ہے اور نہ اس میں معاشی تحفظ کا احساس ابھر سکتا ہے۔

۲۔ لوگوں کا مال غیر قانونی اور ناجائز طریقوں سے کھانے کی ممانعت کرتا ہے۔ (۵۹)

۵۷۔ اصلاحات کا یہ مضمون سید سلیمان ندوی۔ سیرت النبی۔ دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۸۵ء: ج ۵، ص ۱۲۲ تا ۱۲۴ سے ملخصاً حک واضافے کے ساتھ ماخوذ ہے۔

۵۸۔ حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔ اسلام کا اقتصادی نظام۔ مکتبہ امدادیہ، ملتان: ص ۳۴۱

۵۹۔ فرمانِ خداوندی ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ ءَامَنُوا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبٰطِلِ النسا:۲۹

Marfat.com

۳۔ ربا (سود) اور قمار (جوا) حرام کیا گیا ہے۔ (۶۰) کیوں کہ اس میں ایک فریق کا لازمی نقصان ہے اور اجتماعی معیشت کا خسارا،

۴۔ ارتکازِ دولت سے سختی سے منع کیا گیا ہے، اور اس کے انسداد کا پورا نظام وضع کیا گیا ہے۔

۵۔ مالی امور کا پوری طرح ادراک نہ رکھنے والوں (بچوں/کم عقلوں) کے لئے مالی امور طے کرنے کی ممانعت ہے، کیوں کہ اس میں بھی ان کا نقصان ہے۔

۶۔ زکوٰۃ کی فرضیت، جس کی اہمیت اس مضمون میں جگہ جگہ بیان ہوئی ہے۔

۷۔ مقادیرِ زکوٰۃ، جن پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بھی فریقین (زکوٰۃ دینے والوں اور لینے والوں) کی مالی حیثیت کے مفاد کا پورا خیال رکھا گیا ہے۔

۸۔ زوجہ و اہلِ قرابت کا نفقہ مرد پر واجب کیا گیا ہے، کہ یہ بھی کفالت کی ایک صورت ہے۔

۹۔ بہت سے گناہوں کا کفارہ مالی مقرر کیا گیا ہے۔ (۶۱)

۱۰۔ نفلی صدقات و خیرات کی ترغیب دی گئی ہے۔

۱۱۔ اسراف و تبذیر، اسی طرح بخل وغیرہ رذائلِ اخلاق کی مذمت کی گئی ہے۔

۱۲۔ اپنی حیثیت کے مطابق زندگی گزارنے کی اجازت ہے، مگر اسراف کی ممانعت ہے۔

۱۳۔ میانہ روی کو ہر صورت میں پسند کیا گیا ہے۔ (۶۲)

یہ تمام امور جہاں دولت کے ارتکاز کا انسداد کرتے ہیں، جو کسی بھی معیشت کے لئے سمِ قاتل کا درجہ رکھتی ہے، وہیں متوسط اور غریب طبقے کو ناروا بوجھ سے بھی بچاتے ہیں۔

۶۰۔ فرمانِ خداوندی ہے: یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ (المائدہ: ۹۰)

۶۱۔ مثلاً کفارۂ ظہار و افسادِ صومِ رمضان

۶۲۔ ان نکات کے بنیادی اشارات (اضافوں اور کمی بیشی کے ساتھ) تفسیر المنار سے ماخوذ ہیں، ملاحظہ کیجئے: سید محمد رشید رضا۔ تفسیر المنار۔ دار المنار، طبعہ ثانیہ، مصر، ۱۹۵۳ء: ج ۱۱ص ۳۰

Marfat.com

ان میں سے ایک ایک نکتے پر غور کیجئے، معلوم ہوگا کہ اسلام جہاں ایک جانب مال داروں کو شخصی و مالی آزادی دیتا ہے اور آزاد معیشت کے استحکام میں انہیں اپنا بھرپور اور سرگرم کردار ادا کرنے پر ابھارتا اور اس کی ترغیب دیتا ہے، وہیں وہ فقرا و مساکین اور غریبوں کی کفالت اور ان کے حقوق کی نگہ بانی بھی کرتا ہے، اور ان کی کفالت کو اسلامی و فلاحی معاشرے میں ممکن بناتا ہے۔

اسلامی نظم معیشت میں زکوٰۃ کی اہمیت

اسلام میں زکوٰۃ کی کیا اہمیت ہے؟ اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن حکیم میں اس کا ذکر نماز سے یوں مربوط ہے کہ دونوں کو الگ کرنا ممکن نہیں۔ کوئی بیس مقامات پر اقیموا الصلوٰۃ کے بعد آتوا الزکاۃ کا حکم قرآن کریم میں اکھٹے وارد ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نماز اگر حقوق اللہ سے تعلق رکھتی ہے تو زکوٰۃ حقوق العباد سے متعلق ہے۔ اور دونوں کو ایک ساتھ باہم مربوط کر کے بیان کرنے میں شاید یہ نکتہ بھی مضمر ہے کہ حقوق اللہ و حقوق العباد کو بھی اسی طرح باہم ہم رشتہ و پیوستہ تصور کیا جائے۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی جب کسی سے بیعت لیتے تو زکوٰۃ کو نماز کے ساتھ متصل ہی رکھتے تھے۔ (۶۳) اور اگر کسی کو دعوت اسلام پہنچانے کا حکم دیتے تو اسے بھی یہی تاکید ہوتی کہ نماز کے بعد زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دینا۔ (۶۴) اور اسی طرح جب کسی نے اسلامی تعلیمات دریافت کیں تو آپ ﷺ نے نماز کے بعد زکوٰۃ ہی کو بیان کیا۔ (۶۵) اسلام کے مادی و معاشی نظام کی بنیاد بھی زکوٰۃ ہی پر قائم ہے، اگرچہ دوسرے اہم عوامل بھی اپنے اپنے مقام پر متحرک و سرگرم عامل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس طرح ہم نماز کے قائم کرنے سے خالقِ کائنات کی فرض کردہ ذمے داری سے سبکدوشی اور روحانی بالیدگی کے ساتھ نظامِ جماعت کا فائدہ بھی اٹھا سکتے ہیں، اسی طرح زکوٰۃ سے بھی مزید مصلحت یہ

۶۳۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر موقع پر زکوٰۃ کو نماز کے ساتھ ہی بیان فرماتے تھے۔ ملاحظہ کیجیے مختلف ابواب، بخاری: ج ۱، ص ۳۴۱، بعد

۶۴۔ ایضاً: رقم ۱۳۹۵

۶۵۔ ایضاً: رقم ۱۳۹۸

Marfat.com

ہوسکتی ہے کہ نظامِ جماعت کے لئے مالی سرمائے کی امداد اس سے فراہم کی جائے، کیوں کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے آپس میں ہم دردی اور ایک دوسرے کی اعانت و امداد کے تصور کا پختہ ہونا قدرتی امر ہے۔ (۶۶) درحقیقت یہ مسلمانوں کی کوآپریٹو سوسائٹی، ان کی انشورنس کمپنی، ان کا پراویڈنٹ فنڈ سب ہی کچھ ہے۔ یہ ان کے بے روزگاروں کا سرمایۂ اعانت ہے، ان کے مزدوروں، معذوروں، بیماروں، یتیموں اور بیواؤں کا ذریعۂ معاش ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ وہ چیز ہے جو مسلمانوں کو فکر فردا سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ اس کا سادا سا اصول یہ ہے کہ آج اگر تم مال دار ہو تو دوسروں کی مدد کرو اور انہیں اللہ کے دیئے ہوئے مال کے کچھ حصے میں شریک کرو، کل اگر خدانخواستہ تم نادار ہو گئے تو دوسرے تمہاری کفالت کریں گے۔ (۶۷)

حضرت مولانا سیّد زوّار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں دولت کی تقسیم کا بہت بڑا حصہ جو انسان کی فطری و اصلی ضروریات پر مشتمل ہے، اس کی تقسیم کے احکامات نازل فرمائے ہیں، اور اس طرح تقسیم فرمائی ہے کہ اس سے ہر طبقہ اور ہر خطہ اور ہر ضعیف و قوی یکساں فائدہ اٹھا سکے، اور اس دولت کی ملکیت اس تقسیم کی بہ دولت مختلف طریقوں اور ذرائع سے دوسروں کی طرف منتقل ہوتی رہے۔ (۶۸)

اور پھر اسلامی نظامِ معیشت کے فلاحی و رفاہی پہلو کو اس طرح اجاگر فرماتے ہیں:

اگر لوگ اس تقسیمِ الٰہی کے مطابق اپنی دولت کو اس کے مصارفِ شرعیہ میں خرچ کرتے رہیں اور اس کی گردش پورے انسانی معاشرے میں خاطر خواہ ہوتی رہے تو کوئی انسان ننگا، بھوکا نہیں رہ سکتا۔ (۶۹)

اور اس حقیقت میں کسی انصاف پسند، حقیقت شناس کو اشکال نہیں ہوسکتا، کیوں کہ یہ

۶۶۔ مولانا سلیم اللہ خاں۔ صدائے حق۔ مکتبہ فاروقیہ، کراچی، ۱۴۱۹ھ: ص ۳۱، ۳۲، بتغیر قلیل

۶۷۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ اسلام اور جدید معاشی نظریات۔ لاہور، ۱۹۸۷ء: ص ۱۱۰، بتغیر قلیل

۶۸۔ مولانا سیّد زوّار حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ۔ مقالاتِ زوّاریہ: ص ۲۵۱

۶۹۔ مقالاتِ زوّاریہ: ص ۲۵۱

Marfat.com

آزمودہ نسخہ اور برتا ہوا فلسفہ ہے، جس پر جب اس کی روح کے مطابق عمل کیا گیا تو زکوٰۃ دینے والے تو زکوٰۃ لیے لیے پھرتے تھے، مگر زکوٰۃ لینے والا کہیں نظر نہ آتا تھا۔ (۷۰) یہ ایک تاریخی حقیقت ہے اور اس کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

کفالتِ عامہ میں زکوٰۃ کا کردار اور اس کا فلاحی پہلو

زکوٰۃ کے مختلف فلاحی و رفاہی پہلوؤں پر گفت گو پہلے بھی ہو چکی ہے، اور اس میں کفالتِ عامہ میں زکوٰۃ کا کردار بھی زیر بحث آچکا ہے، یہاں ذرا وضاحت سے اس پہلو پر بحث ہوگی۔

کفالت عامہ میں زکوٰۃ کے کردار پر غور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اسلام میں مصارف زکوٰۃ کا مطالعہ کیا جائے، یہ مصارف قرآن کریم میں بیان ہوئے ہیں، اور احادیث نبویہ ﷺ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی وضاحت وتشریح فرمائی ہے، یہ تمام مصارف وہ ہیں جن کا پایا جانا ہر معاشرے میں لازمی ہے، اور اگر غور کیا جائے تو غربت و افلاس کی یہی صورتیں بنتی ہیں، اور حکومت یا معاشرے کی جانب سے اپنی کفالت کے منتظر طبقات انہیں میں سے کسی طبقے سے تعلق رکھنے والے ہوں گے، دورِ جدید میں بھی غربت و افلاس اور مالی کفالت کے مستحقین کی کوئی ایسی صورت سامنے نہیں آسکی، جو قرآنِ کریم کی ان بیان فرمودہ صورتوں سے ہٹ کر ہو، یہ قرآنِ کریم کا اعجاز تو ہے ہی، نبوی دعوت ونظام کا کمال وامتیاز بھی ہے۔

ذیل میں بیان ہونے والے طبقات ہائے مستحقین وہ لوگ ہیں، جن کی کفالت اگر نہ کی گئی تو وہ معاشرے پر بوجھ بنیں گے اور ان کی ناداری کے منفی اثرات ملکی معاشیات پر بھی پڑیں گے، جس کے تدارک کی واحد صورت یہ ہے کہ ان کی کفالت کی جائے، اور اسلام کا نظام زکوٰۃ اس کی بہترین صورت مہیا کرتا ہے، اور دوسرے نظاموں اور معاشروں میں اس کا نعم البدل تو کجا، بدل تک موجود نہیں۔

۷۰۔ محمد طفیل (مدیر)۔ نقوش، رسول نمبر۔ ادارہ فروغِ ادب، لاہور، ۱۹۸۳ء۔ مضمون ملک شیر محمد خان اعوان: ج ۳، ص ۴۲۸

سچ تو یہ ہے کہ نبوی ریاست ہر اعتبار سے ایک فلاحی ریاست تھی، جس کا ہر کل پرزہ خلقِ خدا کی خدمت کے لئے وقف تھا، اور جو عوام کی معاشی کفالت و معاونت، قیامِ انصاف، انسدادِ غربت و افلاس اور ادائیگی حقوق کے لئے وجود پزیر ہوئی تھی، تمام افرادِ ریاست کی بنیادی ضروریات کا بندوبست اور ہر طرح کے مجبور و معذور اور بے کس و بے بس افراد کی اعانت اس کا لازمی و اولین فریضہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں محاصل کے حصول و مصارف کے مرکزی عوامل بھی یہی تھے، درحقیقت یہ نظام زکوٰۃ ان طبقات کی معاشی کفالت و مالی سہارے کا ذریعہ تھا اور ہے، جو مادی دوڑ میں کسی سبب سے پیچھے رہ گئے ہوں یا ہنگامی حالات و ناگہانی آفات کے سبب مشکلات کا شکار ہو گئے ہوں، پھر اس مالی کفالت کا نمایاں و امتیازی پہلو یہ بھی ہے کہ یہ کسی کی شخصی آزادی و انفرادی ملکیت کی نفی نہیں کرتی، نہ مال داروں کی آزادانہ معاشی و تجارتی سرگرمیوں پر قدغن یا پابندیاں عائد کرتی ہے، اس قسم کے اقدامات اسلامی مزاج سے کسی صورت بھی لگا نہیں کھاتے، اس کا بنیادی فلسفہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں یہی ہے:

تو خذ من اغنیائھم فترد علی فقراء ھم (۷۱)

ان کے مال داروں سے لے کر ان کے فقرا کو ادا کی جائے۔

اسی لئے فقہا نے زکوٰۃ کی اصطلاحی تعریف میں بھی اس پہلو کو نمایاں کرتے ہوئے تعریف کا جز بنایا ہے، چناں چہ فقہا کے مطابق زکوٰۃ ہر اس مال میں واجب ہوتی ہے جو خود بڑھتا ہو یا محنت کر کے اسے بڑھایا جا سکتا ہو، تاکہ صاحبِ مال پاک ہو جائے اور حاجت مندوں کی حاجت روائی ہو۔ (۷۲) اسی خیال سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں معذوروں کے لئے وظائف کا الگ انتظام تھا۔ (۷۳) اور قرض کی ادائیگی کے لئے الگ مد تھی، شیر خوار بچوں کے بھی وظائف جاری ہوتے تھے، اور فقرا و مساکین کے

۷۱۔ بخاری: ج ۱، ص ۳۶۸: رقم ۱۴۹۶

☆ فتح الباری: ج ۳، ص ۴۵۵

۷۲۔ الماوردی۔ الاحکام السلطانیہ۔ مصر: ص ۹۹، باب الحادی عشر

۷۳۔ نقوش، رسول نمبر: ص ۴۲۸

Marfat.com

لئے لنگرِ عام قائم تھا۔ (۷۴) ان ہی اقدامات کا نتیجہ تھا کہ ایک سال جو لوگ مستحقِ زکوٰۃ کی صورت میں زکوٰۃ وصول کرنے والے ہوتے تھے، اگلے برس وہی زکوٰۃ ادا کرنے والوں کی صف میں شامل نظر آتے تھے۔ (۷۵)

مصارفِ زکوٰۃ

اب ہم مصارفِ زکوٰۃ کا ایک جائزہ لیتے ہیں۔ مصارف زکوٰۃ آٹھ ہیں، قرآنِ حکیم نے انہیں یوں بیان کیا ہے!

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْھَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُھُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِیْلِ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌO (۷۶)

بلا شبہ زکوٰۃ تو صرف فقیروں اور مسکینوں اور زکوٰۃ وصول کرنے والے کارکنوں اور جن کی دل جوئی منظور ہے اور غلاموں کو آزاد کرانے اور قرض داروں کا قرض ادا کرنے اور اللہ کے راستے (جہاد) میں نکلنے والوں اور مسافروں کے لئے ہے۔ یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہے، اور اللہ خوب جاننے والا، حکمت والا ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا:

ان اللہ لم یرض بحکم نبی ولا غیرہ فی الصدقات، حتیٰ حکم فیھا فجزا ھاثمانیة اجزاء (۷۷)

اللہ تعالیٰ نے صدقات (زکوٰۃ) کے مصارف کو کسی نبی یا کسی دوسری شخصیت پر نہیں چھوڑا، بل کہ خود اس بارے میں فیصلہ کر دیا ہے، اور اس کی آٹھ

۷۴۔ نقوش، رسول نمبر: ص ۴۲۸

۷۵۔ الطبقات: ج ۵۔ ص ۲۶۸

۷۶۔ التوبہ: ۶۰

۷۷۔ ابوداؤد: ج ۲، ص ۳۷، رقم ۱۶۳۰

Marfat.com

اقسام مقرر کی ہیں۔

آٹھ مصارف یہ ہیں:

ا۔ فقرا

فقرا، فقیر کی جمع ہے، اس سے مراد وہ شخص ہے، جس کے پاس تھوڑا سا مال ہو، یعنی وہ مال بڑھنے والا اور زائد از قرض ہونے کے باوجود نصاب کی مقدار سے کم ہو یا وہ مال بہ قدر نصاب تو ہو، مگر بڑھنے والا نہ ہو اور اس کی ضروریات میں کام آتا ہو۔ (۷۸) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے، آپ ﷺ سے دو افراد نے صدقے کا مال مانگا، آپ ﷺ نے انہیں تندرست دیکھ کر فرمایا: اگر تم چاہو تو میں تمہیں دے دوں، لیکن مال دار شخص کا، اور طاقت ور اور کمانے کے قابل شخص کا اس میں کوئی حق نہیں۔ (۷۹)

غور کیا جائے تو ایسا شخص جس پر فقیر کی تعریف صادق آتی ہے، یقیناً اپنے مسلمان بھائیوں اور حکومت کی امداد کا مستحق ہے، اور اس کی کفالت ہر فلاحی معاشرے پر لازم ہے۔

۲۔ مساکین

مسکین اسے کہا جاتا ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو، اور وہ اپنا تن ڈھانپنے اور پیٹ بھرنے کے لئے دوسروں کی امداد کا محتاج ہو، اور اس کے لئے سوال کرنا بھی حلال ہو۔ (۸۰) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسکین لقمے دو لقمے یا کھجور دو کھجور لے کر ٹل جانے والے نہیں، بل کہ مسکین وہ ہیں جو نہ تو

۷۸۔ زین الدین ابن نجیم حنفیؒ۔ البحر الرائق شرح کنز الدقائق۔ دار المعرفہ، بیروت، ج ۲، ص ۲۵۸

☆ فتاویٰ عالمگیری۔ کانپور، انڈیا: ج ۱، ص ۹۶

☆ ابن العابدین شامی۔ رد المحتار: ج ۳، ص ۲۸۳

۷۹۔ ابو داؤد: ج ۲، ص ۳۸، رقم ۱۶۳۳

☆ الدار قطنی م ۳۸۵ھ۔ السنن۔ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور: ج ۱، ص ۱۱۸

۸۰۔ عالمگیری: ج ۱، ص ۹۶

☆ شامی: ص ۲۸۴، ج ۳

Marfat.com

خود سے سوال کرتے ہیں، نہ کوئی انہیں پہچانتا ہے کہ ان کی مدد کر دے۔ (۸۱)

یقیناً اس کے مستحق ہونے میں بھی کسی کو کلام نہیں ہوسکتا، بل کہ یہ دوسروں کی بہ نسبت زیادہ مستحق ہے، اگر چہ اس تک پہنچنا مشکل ہے۔

۳۔ عاملینِ زکوٰۃ

عامل وہ شخص ہے جسے حاکمِ وقت (خلیفہ) نے صدقات (زکوٰۃ) وعشر وصول کرنے کے لئے مقرر کیا ہو۔ (۸۲) لیکن عامل کے لئے یہ شرط ہے کہ اسے صرف اوسط درجے کا سفر خرچ اور روز مرہ ضرورت کے لئے رقم دی جائے گی۔ (۸۳) اس میں بھی یہ شرط ہے کہ اس کو دی جانے والی رقم، اس کی جانب سے وصول کی جانے والی رقم سے نصف سے زائد نہ ہو۔ (۸۴) اور یہ بھی غیر ہاشمی کے لئے ہے، اس طرح زکوٰۃ کی کوئی صورت ایسی نہیں ہے، جو ہاشمیوں اور ان کے آزاد کردہ غلاموں کے لئے جائز ہو، ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی اعزا میں سے چند نے درخواست کی کہ ہمیں عاملِ زکوٰۃ مقرر فرما دیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ محمد اور آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے صدقہ (زکوٰۃ) جائز نہیں۔ (۸۵)

۸۱۔ الحمیدی۔ المسند: ج ۲، ص ۴۵۶، رقم ۱۰۵۹

☆ امام مالک بن انس۔ الموطا، رقم ۹۱۳

☆ مسلم: ج ۲، ص ۱۰۶، رقم ۱۰۳۹

۸۲۔ عالمگیری: ص ۹۶

۸۳۔ البحر الرائق: ج ۲، ص ۲۵۹

☆ عالمگیری: محولہ بالا

☆ شامی: ج ۳، ص ۲۸۶

۸۴۔ البحر الرائق: ج ۲، ص ۲۵۹

☆ شامی: ج ۳، ص ۲۸۶

۸۵۔ عبدالرزاق، م ۲۱۱ھ۔ المصنف: ج ۴، ص ۵۰، رقم ۶۹۳۹

☆ احمد۔ المسند: ج ۲۔ ص ۵۴۵، رقم ۷۰۰

Marfat.com

عاملینِ زکوٰۃ چوں کہ زکوٰۃ ہی کی وصولی کے لئے وقف ہوتے ہیں، اس لئے ان کے اخراجات کی کفالت بھی زکوٰۃ ہی کے فنڈ سے کی جائے گی۔

۴۔ رقاب

ایک اہم مصرف وہ غلام ہیں جن کو مکاتب (۸۶) کہا جاتا ہے۔ (۸۷) ان کو بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، تاکہ ان کی مدد کی جاسکے، اس کی حدیث میں بڑی فضیلت آئی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آزاد کردہ غلام کے بدلے میں آزاد کرنے والے کا ہر ہر عضو جہنم سے آزاد ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ شرم گاہ کے بدلے شرم گاہ بھی۔ (۸۸) اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تین طرح کے افراد کا اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ ان کی مدد کرے:

۱۔ مجاہد فی سبیل اللہ

۲۔ وہ شخص جو پاک دامنی کی نیت سے نکاح کرے

۳۔ وہ مکاتب غلام جو ادائیگی قرض کی نیت کرے۔ (۸۹)

اس شق نے بھی مستحقوں کی کفالت اور غلامی کے انسداد میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

۵۔ غارم

پانچواں مصرف غارم (مقروض) ہے۔ (۹۰) اور آیت مبارکہ میں جو اوپر ذکر

۸۶۔ مکاتب وہ غلام جس نے اپنے مالک سے مکاتبت کی ہو، یعنی یہ معاہدہ کیا ہو کہ مطلوبہ رقم ادا کرنے پر وہ آزاد ہو جائے گا۔

۸۷۔ شامی: ج ۳، ص ۲۸۷

☆ عالمگیری: ج ۱، ص ۹۶

۸۸۔ ابن کثیر، م ۷۷۴ھ۔ تفسیر القرآن العظیم۔ عیسیٰ البابی الحلبی، مصر: ج ۲، ص ۳۶۵

۸۹۔ حاکم۔ المستدرک: ج ۲، ص ۱۷۴، رقم ۲۶۷۸

☆ ترمذی: ج ۳، ص ۲۴۷، رقم ۱۶۶۱

☆ نسائی: کتاب الجہاد، باب فضل الروحۃ

۹۰۔ برھان الدین المرغینانی۔ الھدایہ۔ مطبع مجتبائی، دہلی: ج ۱، ص ۱۸۵، کتاب الزکوٰۃ

Marfat.com

ہوچکی ہے، غارم سے مراد قرض دار ہی ہے۔ (۹۱) ایک شخص نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک باغ خریدا، قدرتی آفات کے سبب اس میں اسے نقصان ہوگیا، جس کے نتیجے میں وہ مقروض ہوگیا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قرض خواہوں سے فرمایا کہ تمہیں جو ملے لے لو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی حق نہیں۔ (۹۲)

یہ بہت اہم مصرف ہے، قرض وہ مصیبت ہے جو چلتا ہوا کاروبار اور آسودہ حال شخص دونوں کو تباہ کر دیتی ہے، اور اس کی دلدل میں پھنسنے والا شخص مسلسل اس میں دھنستا ہی چلا جاتا ہے، اور راہِ عافیت نہیں پاتا۔

۶۔ فی سبیل اللہ

چھٹا مصرف اللہ کے راستے میں خرچ کرنا ہے۔ (۹۳) اس سے مراد بعض کے نزدیک مجاہدین فی سبیل اللہ ہیں۔ (۹۴) لیکن اس بارے میں بہت سے اقوال ہیں۔ (۹۵) صحیح یہ ہے کہ اس میں ہر وہ شخص شامل ہے، جو اللہ کی اطاعت اور نیکی کے راستوں میں بہ مع وجود جہد کرے، جب کہ وہ محتاج ہو۔ (۹۶) اس سلسلے میں بھی کئی ایک احادیث وارد ہیں۔ (۹۷)

۹۱۔ البحر الرائق: ج ۲۔ص ۲۶۰

۹۲۔ تفسیر ابن کثیر: ج ۲، ص ۳۶۵

۹۳۔ عالمگیری: ص ۹۶

☆ شامی: ص ۲۹۰

۹۴۔ حاشیہ مراقی الفلاح: ص ۴۳۳

۹۵۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے: مولانا سیّد زوّار حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ م ۱۹۸۰ء۔ عمدۃ الفقہ۔ ادارہ مجددیہ، کراچی، ۱۹۸۴ء: ج ۳، ص ۱۳۱

۹۶۔ البحر الرائق: ص ۲۶۰

☆ شامی: ص ۲۹۰

۹۷۔ احادیث کے لئے ملاحظہ کیجئے: قاضی ثناء اللہ عثمانی، پانی پتی۔ تفسیر مظہری م ۱۲۲۵ھ۔ دائرہ اشاعت العلوم، ندوۃ المصنفین، دہلی: ج ۴، ص ۲۳۸

Marfat.com

فی سبیل اللہ کی تعریف میں آنے والے بھی معاشرے اور حکومت کی جانب سے کفالت کے مستحق ہیں کہ اس کے بغیر ان کے لئے بھی اپنے معاملات چلانا ممکن نہیں رہتا۔

۷۔ ابن السبیل

ابن السبیل سے مراد مسافر ہیں۔ (۹۸) اور اس سے ایسا مسافر مراد ہے جو سفر کے دوران فقیر ہو گیا ہو، اگرچہ اس کے پاس اپنے وطن میں اس قدر ہو کہ وہ صاحبِ نصاب ہو، ایسے شخص کے لئے بہ قدرِ ضرورت زکوٰۃ لینا جائز ہے۔ (۹۹)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ طرح کے افراد کے سوا مال داروں پر زکوٰۃ حرام ہے:

۱۔ وہ جو زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر ہو

۲۔ جو مالِ زکوٰۃ کی کسی چیز کو اپنے مال سے خرید لے

۳۔ قرض دار

۴۔ مجاہد فی سبیل اللہ

۵۔ جسے کوئی مسکین زکوٰۃ میں ملی ہوئی کوئی چیز بہ طور تحفہ دے دے۔ (۱۰۰)

ایک ایسا شخص جو اثنائے سفر میں تنگ دستی و مالی پریشانی کا شکار ہو جائے، اس کی کیفیت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے، اس کی کفالت اس لئے بھی ضروری ہے کہ وہ اگر سربراہ خاندان کی حیثیت رکھتا ہے تو اس کی غیر موجودگی میں پورا خاندان مالی مشکلات سے دوچار ہو سکتا ہے۔ اس کا حل یہی ہے کہ اس کی کفالت اور ہنگامی ضرورت پوری کرنے کا اہتمام کیا جائے، اس مقصد کے لئے اسلام نے زکوٰۃ کا ایک مصرف ابن السبیل قرار دیا ہے۔

۹۸۔ عالمگیری: ص ۹۶

☆ شامی: ص ۲۹۰، ۲۹۱

۹۹۔ البحر الرائق: ص ۲۶۰

☆ ابن ہمام الحنفی، م ۸۶۱ھ۔ شرح فتح القدیر۔ مطبعہ الکبریٰ الامیریہ، مصر، ۱۳۱۵ھ: ج ۲، ص ۱۸

۱۰۰۔ ابن ماجہ: ج ۲، ص ۵۸۷، رقم ۱۸۴۱

Marfat.com

۸۔ مؤلفۃ القلوب

قرآنِ کریم میں زکوٰۃ کا آٹھواں مصرف مؤلفۃ القلوب بیان کیا گیا ہے، یعنی جن کی تالیفِ قلبی منظور ہو، اس کی کئی قسمیں ہیں:

۱۔ بعض کو تو اس لئے دیا جاتا ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات اور رحم دلی و خیر خواہی سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیں

۲۔ بعض کو اس لئے دیا جاتا ہے کہ ان کا اسلام پر اعتقاد پختہ ہو جائے

۳۔ بعض کو اس لئے دیتے ہیں کہ انہیں دیکھ کر دوسرے لوگ بھی اسلام قبول کر لیں

۴۔ بعض کو اس لئے دیا جاتا ہے کہ وہ اسلام کو نقصان پہنچانے والی کوششوں سے خود باز رہیں یا دوسروں کو باز رکھیں۔ (۱۰۱)

اس شق کے بارے میں اختلاف ہے، اکثر فقہا نے اس کو بیان نہیں کیا، وہ سات اقسام پر اکتفا کرتے ہیں، اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ یہ مصرف بہ اجماعِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ساقط ہو چکا ہے۔ (۱۰۲) چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ عہدِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں انہوں نے عیینہ بن حصن سے فرمایا تھا کہ تالیف قلب آج ختم ہو چکی ہے، جس کا دل چاہے، مسلمان ہو جائے اور جس کا چاہے، اپنے کفر پر قائم رہے، اور ان کی اس بات کو حضرت ابوبکرؓ نے بھی برقرار رکھا تھا۔ (۱۰۳) اسی طرح ابن ابی شیبہ نے شعبی سے نقل کیا ہے کہ یہ مد عہدِ نبوی ﷺ میں تھی، عہد ابوبکرؓ میں ختم ہوگئی۔ (۱۰۴) ابو یعلی الفرا، تالیف قلب کی اقسام بیان کرنے

۱۰۱۔ تفسیر ابن کثیر: ج ۲، ص ۳۶۵

☆ الاحکام السلطانیہ: ص ۱۱۶

۱۰۲۔ عمدۃ الفقہ: ج ۳، ص ۱۲۶

۱۰۳۔ فتح القدیر: ج ۲، ص ۱۴

☆ اکمل الدین محمد بن محمود البابرتی، م ۷۸۶۔ شرح العنایہ علی الھدایہ، علی ہامش فتح القدیر: ج ۲، ص ۱۴

۱۰۴۔ فتح القدیر: ص ۱۵

Marfat.com

کے بعد کہتے ہیں:

فیجوزان یعطی کل واحد من ھذہ الا صناف من سھم المؤلفة، مسلماً کان او مشر کا (۱۰۵)

سو یہ جائز ہے کہ ان اقسام میں سے ہر ایک مؤلف القلوب کو مد سے حصہ دیا جائے، وہ مسلمان ہو یا مشرک۔

اس کے علاوہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ سے بھی یہ منقول ہے کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہوا، حاکمِ وقت کو اس کی اجازت ہے کہ اس سے مصالحِ سیاسی میں کام لے سکتا ہے۔ (۱۰۶) ان امور کو دیکھتے ہوئے ڈاکٹر حمید اللہ کا کہنا ہے کہ اگر حضرت عمرؓ سے منسوب روایت صحیح بھی ہے تو کیا اذافات اشرط فات الشروط کی بنا پر یہ ناگزیر نہیں کہ دیگر زمانوں میں اور دیگر ممالک کی حد تک جہاں شوکتِ فاروقی کارفرما نہ ہو، یہ حکم پھر بحال ہو جائے؟ (۱۰۷) یہ ہر حال یہ ایک رائے ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

یہاں تک مصارفِ زکوٰۃ کا بیان ہوا، جن کی وضاحت سے کفالتِ عامہ میں زکوٰۃ کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ یہ اسلام کا امتیاز و اختصاص ہے، اور ان مصارف پر ایک نظر ڈالنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ معاشی اور اقتصادی سطح پر نظامِ زکوٰۃ، اسلامی فلاحی معاشرے میں ضرورت مند اور بے سہارا و بے کفالت افراد کی اعانت و امداد کر کے تقسیم دولت، حقوق و فرائض کے تحفظ، غربت و افلاس کے خاتمے، فقر و فاقے کا شکار افراد کے لئے مناسب بندوبست کرنے اور معاشرے میں معاشرتی عدل قائم کرنے کا مؤثر ترین، مفید ترین اور موزوں ترین ادارہ ہے، پھر سب سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ آزمودہ بھی ہے اور اس کی قوتِ تاثیر پر کسی کو اختلاف بھی نہیں، اپنے تو اس کے قائل ہیں ہی، غیر مسلم بھی اس کی سچائی و صداقت جھٹلانے کی جرأت نہیں رکھتے۔

۱۰۵۔ الاحکام السلطانیہ: ص ۱۱۶

۱۰۶۔ ابن رشد۔ بدایۃ المجتہد: کتاب الزکوٰۃ، فصل اوّل

۱۰۷۔ ڈاکٹر حمید اللہ۔ عہد نبوی ﷺ میں نظامِ حکمرانی۔ اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۸۷ء: ص ۲۵۵

Marfat.com

کفالتِ عامہ میں زکوٰۃ کی اہمیت پر اس قدر بحث کے بعد ہم اس امر کا جائزہ لیتے ہیں کہ زکوٰۃ نے مسلمانوں کی تشکیل ذہنیت میں کیا کردار ادا کیا ہے؟ اور خوش دلی سے زکوٰۃ ادا کرنے والے معاشرے میں زکوٰۃ کی کیا اہمیت ہوتی ہے؟ اور وہ کفالتِ عامہ کے اس عالمگیر نظام کو کس نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے؟

زکوٰۃ اور تشکیلِ ذہنیت

زکوٰۃ نے مسلمانوں کی بڑے عجیب انداز میں تشکیل ذہنیت کی ہے اور اس سے بھی مقصود یہی ہے کہ زکوٰۃ کے عبادت ہونے کے تصور کو پختہ کرنے کے ساتھ ساتھ کفالتِ عامہ کے اس عالم گیر نظام میں زکوٰۃ کے کردار کو مزید وسعت دی جائے اور اسے مزید سرگرم اور فعال بنایا جائے، اس موضوع پر پروفیسر سید محمد سلیم رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی تفصیلی بحث کی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ دنیا کی ساری اقوام کم و بیش مال کی محبت میں مبتلا ہیں۔ ہندو سال میں ایک مرتبہ تہوار مناتے ہیں، جس کو دیوالی کہتے ہیں۔ جس میں دیے روشن کئے جاتے ہیں۔ اس میں دولت کی دیوی لکشمی کی پوجا کی جاتی ہے۔ یونانی بھی دولت کی دیوی میمن Mammon کی پرستش کرتے تھے۔ بقیہ قوموں کا بھی ایسا ہی کچھ حال ہے۔ اس سے بخل، خودغرضی اور تنگ نظری کی ذہنیت پیدا ہوتی ہے۔ یہودیوں کی کنجوسی اور خودغرضی کو شیکسپیر نے شائلوک کے کردار میں عریاں کر دیا ہے۔ ہندوؤں کے متعلق بھی ضرب المثل مشہور ہے کہ چمڑی جائے، دمڑی نہ جائے۔

جس طرح جسم کو امراض لاحق ہوتے ہیں، اسی طرح نفس انسانی کو بھی امراض لاحق ہو جاتے ہیں۔ نفسانی امراض میں مال و دولت کی محبت سب سے زیادہ مہلک مرض ہے۔ ایسا شخص دین و اخلاق، ملک و ملت سب کو مال کی محبت پر قربان کر دیتا ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

حب الدنیا رأس کل خطيئة (۱۰۸)

تمام برائیوں کی جڑ مال کی محبت ہے۔

۱۰۸۔ علی متقی الہندی۔ کنز العمال: رقم ۶۱۱۴

Marfat.com

زکوۃ سے ذہن و فکر میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔ فراخ دستی اور کشادہ نظری پیدا ہوتی ہے۔

قرآن کریم کہتا ہے کہ بے شک یہ دولت تم نے ہی کمائی ہے لیکن اس کے اندر معاشرے کے ناداروں اور فقیروں کا بھی حق ہے۔

وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ (۱۰۹)

قرآن مجید یہاں خیرات یا صدقات کا لفظ استعمال نہیں کرتا، بل کہ حق کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ تبدیلی لفظ سے قرآن کا نقطہ نظر واضح ہوجاتا ہے۔ ان احکام کے بعد مسلمان معاشرے کے دولت مندوں اور مال داروں کی ذہنیت ایک دوسرے ہی انداز پر تشکیل پذیر ہوئی تھی، جو دوسرے معاشروں کے مال داروں کی ذہنیت سے مختلف تھی۔ مسلمان مال دار کبھی غربا، مساکین، یتیم اور بیواؤں کے ماہانہ وظیفے جاری کرتے تھے۔ کبھی تیموں اور نادار بچوں اور بچیوں کو اپنے گھر میں اپنی اولاد کی طرح پالتے اور پوستے تھے۔ کبھی اپنے بچے کے ساتھ محلے کے ناداروں کی بھی مفت تعلیم کا انتظام کرتے تھے۔ ان بچوں کو مزید تعلیم کے وظائف دیتے تھے۔ اس طرح نادار بچے بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کرلیتے تھے۔ ہر کار خیر میں محلے کے اہل خیر پیش قدمی کرتے تھے۔ اس طرح محلے کے اندر امیر اور غریب کے درمیان باہمی تعاون کی فضا رہتی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کے ہم درد اور معاون ہوتے تھے۔ یہ ساری ذہنیت زکوٰۃ کی پیدا کردہ تھی۔ آج سے ۶۰، ۷۰ سال قبل بھی ایسے امرا ہمارے معاشرے میں موجود تھے۔ ان کے دیکھنے والے ابھی بھی موجود ہیں۔

اس کے برخلاف آج کا امیر اپنی دولت میں کسی کا حق ماننے کو تیار نہیں۔ وہی خود غرضی کا سودا دماغ میں سمایا ہوا ہے۔ غریبوں سے کٹ کر جدا بستی میں رہتا ہے۔ جدا اسکولوں میں اس کے بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ معاشرت جدا، حلقہ احباب جدا، غربا و مساکین کی ہم دردی اور امداد کا کوئی تصور ہی نہیں۔ اس کی وجہ سے امرا اور غربا آپس میں

۱۰۹۔ الذاریات: ۱۹

Marfat.com

کٹ گئے۔ دونوں کے دلوں میں محبت کے بہ جائے نفرت وحقارت کے جذبات موج زن رہتے ہیں۔ جن کو اغراض پرست لوگ بھڑکا دیتے ہیں۔

زکوٰۃ نے مسلمان قوم کی ذہنیت ایک خاص نہج پر استوار کی۔ وہ فراخ دست ہوتا ہے۔ مہمان نواز ہوتا ہے۔ دوسروں کے کام کرنے والا ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے:

خیر الناس من ینفع الناس (۱۱۰)

بہترین انسان وہ ہے جس سے دوسروں کو فائدہ پہنچے۔ (۱۱۱)

اس سلسلے کو صوفیا نے مزید وسعت بخشی اور انسانی افق کو مزید بلند کیا، وہ اس سے بھی مزید آگے کے درجات تلاش کرتے ہیں اور مراتبِ کمال کے متلاشی ہوتے ہیں، حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

طائفہ صوفیہ کا مقولہ ہے کہ الفقیر ماله مباح و دمه حدر (درویش کا مال وقف اور اس کا خون معاف ہے)۔ درویش صادق وہی ہے جو نہ اپنے خون کا دعویٰ کرے نہ مال کا، اگر کوئی شخص اس کو قتل کرے تو وہ یہ سمجھے کہ حکمِ خداوندی یہی تھا، جان جانے کو یوں سمجھے کہ ہماری زندگی اسی قدر تھی، انسان سے خون بہا کا طالب نہ ہو، اس کا خون بہا کچھ اور ہے، یعنی من قتلت فی محبته فانا دیته (جو میری محبت میں مارا جائے اس کی دیت میں خود ہوں) اور اگر اس کے مال پر قبضہ کیا جائے تو وہ یہ سوچ کر الحمدللہ کہے کہ بڑا حجاب سامنے سے دور ہوا، اور اس بنا پر بزرگوں کا قول ہے کہ دنیاوی مال و دولت کے باعث زکوٰۃ دینا کوئی بڑا کام نہیں، کیوں کہ زکوٰۃ وہی شخص دے گا، جس کے پاس سو درہم نقد سال بھر رہ جائیں، ایسا شخص اس گروہ کے نزدیک بخیل ہے، اور بخل پسندیدہ صفت نہیں ہے، معاذ اللہ دوسو درہم کو مقفل کرنا اور

۱۱۰۔ کنز العمال: رقم ۴۴۱۵۴

۱۱۱۔ پروفیسر سید محمد سلیم رحمۃ اللہ علیہ۔ زکوٰۃ اور رفاہِ عامہ۔ شش ماہی السیرہ عالمی۔ مدیر سیّد فضل الرحمٰن، زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی: شمارہ ۵

Marfat.com

بچائے رکھنا کیا معمولی بخل ہے؟ اس کے بعد پانچ درہم نکال کر فقیروں کو دینا اور باقی کو پھر محفوظ رکھنا، ایک فقیر نے حضرت ابوبکر شبلی قدس سرہ سے سوال کیا کہ زکوٰۃ کتنے درہم سونے چاندی پر واجب ہوتی ہے؟ آپؒ نے فرمایا تم کون سا جواب چاہتے ہو؟ فقہا کا یا فقرا کا؟ اس نے کہا: دونوں طرح جواب ارشاد فرمائیے، فرمایا کہ فقہا کا مذہب تو یہ ہے کہ سال بعد دوسو درہم پر پانچ درہم زکوٰۃ واجب ہوگی اور فقرا کا مذہب یہ ہے کہ جو کچھ مال و دولت ہو، سب راہِ خدا میں لٹا دے اور اس کے بعد جانِ عزیز شکرانے میں پیش کر دے، اس سائل فقیر نے کہا کہ میں نے تو ائمہ دین سے مذہب حاصل کیا ہے، اس میں تو یہ نہیں ہے، حضرت شبلی نے فرمایا کہ میں نے مذہب صادق رب العالمین سے حاصل کیا ہے، اس میں وہ نہیں ہے (جو تم بیان کرتے ہو)۔ دیکھو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس جو کچھ تھا، انہوں نے آں حضرت سرور کونین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے حضور پیش کر دیا اور جگر گوشہ (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) کو شکرانے میں دیا۔ (۱۱۲)

خلاصۂ بحث

اوپر صفحات میں جو کچھ تحریر کیا گیا، وہ مبادیات کو چھوڑ کر اسلام کے نظامِ کفالت کا، جسے نظامِ زکوٰۃ کہتے ہیں، قدرے اختصار کے ساتھ ایک جائزہ تھا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ نظام اسلام کا اختصاص اور تعلیماتِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا امتیاز ہے، یہ یا اس کا بدل نہ تو اسلام سے قبل موجود تھا، نہ آمدِ اسلام کو چودہ صدیاں گزرنے کے بعد آج تک اس کا بدل پیش کیا جاسکا ہے، پھر یہ آزمودہ بھی ہے، جب تک اس کی روح کے مطابق اس پر عمل کیا جاتا رہا، اسلامی معاشروں میں معاشی اعتبار سے خوش حالی کا دور دورہ تھا، اور مفلوک الحالی، افلاس و غربت جیسی مادی کمزوریاں ان علاقوں اور معاشروں سے دور ہو چکی

۱۱۲۔ شیخ شرف الدین احمد منیریؒ۔ مکتوباتِ صدی، اردو۔ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی ۱۳۹۶ھ: ص ۲۴۵، ۲۴۶

Marfat.com

تھیں، آج بھی اگر نظامِ زکوٰۃ کو اس کے تقاضوں کے مطابق درست نہج پر استوار کر دیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارے ہاں سے بھی غربت و افلاس کا خاتمہ نہ ہو سکے، کیوں کہ اسلام اور نظامِ زکوٰۃ عطا کرنے والا رب العالمین وہی ہے، جو چودہ سو برس قبل تھا، لہٰذا اگر کمزوری اور خامی ہے تو وہ ہماری جانب سے ہے۔ ہمیں اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں پر قابو پانا ہوگا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق اپنے تمام معاملات کو ڈھالنا ہوگا، کام یابی کی راہ یہی ہے، اسی میں ہم سب کی بھلائی اور ہر طرح کی خیر پوشیدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص کے ساتھ عمل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین

Marfat.com

کسب حلال اور عصر حاضر کے تقاضے

شش ماہی السیرہ عالمی۔ کراچی: شمارہ ۱۳۔ اپریل ۲۰۰۵ء

Marfat.com

کسب حلال اور عصر حاضر کے تقاضے

روزی کمانا اور اپنی روز مرہ کی ضرورتوں کی تکمیل انسان کی ابتدائی خواہشوں میں سے ہے، کیوں کہ اس کے بغیر انسان کے لئے روح اور جسم کا رشتہ برقرار رکھنا ممکن نہیں۔ اس لحاظ سے یہ ہر ایک کی ضرورت ہے، اور ان چند فیصد حضرات کو چھوڑ کر جن کی کفالت دوسرے لوگ کرتے ہیں، تمام افراد کماتے ہیں، اور کسب کی کسی نہ کسی صورت کو ضرور اپناتے ہیں، لیکن اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ صرف ان طریقوں سے رزق حاصل کیا جائے، جنہیں اسلام نے حلال اور جائز قرار دیا ہے، اور ان صورتوں سے مکمل طور پر احتراز کیا جائے، جن سے اسلام نے منع کیا ہے۔ اسی بنا پر اسلام صرف کمانے کی تاکید اور تلقین نہیں کرتا، بل کہ وہ کسب حلال کی قید لگاتا ہے، یعنی کماؤ اور صرف جائز طریقے سے کماؤ۔ ان سطور میں اسی حوالے سے سیرت طیبہ اور تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں اسلام کے پیغام کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے، اور عصر حاضر میں اس حوالے سے پائی جانے والی بعض کوتاہیوں، خامیوں اور کمزوریوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔

کسب حلال، لغوی معنی

کسب کا مادہ ك، س، ب ہے، اور کسب کے لغوی معنی جمع کرنے کے ہیں (۱) اس کے ایک معنی تلاش معاش یا طلب رزق کے بھی آتے ہیں، امام راغب اصفہانی کے بہ قول

۱۔ لسان العرب: ج ۱، ص ۷۱۶

Marfat.com

کسب ایسے کام کو کہتے ہیں جسے انسان اپنے اور دوسروں کے فائدے کے لئے کرے، جب کہ اکتساب جو اسی مادے سے ہے، صرف ایسے کام کو کہتے ہیں جس میں انسان صرف اپنے مفاد کو پیش نظر رکھے۔ (۲)

ایک ماہر لغت کا یہ بھی کہنا ہے کہ کسب کا لفظ خیر کے لئے آتا ہے، اور اکتساب کا لفظ شر کے لئے۔ یہ لفظ قرآن حکیم میں بھی استعمال ہوا ہے اور حدیث نبویہ میں بھی، دونوں میں اس کے متعدد مفاہیم بیان ہوئے ہیں، لیکن ایک مفہوم سب پر غالب ہے، اور لغوی اعتبار سے اکثر مقامات پر یہی مفہوم مراد ہے، وہ ہے کمانا، مثال کے طور پر:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ (۳)

اور جو کوئی مرد یا عورت چوری کرے تو ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو، یہ اللہ کی طرف سے ان کے لئے سزا ہے۔

یہاں کسبا کا معنی ان کا چوری کا عمل ہے، ظاہر ہے کہ یہ ان کی ''کمائی'' تھی۔ دوسرے مقام پر بھی اسی مفہوم کے لئے کسب کا استعمال ہوا، فرمایا:

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ (۴)

اور (روز آخرت) ہر شخص کو اس کے کیے کا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

قرآن کریم میں ابولہب کے بارے میں بھی اسی مفہوم کے لیے یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے:

مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ○ (۵)

اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا، وہ اس کے کسی کام نہ آیا۔

۲۔ المفردات: ص ۴۳۰

۳۔ المائدہ: ۳۸

۴۔ آل عمران: ۲۵

۵۔ الہب: ۲

Marfat.com

اس کے علاوہ یہ لفظ متعدد دوسرے مفاہیم مثلاً قصد و ارادہ کرنے (۶) اثر پہنچانے (۷) اور اعمال (۸) وغیرہ کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ یہ اصل میں کمانے کے معنی میں آتا ہے اور لغت میں اس کا استعمال طلب رزق کے لئے بھی ہوتا ہے اور یہاں یہی مفہوم مراد ہے۔

پھر فقہائے کرام نے عرف کے حوالے سے مطلق کسب کو بھی کسب حلال کے معنی میں لیا ہے، چناں چہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الاکتساب فی عرف اهل اللسان تحصیل المال بما یحل من الاسباب (۹)

کسب و اکتساب اہل زبان کے عرف میں حلال طریقے بہ روئے کار لا کر مال و دولت کے حصول کو کہتے ہیں۔

یہ مفہوم اسلام کی نظر میں رزق حلال کی اہمیت کو بھی واضح کرتا ہے کہ عام لغوی مفہوم رکھنے والا لفظ بھی اس کے ماننے والوں کے عرف میں آ کر کس طرح معنوی پاکیزگی حاصل کر لیتا ہے۔

کسب حلال کی ترغیب

انسان کی فطری ساخت ہی کچھ اس قسم کی ہے کہ وہ ضرورتوں کی تکمیل کے لئے قدم قدم پر دوسروں کے تعاون کا محتاج اور لین دین، خرید و فروخت، بات چیت سمیت باہمی معاملات میں ایک دوسرے سے روابط کا طلب گار ہے، ہر شخص کی بہت سی ضرورتیں دوسرے بہت سے افراد سے وابستہ ہیں، خصوصاً معاشی و معاشرتی امور میں انسانی روابط کی اہمیت کا بیان ناگزیر ہے، پھر ایک مسلمان کے یہ روابط، اس کی منزل آخرت کی دائمی کام

۶۔ البقرہ: ۲۲۵

۷۔ النساء: ۱۱۱

۸۔ الطور: ۲۱

۹۔ محمد الشیبانی (م ۱۸۹ھ)۔ کتاب الکسب۔ ناشر عبد الهادی صرصونی، دمشق، ۱۴۰۰ھ: ص ۳۲

Marfat.com

یابی تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہیں، امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رب الارباب اور مسبب الاسباب نے آخرت کو دار جزا اور سزا اور دنیا کو محنت اور کسب کا مقام قرار دیا ہے اور دنیا میں مستعد ہو کر محنت کرنے سے مراد صرف یہ نہیں کہ فقط آخرت کا خیال ہو اور معاش کی فکر بالکل نہ ہو، بل کہ معاش تو معاد تک پہنچنے کا ایک ذریعہ اور مددگار ہے، کیوں کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ (۱۰)

انسان کے لئے لازم ہے کہ ان روابط کو استعمال کرتے ہوئے اپنی روزی تلاش کرے، اللہ تعالیٰ کے فرمان مبارک کے مطابق دن کا وقت اس کے لئے مقرر کیا گیا ہے، فرمایا:

وَ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا۝ (۱۱)

اور ہم نے دن کو (حصول) معاش کے لئے بنایا۔

اور زمین میں رزق کے امکانات اور اسباب بھی خالق کائنات نے مقرر فرما دیئے، فرمایا:

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ (۱۲)

اور ہم نے تمہارے لئے اس (زمین) میں روزی کے اسباب پیدا کئے۔

اسی بنا پر خالق ارض و سما نے انسان کو رزق حلال کے حصول کی تاکید فرمائی، ایک مقام پر ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحاً (۱۳)

اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھایا کرو اور نیک عمل کیا کرو۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

۱۰۔ ابو حامد محمد بن الغزالی، احیاء علوم الدین، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ۱۹۳۹ء: ج ۲، ص ۶۲

۱۱۔ النباء: ۱۱

۱۲۔ الاعراف: ۱۰

۱۳۔ المومنون: ۵۱

Marfat.com

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ۔ (۱۴)

اے ایمان والو! تم ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں۔

نبی رحمت، ہادی برحق علیہ الصلاۃ والسلام نے بھی ہاتھ سے کما کر رزق حاصل کرنے کی تلقین فرمائی، اسے دیگر فرائض کی طرح فرض اور مسلمان پر عین لازم قرار دیا، آپ ﷺ نے فرمایا:

طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة (۱۵)

حلال روزی طلب کرنا (دوسرے) فرائض کے بعد ایک فریضہ ہے۔

اور ایک روایت میں کسب حلال کو ہر مسلمان پر واجب قرار دیا، آپ ﷺ نے فرمایا:

طلب الحلال واجب على كل مسلم (۱۶)

حلال رزق طلب کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔

اور دوسری روایت میں فرمایا:

ان الله كتب عليكم السعي فسعوا (۱۷)

اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی و کوشش فرض کر دی ہے سو تم کوشش کرو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں آپ ﷺ نے محنت کی کمائی کو سب سے عمدہ قرار دیا، فرمایا:

ان اطيب ما اكل الرجل من كسبه و ان ولده من كسبه (۱۸)

بلاشبہ سب سے عمدہ کھانا وہ ہے جو انسان اپنی کمائی سے کھائے اور اس کی اولاد بھی اس کی محنت ہے۔

۱۴۔ البقرہ، ۲:۱۷۲

۱۵۔ طبرانی۔ المعجم الکبیر: ج ۱۰، ص ۷۴

۱۶۔ عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری۔ الترغیب والترہیب۔ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ۱۹۳۳ء: ج ۳، ص ۲۰۶

۱۷۔ احمد۔ المسند: ج ۶، ص ۴۲۲

۱۸۔ ابن حبان: ج ۱۰، ص ۷۴، رقم ۴۲۶۱

Marfat.com

یعنی وہ اپنی اولاد کی کمائی بھی استعمال کر سکتا ہے، کیوں کہ درحقیقت وہ بھی اسی کی کمائی ہے۔

مسلمان کے دن کا آغاز طلوع فجر سے ہوتا ہے، اور وہ نئے دن کی زندگی کا آغاز اپنے رب کے نام سے، اس کے حضور سجدہ نیاز پیش کر کے کرتا ہے، جس نے اسے ایک اور دن عطا کیا۔ چناں چہ وہ صلاۃ فجر ادا کرتا ہے، نماز کی ادائیگی کے بعد اسے یہ حکم ہے کہ اپنی روزی کے لئے اور کسب حلال کی خاطر اپنی تگ و دو کا آغاز کر دے، چناں چہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

اذا صلیتم الفجر فلا تناموا عن طلب ارزاقکم (۱۹)

جب تم صلاۃ فجر کی ادائیگی کر چکو تو اب تم اپنی روزی کے لئے جدوجہد کئے بغیر سونے کا نام بھی مت لو۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشہور قول ہے، انہوں نے فرمایا:

لا یقعد احدکم عن طلب الرزق و یقول اللھم ارزقنی، فقد علمتم ان السماء لا تمطر ذھبا و لا فضۃ (۲۰)

تم میں سے کوئی بھی رزق کی تلاش میں (پست ہمت ہو کر) نہ بیٹھ جائے اور یہ کہنے لگے کہ اے اللہ! مجھے رزق دے، کیوں کہ تم جانتے ہو کہ آسمان تم پر سونا چاندی نہیں برسائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کی تشریح میں سید مرتضیٰ زبیدی فرماتے ہیں کہ ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ جائز اسباب معیشت میں سے کسی سبب اور وسیلے کو ضرور اختیار کرے، جس سے وہ رزق حاصل کر سکے۔ (۲۱)

یہ آیات، روایات اور آثار ہمیں یہی درس دے رہے ہیں کہ حلال رزق کے لئے عملی کوشش کرنا نہ صرف ہر ایک کے لئے لازمی اور ناگزیر ہے، بل کہ وہ دیگر عبادات کی طرح

۱۹۔ علی متقی الہندی۔ کنز العمال: رقم ۹۲۹۹،

۲۰۔ احیاء علوم الدین: ج ۲، ص ۶۴

۲۱۔ اتحاف السادۃ المتقین: ج ۵، ص ۴۱۷

Marfat.com

ایک عبادت اور دوسرے فرائض کی مانند ایک فریضہ ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ اس فریضے کی ادائیگی میں کوتاہی پر یا اس کی ادائیگی اس انداز میں نہ کرنے پر جو شریعت کا تقاضا ہے، اس سے باز پرس بھی ضرور ہوگی، اور اسے جواب دہی بھی کرنی ہوگی۔

نبی اکرم ﷺ نے تو کسب حلال کی خاطر ایسی صورت میں جب انسان مجبور ہو، جماعت سے نماز کی ادائیگی ترک کر دینے کی بھی اجازت دی ہے اور فرمایا ہے کہ ایسی صورت میں تنہا نماز پڑھ لینا جائز ہے، روایت میں آتا ہے کہ ایک صحابی رسول ﷺ نے عرض کیا کہ میری گزر بسر کا ذریعہ شکار ہے، جس کی تلاش میں جنگلوں اور بیابانوں میں رہنے کی وجہ سے اکثر باجماعت نماز کی ادائیگی سے محروم رہتا ہوں، ان حالات میں میرے لئے کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

> قد احله، نعم العمل والله اولى بالعذر، قد كانت قبلى رسل كلهم يصطاد و يطلب الصيد و يكفيك من الصلاة فى جماعة اذا غبت عنها فى طلب الرزق حبك الجماعة و اهلها، و حبك ذكر الله و اهله وابتغ على نفسك و عيالك حلالا، فان ذلك جهاد فى سبيل الله (۲۲)

> ہاں حلال ہے، بہت اچھا مشغلہ ہے، خدا کی قسم! مانگنے سے بہتر ہے، مجھ سے پہلے جتنے پیغمبر گزرے، سب کے سب شکار کرتے تھے اور شکار کی تلاش میں نکلتے تھے۔ باقی جماعت کی نماز کے لئے تمہارے لئے یہی کافی ہے کہ روزی کی تلاش میں جب تمہیں جماعت سے غیر حاضر ہونا پڑے، تو جماعت کی محبت، جماعت والوں کی محبت، اللہ کے ذکر کی محبت، ذکر اللہ میں مشغول ہونے والوں کی محبت، (یہ سب باتیں تم میں موجود ہوں، کیوں کہ یہ سب چیزیں جماعت کی عدم حاضری کے قائم مقام ہیں) تمہیں چاہیے کہ اپنے اہل وعیال کے لئے طلب حلال میں کوشش کرو کہ یہ اللہ کی راہ میں جہاد ہے۔

احادیث میں کسب حلال کا حکم اور محنت و مزدوری کی تلقین متعدد مقامات پر اور بہت

۲۲۔ المعجم الکبیر: ج ۸، ص ۵۱

Marfat.com

وضاحت کے ساتھ کی گئی ہے، یہاں چند احادیث بیان کی جاتی ہیں، جن میں یہ مضمون صراحت سے بیان ہوا ہے، حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

ان اللہ یحب المومن المحترف (۲۳)

اللہ ہنر مند مومن کو پسند کرتا ہے۔

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور ﷺ نے فرمایا:

ما اکل احد طعاما خیرا من ان یاکل من عمل یدہ (۲۴)

کوئی شخص بھی اس طعام سے اچھا نہیں کھا سکتا جو وہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتا ہے۔

ابو بردہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ وہ کون سی روزی ہے جو اللہ کو پسند ہے اور بالکل خالص ہے، آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

وہ روزی جو مزدور نے اپنے ہاتھ سے کمائی ہو۔ (۲۵)

پھر اسی بات کو مزید وسعت دیتے ہوئے اسلام نے بے کاری اور عمداً بے روزگاری کو بھی ناپسند فرمایا ہے، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

انی لا مقت ان اری الرجل فارغا لا فی عمل الدنیا ولا فی الآخرۃ (۲۶)

میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ کسی شخص کو فارغ دیکھوں، وہ نہ تو دنیا کے کسی کام میں مشغول اور نہ آخرت کے کسی کام میں۔

بعض صورتیں رزق کے حصول کی ایسی بھی ہیں جو ناجائز تو ہیں ہی، لیکن وہ کام چوری اور بے کاری کے زمرے میں بھی آتی ہیں، مثلاً گداگری، اسے بھی اسلام نے سختی سے ناپسند کیا ہے، کیوں کہ معاشرے کے لئے یہ ایک لعنت کا درجہ رکھتی ہے، اور افراد کی صلاحیتوں کی خودکشی سے کم نہیں، اس صورت میں انسان اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں کو

۲۳۔ طبرانی۔ المعجم الاوسط: ج ۸، ص ۳۸۰، رقم ۸۹۳۴

۲۴۔ الترغیب والترہیب: ج ۲، ص ۱۱۲

۲۵۔ المستدرک: ج ۲، ص ۱۲

۲۶۔ المعجم الکبیر: ج ۹، ص ۱۰۳

Marfat.com

اپنے ہاتھوں سے ذبح کر کے معاشرے پر بوجھ بن جاتا ہے، اسلام اسے قطعاً برداشت نہیں کرسکتا۔ اس لئے نبی اکرم ﷺ نے اس کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے، آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

ما يزال الرجل يسئل الناس حتى ياتى يوم القيامة ليس فى وجهه مزعة لحم (۲۷)

آدمی ہمیشہ لوگوں سے بھیک مانگتا رہے گا یہاں تک کہ قیامت کے دن وہ اس حال میں آئے گا کہ اس کے منہ پر گوشت کی ایک بوٹی تک نہ ہوگی۔

ایک دوسری روایت میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے ان صورتوں کی وضاحت فرمائی، جن میں کسی شخص کے لئے سوال کرنا جائز ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

يا قبيصة ان المسئلة لاتحل الا لاحد ثلاثة رجل، تحمل حمالة فحلت له المسئلة حتى يصيبها ثم يمسك، و رجل اصابته جائحة اجتاحت ماله فحلت له المسئلة حتى يصيب قواما من عيش او قال سدادا من عيش، ورجل اصابته فاقة حتى يقوم ثلاثة من ذوالحجىٰ من قومه لقد اصابت فلانا فاقة فحلت له المسئلة حتى يصيب قواما من عيش او قال سدادا من عيش فما سواهن من المسئلة يا قبيصة سحتا ياكلها صاحبها سحتا (۲۸)

اے قبیصہ! سوال کرنا صرف تین آدمیوں کو جائز ہے، ایک تو اس کو جو کسی قرضے کا ضامن ہو، اس کو صرف اس قدر مانگنا جائز ہے کہ وہ اس سے قرضہ ادا کر دے، اس کے بعد پھر نہ مانگے۔ دوسرے اس شخص کو جو کسی آفت یا مصیبت میں مبتلا ہو جائے (مثلاً قحط یا اضاعت مال) اس کو صرف اس قدر مانگنا جائز ہے، جس سے اس کی ضرورت پوری ہو جائے یا یہ فرمایا کہ وہ مال

۲۷۔ مسلم: ج ۲، ص ۵۳۶، رقم ۲۳۶۶

۲۸۔ مسلم: ج ۲، ص ۱۰۸، رقم ۱۰۴۴

Marfat.com

اس کی زندگی کو قائم رکھ سکے، تیسرے اس شخص کو جس کو کوئی مصیبت پیش آ جائے مثلاً فاقہ، اور محلے کے تین آدمی اس امر کی شہادت دیں کہ وہ فاقے سے ہے، اس کو بھی مانگنا جائز ہے صرف اس قدر کہ وہ زندگی کو قائم رکھ سکے، ان لوگوں کے سوا قبیصہ کسی کو سوال کرنا درست نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص ان صورتوں کے سوا سوال کرے گا تو یہ سوال حرام ہوگا اور وہ مال حرام کھائے گا۔

اسی طرح ایک روایت میں نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے شخص کو جس کے پاس دو وقت کے گزر اوقات کا سامان موجود ہو، سوال کرنے کو سخت وعید کا باعث قرار دیا، فرمایا:

من سال الناس عن ظهر غنى انما يستكثر من جمر جهنم (۲۹)

باوجود غنی ہونے کے جو لوگوں سے بھیک مانگتا ہے، وہ جہنم کے انگارے جمع کر رہا ہے۔

اور پھر سوال کرنے والے کے جواب میں اس ''غنیٰ'' کی وضاحت آپ ﷺ نے اس طرح فرمائی، فرمایا:

ان يعلم ان عند اهله ما يغديهم و يعشيهم (۳۰)

جو یہ جانتا ہے کہ اس کے گھر میں اتنا کچھ ہے کہ جس کے ذریعے صبح وشام کی غذا مہیا ہو سکتی ہے۔

اس بنا پر فقہائے کرام نے ایسے افراد کو جو ضرورت مند نہ ہوں، بھیک دینے کو بھی ناجائز قرار دیا ہے، علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ان السائل و المعطى آثمان (۳۱)

سوال کرنے والا اور دینے والا دونوں گناہ گار ہوں گے۔

اور اس قول کی زیادہ اچھی وضاحت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے ہاں ملتی ہے، وہ فرماتے ہیں:

۲۹۔ المعجم الکبیر: ج۶، ص۹۶

۳۰۔ المعجم الکبیر: ایضاً

۳۱۔ ابن النجیم حنفی۔ الاشباہ والنظائر

Marfat.com

ولو علم المعطی ان السائل لایتخذه کسبا فلا اثم علیه ولو علم انه یتخذه کسبا و یتعاد السوال فهو ا ثم (۳۲)

اگر دینے والا یہ جانتا ہو کہ سوال کرنے والا اس کو اپنا پیشہ نہ بنا لے گا تو ایسے دینے والے کو گناہ نہ ہوگا۔ اور اگر یہ جانتا ہو کہ وہ بھیک کو اپنا پیشہ بنا لے گا تو دینے والا بھی گناہ گار ہوگا۔

مانگنے کی صرف وہی صورتیں نہیں ہیں، جو عام طور پر گداگروں میں ہمارے ہاں مروج ہیں، بل کہ اشاروں کنایوں میں مانگنا بھی مانگنا ہے، اسی طرح کسی دینی یا رفاہی کام کے لئے لینا اور پھر اس کے مصرف میں خرچ کرنے کی بہ جائے اس رقم سے اپنی ضرورتوں کی تکمیل کرنا بھی خیانت کے ساتھ ساتھ مانگنے کی تعریف میں شامل ہے، نیز ایسی حالت بنا لینا بھی مانگنے کی ایک صورت ہے، جسے دیکھ کر اس پر ضرورت مند کا گمان ہو۔ اسلام اسے بھی ناپسند کرتا ہے، چناں چہ ابو الاحوص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں:

اتیت رسول الله صلی الله علیه وسلم وعلی ثوب دون فقال لی الك مال قلت نعم قال من ای المال؟ قلت من کل المال قد اعطانی الله من الابل و البقر و الغنم والخیل و الرقیق، قال فاذا اتاك مالا فلیر اثر نعمة الله علیك و کرامته (۳۳)

میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میرا لباس بہت ہی معمولی تھا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: تمہارے پاس مال ہے؟ میں نے جواب دیا، جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کس قسم کا مال؟ میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر قسم کے مال سے نوازا ہے، اونٹ، گائے، بکریاں، گھوڑے اور غلام، سب ہی کچھ میرے پاس موجود ہے۔ (اس پر) آپ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال و دولت سے نوازا ہے تو اس کی نعمت و کرم فرمائی کا نشان بھی تو تم پر نظر آنا چاہئے۔

۳۲۔ مولانا انور شاہ کشمیری۔ العرف الشذی: ص ۲۹۱

۳۳۔ نسائی۔ السنن الکبریٰ: ج ۸، ص ۱۸۱، رقم ۵۲۲۴

Marfat.com

کسب حلال کے آداب

یہاں ایک اور امر ہمارے پیش نظر رہنا ضروری ہے، اور وہ یہ کہ دیگر فرائض کی مانند اس کی ادائیگی کے بھی آداب ہیں، اسلام اسے فرض ضرور قرار دیتا ہے مگر ایسا فرض، جس میں مشغولیت دیگر فرائض اور کارہائے زندگی کو متاثر نہ کرے، یہی وجہ ہے کہ اسلام اپنے مزاج کے عین مطابق کسب حلال کے لئے میانہ روی کی شرط بھی عائد کرتا ہے، تاکہ انسان ایک جانب تو اپنے امور زیست نہایت سکون، اطمینان اور جائز طریقے سے بجا لائے، زندگی کے مطالبات کو دیانت داری سے پورا کرے اور معاشی و معاشرتی تقاضوں سے عہدہ برا ہو، اور دوسری جانب وہ اپنے خالق و مالک کو بھی ہمہ وقت یاد رکھے، اور دنیا میں بھیجے جانے کا اصلی مقصد اس کی نگاہوں سے کبھی اوجھل نہ ہو، یہی وہ منزل ہے جہاں انسان کی معیشت اور معاشرت بھی عبادت بن جاتی ہے، اسی کا اسلام مطالبہ کرتا ہے اور یہی امر ایک اچھے مسلمان کی شناخت ہے۔ میانہ روی اور کسب حلال میں افراط سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

اجملوا فی الطلب الدنیا فان کلا میسر له ماکتب له منها (۳۴)

دنیا کی طلب میں اعتدال سے کام لو اس لئے کہ جتنا رزق انسان کے لئے لکھ دیا گیا ہے وہ اسے ضرور ملے گا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ایها الناس اتقوا الله و اجملو فی الطلب وان نفسا لن تموت حتی تستوفی رزقها وان ابطا عنها، فاتقوا الله واجملوا فی الطلب خذوا ما حل و دعوا ما حرم (۳۵)

اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور روزی کی تلاش میں اعتدال سے کام لو، کیوں کہ کوئی نفس بھی اپنے حصے کا رزق پورا کئے بغیر نہیں مرے گا، اگرچہ اس کی فکر بھی نہ

۳۴۔ بیہقی۔ السنن الکبریٰ: ج ۸، ص ۸۹

۳۵۔ ابن ماجہ: ج ۳، ص ۷، رقم ۲۱۴۴

Marfat.com

کرے، پس اللہ سے ڈرتے رہو اور اچھے طریقے سے روزی حاصل کرو، اور جو کچھ حلال ہے وہ لے لو اور حرام کو چھوڑ دو۔

حرام سے بچنے کی تلقین

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جانب حلال کی اہمیت بیان فرما کر کسب حلال کی ترغیب دی ہے، تو دوسری جانب حرام سے بچنے کی بھی تلقین فرمائی ہے، ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مثال دے کر بات اس طرح واضح فرمائی، فرمایا:

ان الحلال بین وان الحرام بین و بینهما مشتبهات، لا یعلمهن کثیر من الناس، فمن اتقی الشبهات استبرأ لدینه و عرضه، ومن وقع فی الشبهات وقع فی الحرام، کالراعی یرعی حول الحمی یوشك ان یرتع فیه، الاوَان لکل ملك حمی، الا ان حمی الله محارمه (۳۶)

حلال بھی ظاہر ہے، حرام بھی ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ امور ہیں، جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے، سو جو کوئی مشتبہ چیزوں سے بچا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچالیا اور جو ان مشتبہ چیزوں میں پڑ گیا تو وہ (بالآخر) حرام میں جا پڑے گا، اس چرواہے کی طرح جو (سرکاری) چراگاہ کے قریب چراتا ہے، قریب ہے کہ اس کے جانور اس چراگاہ میں چرنے لگیں (جو کہ جرم ہے)۔ خبردار ہر بادشاہ کی ایک (مخصوص) چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ کی چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔

اور دوسری روایت میں فرمایا:

یا کعب بن عجرة انه لن یدخل الجنة لحم نبت من سحت (۳۷)

اے کعب بن عجرۃ! بلاشبہ حرام کمائی سے پلنے والا گوشت جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔

۳۶۔ مسلم: ۳، ص ۵۷، رقم ۱۵۹۹

۳۷۔ الدارمی: ج ۲، ص ۴۰۹، رقم ۲۷۷۶

Marfat.com

اسلام حلال روزی کے بارے میں کس قدر حساس ہے؟ اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ اس کی نظر میں کسب اور روزی کا عبادات سے بھی نہایت گہرا تعلق ہے اور انسان کے بہت سے دینی معاملات بھی اس کی کمائی سے تعلق رکھتے ہیں اور روزی میں حرام کی آمیزش سے دینی اور دنیاوی دونوں طرح کے امور سخت متاثر ہوتے ہیں، ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یا ایھا الناس ان اللہ طیب لایقبل الا طیبا، و ان اللہ امر المومنین بما امر المرسلین وقال یا ایھا الرسل کلوا من الطیبات و اعملوا صالحاً، وقال تعالیٰ یا ایھا الذین امنوا کلوا من طیبات مارزقنکم، ثم ذکر الرجل یطیل السفر یمد یدیه الی السماء یارب یارب اشعث اغبر و مطعمه حرام و مشربه حرام و ملبسه حرام و غذی بالحرام فانی یستجاب لذلک (۳۸)

اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ طیب ہے، پاکیزہ چیزوں کو ہی قبول کرتا ہے اور اللہ نے مومنوں کو بھی وہی حکم دیا ہے جو اس نے رسولوں کو دیا ہے، جیسا کہ وہ فرماتا ہے کہ اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھایا کرو اور نیک اعمال کیا کرو، اور فرمایا اے ایمان والو! تم ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ذکر کیا جو طویل سفر کرتا ہے، وہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرتا ہے اور کہتا ہے اے میرے رب، اے میرے رب، اس کے بال پراگندہ اور غبار آلودہ ہیں، حال آں کہ اس کا کھانا حرام ہے اور اس کا پینا حرام ہے، اس کا لباس حرام ہے، اس کی غذا حرام ہے، سو ایسے شخص کی دعا کیسے قبول ہو؟

آج ہمارا عام مزاج بن چکا ہے کہ ناجائز طریقے سے حاصل کی گئی دولت میں سے کچھ حصہ راہ خدا میں اور رفاہی کاموں میں صرف کر کے ہم اپنے ضمیر کو مطمئن اور باقی رقم کو

۳۸۔ مشکوۃ کتاب البیوع باب الکسب وطلب الحلال

☆ ابن الجعد (م ۲۳۴ھ) ۔ المسند ۔ موسسۃ نادر، بیروت، ۱۹۹۰ء: ص ۲۹۶، رقم ۲۰۰۹

Marfat.com

استعمال کرنے کا جواز پیدا کر لیتے ہیں، دیکھئے اس روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں، آپ ﷺ کا فرمان ہے:

من اکتسب مالا من ماثم فوصل به رحمه او تصدق به او انفقه فی سبیل الله جمع ذلك كله جميعا فقذف به فی جهنم (۳۹)

جس شخص نے برائی کے ذریعے مال کمایا پھر اس کے ذریعے صلہ رحمی کی یا اس سے صدقہ کیا یا اسے اللہ کے راستے میں خرچ کیا تو یہ سارا مال جمع کر کے اس کے ساتھ جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔

کسب کی ناجائز صورتیں

روزی کمانا ہر فرد کی ضرورت ہے اور اس ضمن میں بدلتے زمانے کے ساتھ ساتھ روزی کمانے کی نئی نئی صورتیں سامنے آتی رہتی ہیں، ان کے بارے میں اسلام نے واضح ہدایات فرمادی ہیں، جن میں ان اصولوں کی تعلیم دی گئی ہے، جن کی روشنی میں ہم اپنے اعمال اور روزمرہ کے معمولات کو دیکھ سکتے ہیں، ذیل میں چند اصولی باتیں پیش خدمت ہیں:

ا۔ سود کی حرمت: اسلام سود کی کسی صورت میں اجازت نہیں دیتا، وہ اس کے سخت خلاف ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والوں، دینے والوں، سودی دستاویز لکھنے والوں اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ وہ سب (گناہ میں) برابر کے شریک ہیں۔ (۴۰)

بل کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں سود کے گناہ کو اس قدر شدید وعید کی صورت میں واضح کیا، فرمایا:

سود (کا گناہ) ایسے ستر گناہوں کے برابر ہے، جن میں سب سے کم درجے کا گناہ یہ ہے کہ مرد اپنی ماں سے زنا کرے۔ (۴۱)

۳۹۔ الترغیب والترہیب: ج ۲، ص ۲۰۹

۴۰۔ مسلم: ج ۳، ص ۵۷، رقم ۱۵۹۸

Marfat.com

پھر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں آپ ﷺ نے اس کے انجام سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا:

سود اگرچہ کتنا ہی زیادہ ہو جائے، اس کا آخری انجام قلت اور کمی ہے۔ (۴۲)

یہی حقیقت قرآن حکیم میں بھی بیان فرمائی گئی، فرمان خداوندی ہے:

وَ مَا اٰتَیْتُمْ مِنْ رِبًا لِّیَرْبُوَا فِیْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَاللّٰهِ (۴۳)

اور جو کچھ تم سود پر دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مال میں مل کر بڑھتا رہے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا۔

یعنی دنیاوی اعتبار سے بھی آخر کار نتیجہ گھاٹے اور خسران کی شکل میں نکلتا ہے، اور آخرت کا خسارہ اور نقصان تو واضح ہے۔

سود خواہ کسی شکل میں ہو، حرام ہے، اسے لینا اور دینا دونوں ناجائز ہیں، اور اس علت میں گرفتار ہونا دنیا و آخرت دونوں کی بربادی کا سبب ہے، آج کل سود کی بے شمار قسمیں رائج ہیں، اور کچھ تو ہماری ناواقفیت، کچھ لاپرواہی اور اس برائی کی شدت کو نظر انداز کر دینے کے سبب ہم اس کی بہت سی صورتوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، مثال کے طور پر قسطوں میں خرید و فروخت اور لیزنگ کی مروج اکثر صورتیں سود کی تعریف میں شامل ہیں اور ناجائز ہیں، لیکن بہت سی صورتوں میں ہم بلا ضرورت اس میں مبتلا ہو کر اپنی دنیا و آخرت دونوں کا نقصان کر رہے ہیں۔

۲۔ چوری: چوری یقیناً بری عادت ہے، جسے کسی بھی معاشرے میں پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ اسلام نے اس کی سخت ترین سزا قطع ید مقرر کی ہے، قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَا قْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءً بِمَا کَسَبَا نَکَالًا مِّنَ اللّٰهِ (۴۴)

۴۱۔ مشکوٰۃ: کتاب البیوع، باب الربا، فصل ثالث

۴۲۔ مشکوٰۃ: ایضاً

۴۳۔ الروم: ۳۹

Marfat.com

اور چور مرد و عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، یہ ان کے کیے کا بدلہ ہے (اور) اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا۔

لیکن چوری کے مفہوم میں بہت وسعت ہے، عرف عام میں جس فعل کو چوری کہا جاتا ہے وہ تو اپنی جگہ ممنوع ہے ہی، لیکن کام چوری بھی بہ ہر حال چوری ہے، صلاحیتوں کا جان بوجھ کر پورا استعمال نہ کرنا بھی چوری اور خیانت کا حصہ ہے۔ خود خیانت بھی ایک حد تک چوری میں شامل ہے، ہمارے ہاں دفاتر میں عام طور پر اس قسم کی چوریاں عام ہیں، دفتری اشیا کا ذاتی استعمال، دفتری اوقات میں ذاتی کام، بل کہ دفتری اشیا کو اٹھا کر گھر میں ڈال لینا یا بیچ ڈالنا تو عام ہیں، سرکاری ملازمین کا ملازمت کے اوقات میں دہری ملازمت کرنا اور سرکاری دفاتر میں محض حاضری لگا کر تنخواہ وصول کرنے کی شکایات بھی کم نہیں، یہ تمام صورتیں چوری میں شامل ہیں اور ناجائز ہیں، جن کی وجہ سے حلال کمائی بھی حرام کی آمیزش سے ناپاک ہو جاتی ہے، اس لئے ان سب صورتوں سے احتراز ضروری ہے۔

۳۔ جوا اور قمار: یہ بھی ممنوعات اسلام میں شامل ہیں، اس لئے کہ جوئے کی مضرت بھی کسی سے پوشیدہ نہیں، معاشرے کے لئے اس کا وجود بھی ناسور کی حیثیت رکھتا ہے اور اس لت کا شکار ہونے کے بعد انسان کہیں کا نہیں رہتا، قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○ (۴۵)

بلاشبہ شراب، جوا، بت، پانسے یہ سب نجاست ہیں (اور) شیطان کا عمل ہیں، سو تم ان سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

جوا بجائے خود حرام ہے، لیکن اس کی فقط وہی ایک دو صورتیں نہیں جو عوام میں متعارف ہیں، بل کہ اس کی نت نئی شکلیں آئے دن سامنے آتی رہتی ہیں، خصوصا زیادہ تر انعامی اسکیمیں جوئے کی تعریف میں شامل ہیں اور اس بنا پر ناجائز ہیں، ان سے بچنا چاہئے۔

آج کا سب سے اہم مسئلہ اس حوالے سے سیل فون کے ذریعے پھیلنے والی نت نئی

۴۴۔ المائدۃ:۳۸

۴۵۔ المائدۃ:۱۲

Marfat.com

اسکیمیں ہیں، جو زیادہ تر، جوئے اور سٹے کی تعریف میں آتی ہیں، اور جن میں ہم غیر شعوری طور پر ملوث ہو جاتے ہیں۔

۴۔ منافع خوری اور ذخیرہ اندوزی: آج کل جن صورتوں کے ذریعے راتوں رات دولت کے ذخائر جمع کر لینے کا رجحان ہے، ان میں ذخیرہ اندوزی اور ناجائز منافع خوری بھی شامل ہے، اکثر اوقات قیمتوں میں مصنوعی اضافہ کیا جاتا ہے، جس کے لئے خصوصاً روزمرہ استعمال کی اشیا اور سامان خورد ونوش کو روک کر انہیں ذخیرہ کرلیا جاتا ہے، اور طلب سے کم مقدار میں اسے مارکیٹ میں سپلائی کیا جاتا ہے، کولڈ اسٹوریج نے اس سلسلے میں مزید سہولت پیدا کر دی ہے، یوں عوام کی مشکلات میں مسلسل اضافے کا رجحان ہے، خصوصاً رمضان المبارک اور دیگر اہم مواقع پر غذائی اشیا کی مصنوعی قلت پیدا کی جاتی ہے، جس سے ان اشیا کی قیمت کئی گنا بڑھ جاتی ہے، اسلام نے اس بات کو سختی سے منع کیا ہے، عرب میں رواج تھا کہ باہر سے جب کوئی قافلہ مال لے کر آتا تو کچھ لوگ پھرتی کا مظاہرہ کر کے ان سے پہلے جا ملتے اور بھاؤ تاؤ کر کے معاملہ طے کر لیتے اور قافلے کے شہر میں آنے سے قبل مال وصول کر لیتے، اس میں قافلے کا بھی نقصان تھا اور عوام کا بھی کہ اس سے قیمتوں میں مصنوعی اضافہ ہو جاتا تھا، آپ ﷺ نے اس عمل سے منع کر دیا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان التلقى، وان يبيع حاضر لباد (۴۶)

شتر سواروں کے قافلے کو آگے نکل کر کوئی ان سے نہ ملا کرے اور باہر کے تاجر سے بازار کا کوئی آدمی بیع کا معاملہ نہ کرے۔

اور دوسری روایت میں اس فرمان کی غرض بیان کر دی گئی:

دعوا الناس يرزق الله بعضهم من بعض (۴۷)

لوگوں کو چھوڑ دو، یوں ہی اللہ تعالیٰ بعض کو بعض سے روزی پہنچاتا ہے۔

۴۶۔ بخاری: ج ۲، ص ۳۲، رقم ۲۱۶۳

۴۷۔ مسلم: ج ۳، ص ۸، رقم ۱۵۲۲

Marfat.com

اسی طرح آپ ﷺ نے ذخیرہ اندوزی سے بھی منع فرمایا، فرمایا:

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يحتكر الطعام (۴۸)

آں حضرت ﷺ نے کھانے کی اشیا کی ذخیرہ اندوزی سے منع فرمایا ہے۔

۵۔ رشوت اور کمیشن: رشوت کی بیماری ہمارے ہاں عام ہے، اس کی بہت سی شکلیں رائج ہیں، سب ہی ناجائز ہیں اور ہم ان سے واقف بھی ہیں، لیکن اپنے آپ کو مطمئن کرنے کے لئے ہم نے بہت سے حیلے تراش رکھے ہیں، جن کا حاصل اپنے آپ کو دھوکے دینے کے سوا کچھ نہیں۔ کمیشن بھی رشوت ہی کی شکل ہے، یہ سب صورتیں ناجائز ہیں، نبی اکرم ﷺ نے واضح الفاظ میں فرمادیا:

الراشی و المرتشی کلاهما فی النار (۴۹)

رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں جہنمی ہیں۔

۶۔ خرید و فروخت کی چند ممنوع شکلیں: اس کے علاوہ ناپ تول میں کمی بیشی، ملاوٹ، دھوکا دہی، جھوٹی قسم کھانا، یہ سب چیزیں ناجائز ہیں، بعض صورتیں خرید و فروخت میں ہمارے ہاں رائج ہیں مگر وہ قطعاً جائز نہیں، مثلاً پھل کا تیار ہونے سے قبل فروخت کرنا، چیز پر قبضہ لئے بغیر آگے فروخت کر دینا وغیرہ یہ سب صورتیں ناجائز ہیں، اور دھوکا دہی میں شامل ہیں، ان سے بچنا ضروری ہے، اس لئے کہ اکثر اوقات تھوڑی سی بے احتیاطی یا لاپرواہی ہمارے نوے، پچانوے فیصد حلال رزق کو بھی ناپاک اور ناجائز بنا دیتی ہے۔ (۵۰)

مصارف کے اصول

اسلام کا مزاج یہ ہے کہ وہ کسب حلال کے ساتھ ساتھ مصارف کے آداب کی بھی تلقین فرماتا ہے، اس لئے کہ عام طور پر معاش میں بے اعتدالیوں کا سبب مصارف میں اضافہ اور

۴۸۔ المعجم الکبیر: ج ۸، ص ۱۸۸

۴۹۔ مستدرک: ج ۲، ص ۱۴، رقم ۲۱۶۳

۵۰۔ ان صورتوں کی وضاحت اور تفصیلی مطالعے کے لئے راقم کا مضمون تجارت کے اصول ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، جو اس کتاب میں اس مضمون کے بعد موجود ہے۔

Marfat.com

اسراف میں مبتلا ہونا ہے، اس بنا پر اسلام نے اسراف سے منع فرمایا ہے اور محنت سے کمائی ہوئی دولت کو خرچ کرنے کے لئے آداب تعلیم فرمائے ہیں۔ سورہ اعراف میں ارشاد ہے:

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَO (۵۱)

اور کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو، کیوں کہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اور سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا:

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًاO اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ (۵۲)

اور فضول خرچی مت کرو، بلاشبہ فضول خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

ان آیات میں مصارف کے دو بنیادی اصول بتائے گئے ہیں، ایک تو یہ کہ خرچ کرتے ہوئے اسراف نہ کرو، دوسرے تبذیر سے بچو۔

اسراف کی تشریح امام راغب اصفہانی یوں کرتے ہیں:

ہر انسانی کام میں حد سے تجاوز کرنے کو اسراف کہتے ہیں، اگرچہ مالی امور میں اس کا استعمال زیادہ مشہور ہے، اس کا استعمال مقدار اور کیفیت دونوں میں ہوتا ہے اس لئے سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی اطاعت کے علاوہ جو کچھ بھی خرچ کیا جائے وہ اسراف ہے خواہ وہ کتنا ہی قلیل کیوں نہ ہو۔ (۵۳)

حسن بصری رحمہ اللہ اس کی تشریح یوں کرتے ہیں:

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں کوئی اسراف نہیں (خواہ کتنا ہی خرچ کرو)۔ (۵۴)

اور تبذیر کے معنی ہیں: مال کو فضول خرچ کرتے ہوئے ضائع کر دینا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ تبذیر معاصی میں مال خرچ کرنے کو کہتے ہیں۔ (۵۵)

امام نسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

۵۱۔ الاعراف: ۳۱

۵۲۔ بنی اسرائیل: ۲۶، ۲۷

۵۳۔ المفردات: ۲۳۰

۵۴۔ تفسیر ابن کثیر: ج ۳، ص ۳۲۶

۵۵۔ لسان العرب: ج ۴، ص ۵۰

Marfat.com

مال کو غیر محل میں خرچ کرنے کو تبذیر کہتے ہیں اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اگر ایک مد (ایک پیمانہ) مال بھی باطل جگہ پر خرچ کیا تو وہ تبذیر ہوگا۔ (۵۶)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے ماوردی رحمہ اللہ سے تبذیر و اسراف کی تشریح اس طرح نقل کی ہے:

اسراف کمیت (خرچ کی مقدار) میں حد سے تجاوز کرنے کو کہتے ہیں اور یہ ان عائد شدہ حقوق کی مقداروں سے ناواقفیت کا ثبوت ہے جو اس کے ذمے واجب ہیں، اور تبذیر خرچ کرنے کے جائز مواقع میں تجاوز کرنے کا نام ہے اور یہ خرچ کی کیفیت اور ان کے مواقع نہ جاننے کی دلیل ہے اور یہ دونوں امر مذموم ہیں۔ (۵۷)

اس تشریح سے واضح ہوتا ہے کہ انسان دولت کو صرف اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی حدود اور پابندیوں کے اندر رہ کر خرچ کر سکتا ہے، اللہ تعالیٰ جس جگہ خرچ کرنے کا اس کو حکم دے، وہاں اس کا خرچ کرنا ضروری ہے، اور جہاں اس کو خرچ کرنے سے منع کر دے، اس کے لئے وہاں خرچ کرنے سے رک جانا لازم ہے۔ (۵۸)

اسراف کی کئی صورتیں بنتی ہیں:

۱۔ حلال سے تجاوز کر کے حرام تک پہنچ جائے اور حرام چیزیں کھانے پینے لگے۔

۲۔ اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو کسی شرعی عذر کے بغیر حرام سمجھ کر چھوڑ دے۔

۳۔ بھوک اور ضرورت سے زیادہ کھانا پینا۔

۴۔ ہر وقت کھانے پینے کی فکر میں رہنا۔ (۵۹)

۵۶۔ النسفی، ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود۔ مدارک التنزیل۔ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر: ج ۲، ص ۳۱۲

۵۷۔ روح المعانی: ج ۱۵، ص ۶۳

۵۸۔ ہادی اعظم۔ اشاعت اول۔ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی: ص ۸۸۳

۵۹۔ سید فضل الرحمٰن۔ احسن البیان۔ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی: ج ۳، ص ۳۲۹

Marfat.com

یہ تمام صورتیں اسراف میں شامل ہیں اور نا جائز ہیں۔

انسان جو کچھ کماتا ہے، وہ یا تو اپنے اوپر صرف کرتا ہے یا اپنے والدین، اہل وعیال اور خادموں پر صرف کرتا ہے یا بچا کر رکھتا ہے، اور چوتھی صورت یہ ہوتی ہے کہ اسے فضول و لایعنی سرگرمیوں میں اڑا دیتا ہے، تفاخر وریا کاری کی نذر کر ڈالتا ہے، حضور ﷺ نے علیحدہ علیحدہ ان چاروں صورتوں کا حکم بیان کیا ہے۔ جو کچھ انسان اپنے اوپر صرف کرتا ہے یا اپنے اہل وعیال و متعلقین پر خرچ کرتا ہے، اسے صدقہ فرمایا گیا ہے اور اس پر ثواب کی بشارت سنائی گئی ہے، آں حضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

ما کسب الرجل کسبا اطیب من عمل یده و ما انفق الرجل علی نفسه و اهله و ولده و خادمه فهو صدقة (٦٠)

انسان کی کوئی کمائی اس کی ہاتھ کی کمائی سے بہتر نہیں ہے، اور آدمی جو مال اپنے آپ پر خرچ کرتا ہے یا اپنے اہل، اولاد اور خادموں پر خرچ کرتا ہے وہ صدقہ ہے۔ (اس پر صدقے کا ثواب ملے گا)

تیسری صورت یہ ہوتی ہے کہ آدمی کچھ مال پس انداز کرتا اور بچا کر رکھتا ہے، اس کی اہمیت اس لئے ہے کہ بسا اوقات انسان حادثاتی طور پر مشکلات کا شکار ہوتا ہے، ایسی صورت میں محفوظ رکھی ہوئی رقم کو کام میں لانا دست سوال دراز کرنے سے یقیناً بہتر ہے، اس صورت کا ذکر مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے، ان کی ایک باندی تھی، جو دودھ فروخت کیا کرتی تھی، جس کی رقم مقدام رضی اللہ عنہ لیتے تھے، اس پر انہیں کہا گیا کہ سبحان اللہ آپ دودھ جیسی چیز فروخت کر کے اس کی قیمت لیتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں، اس میں کیا مضائقہ ہے؟ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

لیأتین علی الناس زمان لا ینفع فیه الا الدینار و الدرهم (٦١)

لوگوں پر ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا جب سوائے دینار و درہم کے کوئی چیز فائدہ نہ دے گی۔

۶۰۔ ابن ماجہ: ج ۳، ص ۵، رقم ۲۱۳۸

۶۱۔ مسند احمد: ج ۵، ص ۲۰،

Marfat.com

اور چوتھی صورت میں بھی یقیناً کسی کو اس سے اختلاف نہ ہوگا کہ اگر وہ اپنی کمائی لا یعنی کاموں میں صرف کر ڈالتا ہے تو اس کا یہ فعل کسی صورت بھی درست قرار نہیں دیا جا سکتا، حضور ﷺ نے اس لئے اسے شیطانی راستہ قرار دیا، فرمایا:

و ان کان یسعی علی ابوین ضعیفین اوزریۃ ضعاف لیغنیھم و یکفیھم فھو فی سبیل اللہ وان کان یسعی تفاخر و تکاثر فھو فی سبیل الشیطان (۶۲)

اور اگر انسان ضعیف والدین یا کم زور اولاد کے لئے کماتا ہے تاکہ انہیں غنی کر دے اور ان کی کفالت کرے تو یہ خرچ کرنا اللہ کے راستے میں ہے اور اگر اس کی یہ کوشش تفاخر اور دکھلاوے کے لئے ہے تو یہ مال کا صرف کرنا شیطان کے راستے میں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کسب حلال ایک اسلامی فریضہ ہے، جس کے لئے اسلام نے بہت سے آداب مقرر کئے ہیں، اصول وضوابط تعلیم فرمائے ہیں، نیز اسلام نے انسان کو مصارف کے معاملے میں بھی آزاد نہیں چھوڑا، بل کہ اسے اس معاملے میں بھی مکمل اور اصولی ہدایات بیان فرمائی ہیں، جو قرآن حکیم، تعلیمات نبوی ﷺ اور اسوۂ حسنہ کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہیں، جن کی روشنی میں ہم اپنے لئے حلال روزی کما کر اپنی دنیا اور آخرت دونوں کی کام یابی کا اہتمام کر سکتے ہیں۔

۶۲۔ احیاء علوم الدین: ج ۲، ص ۶۳

Marfat.com

تجارت کے اصول۔ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

قسط اول۔ شش ماہی السیرہ، عالمی: شمارہ:۲، دسمبر ۱۹۹۹ء

قسط دوم۔ شش ماہی السیرہ، عالمی: شمارہ:۳، جون ۲۰۰۰ء

کتابی صورت میں: زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی ۲۰۰۴ء: ۶۱ ص

Marfat.com

تجارت کے اصول

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے انسان کی روزی کمانے کے مختلف ذرائع اور اسباب پیدا اور مہیا فرمائے ہیں، ان میں سے کسی بھی پیشے اور ذریعے کو اپنا کر جائز اور حلال طریقے سے روزی کمانا درست ہے، البتہ ان میں سے ہاتھ کی کمائی یعنی تجارت و مزدوری اور صنعت و حرفت کے ذریعے کسبِ معاش زیادہ پسندیدہ ہے۔ پیشے اگرچہ سب اچھے ہیں مگر تجارت میں اللہ تعالیٰ نے برکت بہت رکھی ہے، بہ شرطے کہ وہ حلال اور جائز طریقوں سے کی جائے، اور تجارت کرتے ہوئے اسلامی اصول تجارت اور اسلام کے معاشی اصولوں کی رعایت رکھی جائے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ۝ (۱)

اور اللہ نے بیع کو تو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔

۱۔ البقرہ: ۲۷۵

Marfat.com

اکبرالہ بادی نے خوب کہا ہے:

لفظِ تاجر خود ہے اے اکبر ثبوت
دیکھ لو تاجر کے سر پہ تاج ہے

کسبِ حلال انسانی ضرورت ہے اور اسلام اس کی جانب جس قوت کے ساتھ توجہ دلاتا ہے، دوسرا کوئی مذہب اس کی مثال پیش نہیں کرسکتا۔ اسلام کی نظر میں حلال طریقے سے رزق کمانا ہنر، اور ہروہ کام جس سے بے کاری کا جواز ملے یا انسان معاشرے پر بوجھ بن جائے ایک عیب ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے امت کی خوش حالی کی دعا ان الفاظ میں کی تھی:

اللّٰھم انھم حفاۃ فاحملھم، اللّٰھم انھم عراۃ فاکسھم، اللّٰھم انھم جیاع فاشبعھم (۲)

اے اللہ یہ لوگ پیادہ ہیں، سو آپ انہیں سوار کر دیجئے۔ اے اللہ یہ لوگ لباس نہیں رکھتے، سو آپ انہیں لباس پہنا دیجئے۔ اے اللہ یہ لوگ بھوکے ہیں، سو آپ انہیں سیر کر دیجئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں ایک بڑا حصہ کسبِ حلال کی تاکید، معاشی زندگی میں اعتدال کی تلقین، حرام کمائی سے اجتناب اور گداگری کی مذمت، تجارت اور محنت کی تعلیم، تجارت کی حلال و جائز صورتوں کے بیان اور اس کی ممنوع اقسام سے بچنے کی تاکید پر مشتمل ہے۔

اسلام میں حصول معاش کی جدوجہد اور کسبِ حلال کی تگ و دو کو اس قدر اہمیت حاصل ہے کہ اسے عبادت کا درجہ دیا گیا ہے اور اسلامی تعلیمات کی رو سے حلال روزی کی تلاش اور کسبِ معاش کے حصول کے لئے جدوجہد نماز، روزے اور حج و زکوٰۃ کی طرح عبادت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

طلب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ (۳)

۲۔ ابوداؤد: ج ۲، ص ۴۳۵، رقم ۲۷۴۷

۳۔ طبرانی۔ المعجم الکبیر: ج ۱۰، ص ۷۴

Marfat.com

حلال رزق کا طلب کرنا دوسرے فرائض کے بعد ایک فریضہ ہے۔

اور دوسری روایت میں ارشاد ہے:

اسعوا فان اللّٰہ کتب علیکم السعی (۴)

سعی وکوشش کرو، کیوں کہ اللہ نے تم پر سعی وکوشش فرض کر دی ہے۔

راغب مراد آبادی کہتے ہیں:

افشا دل مومن پہ ہے یہ رازِ معاش
خلوت میں کرے غور ہر انسان اے کاش
حصے تو عبادت کے ہیں گو سات مگر
سب سے افضل حلال روزی کی تلاش (۵)

ہادیٔ اعظم، نبی رحمت، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اپنی تعلیمات میں دیگر شعبہ ہائے زندگی کے متعلق واضح، مکمل اور نہایت جامع ہدایات مرحمت فرمائی ہیں، وہیں تجارت اور اس کے متعلقہ امور کے بارے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت بالکل روشن، ہدایت بخش، ہر دور میں قابلِ عمل اور دنیا وعقبیٰ ہر ایک کے اعتبار سے نہایت مفید ہیں اور ہماری معاشی بدحالی اور مالی مشکلات کا علاج بھی، اصل ضرورت ان تعلیمات کو عام کرنے کی ہے اور ان پر اعتماد وایقان کے ساتھ عمل پیرا ہو کر انہیں اپنی زندگی کا جز بنانے کی۔

زیر نظر سطور میں یہی کوشش کی گئی ہے کہ تجارت کے مختلف پہلوؤں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو مرتب انداز میں پیش کر دیا جائے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کے جو بنیادی رہ نما اصول متعین فرما دیئے ہیں، ان کو ترتیب وار ذکر کر دیا جائے، تاکہ ایک نظر میں معلوم ہو سکے کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کون سی تجارت مطلوب ہے؟ اور اسلام کی نظر میں کاروبار کی بنیادی شرائط کیا ہیں؟

۴۔ احمد۔ المسند: ج ۷، ص ۵۷۲، رقم ۲۶۸۲۲

۵۔ اس رباعی میں اس معروف حدیث کی جانب اشارہ ہے، جس میں عبادت کے سات حصوں کا بیان ہے۔

Marfat.com

تجارت کیا ہے؟ لغوی معنی

عام مفہوم میں تجارت کے معنیٰ خرید و فروخت کے ہیں، یہ تجریتجر تجراً و تجارۃ سے آتا ہے۔(۶) یہ غیر عربی لفظ ہے، آرامی زبان میں تاجرے فروش کو کہتے تھے، عربی زبان میں اِس کا مفہوم وسیع ہوگیا (۷) ابن منظور کی بھی یہی رائے ہے کہ یہ لفظ شراب کی خرید وفروخت کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ اعشیٰ کہتا ہے:

ولقد شهدت التاجر ال

امان موروداً شرابه(۸)

اور جوہری کے بہ قول عرب شراب بیچنے والے کو تاجر کہا کرتے تھے۔

اسود بن یعفر کہتا ہے:

ولقد اروح على التجار مرجلا

مذلا بمالى ليناً اجيادى (۹)

قرآن میں بھی یہ لفظ کئی مقامات پر آیا ہے، منافقین کا بیان کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰىۖ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ۝ (۱۰)

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گم راہی خرید لی، سو نہ تو ان کی تجارت نفع بخش ہوئی، اور نہ انہوں نے راہِ ہدایت ہی پائی۔

اور دوسرے مقام پر مسلمانوں سے خطاب ہے:

۶۔ ابن منظور۔ لسان العرب۔ نشر ادب الحوزہ، قم ایران، طبع ۱۴۰۵ھ: ج ۴، ص ۸۹

۷۔ ڈاکٹر حافظ محمد الیاس۔ تصور ریاستِ اسلامی۔ مقالات مذاکرہ ملی تعلیماتِ نبوی ﷺ۔ مرتبہ حکیم محمد سعید۔ ہمدرد فاؤنڈیشن اشاعت ۱۹۸۳ء: ص ۵۳۶

۸۔ لسان العرب: ج ۴، ص ۸۹

۹۔ محولہ بالا

۱۰۔ البقرہ: ۱۶

Marfat.com

يَاَيُّهَا الَّذِينَ امَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ○ (۱۱)

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے؟

اصطلاحی تعریف

تجارت کے اصطلاحی وفنی مفہوم کی تشریح کئی طرح سے کی گئی ہے۔

امام راغب اصفہانیؒ کے بہ قول:

التجارة التصرف فی رأس المال طلبا للربح (۱۲)

تجارت اصل مال میں نفع کی غرض سے تصرف کرنے کا نام ہے۔

اور دائرۃ المعارف میں بیان کی گئی تعریف بھی اس کے قریب قریب ہے۔

التجارة الصرف فی المال لغرض الربح (۱۳)

(تجارت منافع کمانے کی غرض سے مال میں تصرف کرنے کو کہتے ہیں۔)

اور جصاص کے بہ قول تجارت سے مراد عوض کے بدلے اشیا اور خدمات کا تبادلہ ہے۔ (۱۴)

تجارت کی ایک تعریف یوں کی گئی ہے:

ان التجارة فی البسط معانیها تبادل منافع (۱۵)

تجارت اپنے عام مفہوم میں منافع کے تبادلے کا نام ہے۔

یہ تعریف اس اعتبار سے زیادہ مناسب اور جامع کہی جاسکتی ہے کہ یہ اسلامی فلسفۂ

۱۱۔ الصّف: ۱۰

۱۲۔ المفردات: ص ۷۳

۱۳۔ فرید وجدی۔ دائرۃ المعارف، بیروت طبع ۱۹۷۱ء: ج ۲، ص ۵۳۹

۱۴۔ ابوبکر جصاص۔ احکام القرآن: ج ۲

۱۵۔ مجلۃ الاقتصاد الاسلامی: جون ۱۹۸۵ء، عدد ۴۷

Marfat.com

معیشت کے زیادہ قریب ہے، جو انفرادی اور ذاتی مفاد سے بلند تر ہو کر کرۂ ارض پر بسنے والے تمام انسانوں کو اجتماعی فلاح کا پروگرام پیش کرتا ہے، اس لئے اسلام کی نظر میں تجارت خود نفع کمانے کا نام نہیں، بل کہ نفع کو عام کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کا نام ہے، اور یہی بات اس تعریف میں بھی کہی گئی ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

خیر الناس من ینفع الناس (۱۶)

سب سے بہتر آدمی وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے۔

خرید و فروخت کے لئے ایک اور لفظ بیع بھی استعمال ہوتا ہے، اس کی تشریح اس طرح کی گئی ہے:

البیع مبادلة المال بالمال تملیکا و تملکا و اشتقاقه لامن الباع (۱۷)

بیع مال کو مال کے بدلے تبدیل کرنے کو کہتے ہیں، اس طور پر کہ اس کا دوسرے کو مالک بنا دے یا خود مالک بن جائے۔

یعنی مال کا تبادلہ اس طریقے سے ہو کہ اس میں مِلک پائی جائے۔

تجارت کی اہمیت

تجارت، معیشت کا اہم ترین شعبہ ہے، اور اس پر قدیم و جدید تمام ماہرین اقتصادیات اور فقہائے امت کا اتفاق ہے، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں مذکور ہے:

آج کی دنیا میں تجارت معاشی وسائل میں سے سب سے بڑا وسیلہ اور تمدنی و شہری زندگی کے اسباب میں سے سب سے بڑا سبب ہے۔ (۱۸)

تجارت زمانۂ قدیم ہی سے حصولِ معاش کا ایک اہم ذریعہ رہی ہے اور آج کے دور

۱۶۔ شمس الائمہ سرخسی۔ المبسوط۔ ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیہ، کراچی، طبع ۱۹۸۷ء: کتاب الکسب، ج ۳۰

۱۷۔ ابن قدامہ المقدسی۔ الشرح الکبیر علی ہامش المغنی۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت: ج ۴، ص ۲

۱۸۔ مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔ اسلام کا اقتصادی نظام۔ ادارۂ اسلامیات لاہور، ۱۹۸۴ء: ص ۲۴۲

Marfat.com

میں تو معیشت کی بلند و بالا عمارت کا اس کے بغیر تصور بھی ممکن نہیں، اس کے ان ہی دوررس ثمرات اور ان گنت اجتماعی و انفرادی فوائد کی بنا پر اسلام نے تجارت کو بہترین کسبِ معاش قرار دیا ہے، اور صحیح اسلامی اصولوں کی پاس داری کرتے ہوئے تجارت کرنے والوں کو بڑے اجر کی بشارت دی ہے، اسلام نے تجارت کو کسبِ معاش کے اسباب میں سے دوسرے نمبر پر رکھا ہے، چناں چہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سب سے اچھا کسب جہاد کا ہے، بہ شرطے کہ جہاد کے ارادے کے ساتھ مالِ غنیمت کا ارادہ نہ کرے اور اپنی نیت خالص رکھے، پھر دوسرے نمبر کی تجارت ہے۔ خصوصاً وہ تجارت جو مسلمانوں کے حوائج کو دور کرے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

الجالب مرزوق والمحتکر ملعون (۱۹)

وہ تاجر جو مسلمانوں کو نفع پہنچانے کے لئے ایک شہر سے دوسرے شہر اشیا لے جائے وہ مرزوق ہے اور جو تاجر ذخیرہ اندوزی کرے وہ ملعون ہے۔

اور وہ تجارت جو مسلمانوں کو نفع رسانی کی نیت سے ہو، عبادت کا حکم رکھتی ہے۔ (۲۰) اس سلسلے میں شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کردہ یہ اصول بھی قابلِ توجہ ہے، جس کی بنیاد پر افضلیت کا یہ فیصلہ ہمارے لیے آسان ہو جاتا ہے:

فالا شغال بما یکون نفعه اعم یکون افضل (۲۱)

وہی پیشہ زیادہ فضیلت رکھتا ہے، جس کا نفع (زیادہ) عام ہو۔

اور اس میں شک نہیں کہ تجارت کی منفعت متعدد وجوہ سے دیگر اسباب معاش سے بڑھ کر ہے، تو اس اعتبار سے بھی تجارت دیگر اسباب معاش میں سے بہترین ذریعہ ہے۔ ماوردی کہتے ہیں:

اصول المکاسب الزراعة ، والتجارة ، و الصنعة ، قال: ولا شبه

۱۹۔ شعب الایمان: ج ۷، ص ۵۲۵

۲۰۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ۔ تفسیر عزیزی۔ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، طبع ۱۹۹۰ء: ج ۲، ص ۹۳۷، بادنی تصرف عبارۃ

۲۱۔ المبسوط: کتاب الکسب، ج ۳۰

بمذهب الشافعي ان اطيبها التجارة (۲۲)

اصل میں کمائی کی صورتیں تین ہیں: زراعت، تجارت اور صنعت اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے زیادہ مشابہ (اور قریب) یہ ہے کہ ان میں سے زیادہ پاکیزہ (اور پسندیدہ) تجارت ہے۔

ردالمختار میں علامہ شامی نے ملتقی اور مواہب کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ سب سے افضل کسب، جہاد یعنی مالِ غنیمت ہے، پھر تجارت، پھر زراعت اور پھر صناعت ہے۔ (۲۳)

اور مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اس ملازمت (دینی کاموں میں اجارہ) کے بعد تجارت افضل ہے، اس لئے کہ تاجر اپنے اوقات کا حاکم ہوتا ہے، وہ تجارت کے ساتھ دوسرے دینی کام مثلاً تعلیم، تدریس، تبلیغ وغیرہ بھی کرسکتا ہے۔ (۲۴)

تجارت کی اہمیت قرآنِ حکیم کی روشنی میں

اسلام میں تجارت کی اسی اہمیت کے پیش نظر قرآنِ حکیم نے بھی اپنے اسلوب میں متعدد مقامات پر اس کی ترغیب دی ہے، اور مختلف مقامات پر مختلف حوالوں سے یہ بات بیان کی ہے۔ چند آیات پیش کی جاتی ہیں۔

سورۂ جمعہ میں ارشاد ہے:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللّٰهِ (۲۵)

پس جب نمازِ (جمعہ) پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (اس کا رزق تجارت وغیرہ کے ذریعے) تلاش کرو۔

اکثر مفسرین نے اس آیت میں موجود لفظ فَضْلِ اللّٰه سے رزق اور منافع مراد لیا

۲۲۔ محمد بن اسماعیل الصنعانی۔ شرح بلوغ المرام۔ دارالکتب العلمیہ، بیروت: ج ۳، ص ۵

۲۳۔ ردالمحتار علی درالمختار: ج ۵، ص ۴۰۹

۲۴۔ مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ۔ فضائلِ تجارت۔ ناشر محمد یوسف رنگ والا، کراچی: ص ۶۳

۲۵۔ الجمعہ: ۱۵

Marfat.com

ہے۔(۲۶)

سورۂ نساء میں فرمایا:

يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ (۲۷)

اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کے اموال ناحق مت کھایا کرو، ہاں اگر آپس کی رضامندی سے تجارت ہو (تو کوئی مضائقہ نہیں)

حضرت قتادہؒ سے اس آیت کی تشریح میں منقول ہے کہ تجارت اللہ کے رزق میں سے ایک رزق ہے، اللہ کی حلال کردہ چیزوں میں سے ایک ہے، اس شخص کے لئے جو اسے سچائی اور نیکی کے ساتھ حاصل کرے۔(۲۸)

امام شافعیؒ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:

و ذكر الله البيع في غير موضع من كتابه بما يدل على اباحته فاحتمل احال الله عزوجل البيع معنيين، احدها ان يكون احل كل بيع تبايعه المتبا يعان جا ئزى الأ مرفيما تبايعاه عن تراض منهما وهذا اظهر معانيه، والثاني ان يكون الله عزوجل احل البيع اذاكان ممالم ينه عنه رسول الله صلى الله عليه وسلم المبين عن الله عزوجل معنىٰ ماراد (۲۹)

اللہ تعالیٰ نے (قرآن کریم میں) متعدد مقامات پر خرید وفروخت کا ذکر کیا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ نے اسے حلال قرار دیا ہے۔ اب اس بارے میں دو احتمال ہیں کہ اللہ نے جس خرید وفروخت کو حلال قرار دیا ہے،

۲۶۔روح المعانی: ج ۲۷، ص ۱۰۳

☆ عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی۔ مدارک التنزیل۔ دار احیاء الکتب العربیہ، مصر: ج ۴، ص ۲۵۶

۲۷۔النساء: ۲۹

۲۸۔بیہقی۔السنن الکبریٰ: ج ۸، ص ۸۶، رقم ۱۰۵۳۳

۲۹۔محمد بن ادریس الشافعی۔ کتاب الام۔ دار الفکر، بیروت: ج ۲، ص ۳

Marfat.com

وہ کون سی ہے؟

اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ ہر وہ معاملہ جو دو فریقوں کے درمیان طے پا جائے اور وہ دونوں اس پر راضی بھی ہوں تو یہ اللہ کے ہاں حلال تجارت ہے، یہ اس آیت کا ظاہری مفہوم ہے۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے صرف اس صورت میں خرید و فروخت کو جائز رکھا ہے جب اس صورت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہ فرمایا ہو:

بحری تجارت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا!

وَتَرَى الْفُلْكَ فِيهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ (۳۰)

اور تو کشتیوں کو اس (سمندر) میں پانی کو چیرتی ہوئی رواں دواں دیکھتا ہے تاکہ اس کے فضل (رزق) کو تلاش کریں۔

اور سورہٴ بقرہ میں ارشاد ہے:

وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ (۳۱)

اور جہاز ہیں جو سمندر میں وہ (تجارتی سامان) اٹھائے پھرتے ہیں جن سے لوگوں کو نفع ہوتا ہے۔

ان آیات سے بحری تجارت کی اہمیت پر بھی روشنی پڑتی ہے اور معیشت میں اس کی حیثیت کی بھی وضاحت ہوتی ہے۔ اسلام نے تجارت کی اہمیت ہی کے پیشِ نظر ایامِ حج میں بھی اس کی اجازت دی ہے، تاکہ اطرافِ عالم سے آنے والے اہلِ اسلام کا نمائندہ اجتماع اس موقع سے فائدہ اٹھا سکے، مندرجہ ذیل آیت مبارکہ اسی سلسلے میں نازل ہوئی ہے:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ (۳۲)

تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم اپنے رب کا فضل (ایام حج میں بہ ذریعہ تجارت) تلاش کرو۔

۳۰۔ الفاطر: ۱۲

۳۱۔ البقرہ: ۱۶۴

۳۲۔ البقرہ: ۱۹۸

Marfat.com

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جاہلیت میں عکاظ، مَجَنَّۃ اور ذوالمجاز کے نام سے بازار لگتے تھے۔ جب اسلام آیا تو ایسا محسوس ہوا کہ لوگ (ان بازاروں میں خرید وفروخت کو) گناہ سمجھنے لگے ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ (۳۳) ابن عباس کی قرأت میں اس آیت کے آخر میں فی مواسم الحج (حج کے موسم میں) زائد ہے۔

سورۂ بقرہ میں دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ (۳۴)

اے ایمان والو! ان پاک چیزوں میں سے خرچ کرو جو تم نے کمائی ہیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ اس سے مراد تجارت کی کمائی ہے۔ (۳۵)

سورۂ ملک میں فرمایا:

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ ۖ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ۝ (۳۶)

(اللہ) وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو نرم بنایا، سو اس کے اطراف وجوانب میں چلو پھرو اور اس کے دیئے ہوئے رزق میں سے کھاؤ اور اسی کی طرف زندہ ہو کر اٹھنا ہے۔

اور بنی اسرائیل میں ارشاد ہے:

رَبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝ (۳۷)

۳۳۔ بخاری: ج ۲، ص ۴، رقم ۲۰۵۰

۳۴۔ البقرہ: ۲۶۷

۳۵۔ بیہقی۔ السنن الکبریٰ: ج ۸، ص ۸۶

۳۶۔ الملک: ۱۵

۳۷۔ بنی اسرائیل: ۶۶

Marfat.com

تمہارا پروردگار تو وہ ہے جو تمہارے لئے سمندر میں کشتیاں چلاتا ہے تاکہ تم اس کا فضل (معاش) تلاش کرو، بلاشبہ وہ تم پر مہربان ہے۔

تجارت کی ترغیب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی احادیث مبارکہ میں تجارت کی ترغیب دی ہے اور اسے بہترین رزق اور عمدہ روزی فرمایا ہے۔ چند روایات ملاحظہ ہوں:

عن ابی سعید رضی اللہ عنه عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال التاجر الصدوق الامین مع النبین والصدیقین و الشهدآ(۳۸)

حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہت سچا اور امانت دار تاجر (روزِ قیامت) انبیا، صدیقین اور شہدا کے ساتھ ہوگا۔

ترمذی شریف ہی کی دوسری روایت میں تاجروں کو تنبیہ بھی فرما دی کہ مالی امور کی نزاکت کے سبب اکثر تاجر روزِ قیامت گناہ گاروں کی صف میں ہوں گے، مگر سچے اور متقی تاجروں کا ان سے استثنا فرما دیا، فرمایا:

ان التجار یبعثون یوم القیامة فجاراً الا من اتقیٰ اللہ وبر وصدق(۳۹)

بلاشبہ قیامت کے دن (اکثر) تاجر گناہ گار اٹھائے جائیں گے، سوائے ان کے جو اللہ سے ڈرے اور انہوں نے نیکی کی اور سچ کو اپنا شعار بنایا۔

ایک روایت میں تجارت کو رزق کے دس میں سے نو حصے قرار دیتے ہوئے فرمایا:

علیکم بالتجارة فیها تسعة اعشار الرزق (۴۰)

۳۸۔ترمذی: ج ۳، ص ۵، رقم ۱۲۱۳

☆ الدارقطنی: ج ۳، ص ۷

۳۹۔ترمذی: ج ۳، ص ۵، رقم ۱۲۱۴

☆ ابن ماجہ: ج ۳، ص ۸، رقم ۲۱۴۶

۴۰۔الغزالی۔احیاء علوم الدین: ج ۲، ص ۶۴

Marfat.com

تم تجارت کو اپنے اوپر لازم کرلو، کیوں کہ اس میں رزق کے دس میں سے نو حصے ہیں۔

ایک روایت میں بازاروں کو اللہ تعالیٰ کا دسترخوان قرار دیا، ارشاد ہے:

الا سواق موائد اللّٰہ تعالیٰ فمن اتاھا اصاب منھا (۴۱)

بازار اللہ تعالیٰ کے دسترخوان ہیں، جو ان میں آئے گا وہ ضرور ان سے (اپنا حصہ) پائے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانے میں تاجروں کو سمسار کہا کرتے تھے، سمسار کے معنیٰ دلال کے ہیں اور یہ عجمی لفظ ہے، تاجروں کی فضیلت یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بدل کر تاجر رکھا، قیس بن ابی غرزہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی تفصیل ملتی ہے وہ فرماتے ہیں:

کنا بالمدینۃ نبیع الاوساق و نبتا عھا و نسمی انفسنا السما سرۃ ویسمینا الناس، فخرج الینا رسول اللّٰہ علیہ صلی اللّٰہ وسلم فسمانا باسم ھو خیرلنا من الذی سمینا بہ انفسنا فقال: یا معشر التجار انہ یشھد بیعکم الحلف والغر فشو بوہ بالصدقۃ (۴۲)

ہم مدینہ کے بازاروں میں مال کی خرید وفروخت کیا کرتے تھے اور ہم اپنے آپ کو خود بھی سمسار کہتے تھے اور دوسرے لوگ بھی ہمیں اسی نام سے یاد کیا کرتے تھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے اور ہمارا نام اس سے بہتر رکھا جو خود ہم نے اپنا رکھا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے تاجرو! تمہاری تجارت میں قسم آتی ہے اور (دوسری) لغو باتیں بھی ہو جاتی ہیں سو اسے صدقے کے ساتھ ملا دیا کرو۔

۴۱۔ احیاء علوم الدین: ج ۲، ص ۶۴

۴۲۔ ابوداؤد: ج ۳، ص ۲۰۵، رقم ۳۳۲۶

☆ نسائی۔ السنن، : کتاب الایمان والنذور، باب فی الحلف والکذب لمن لم یعتقد الیمین بقلبہ

☆ ابن ماجہ: ج ۳، ص ۸، رقم ۲۱۴۵

Marfat.com

یعنی صدقہ بھی کرتے رہا کرو تا کہ وہ تجارتی لین دین میں ہونے والی کوتاہیوں اور لغزشوں کا کفارہ بن جایا کرے، براء ابن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع مبرور کو بہترین کسب فرمایا، حضرت براء سے روایت ہے:

سئل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ای کسب الرجل اطیب؟ قال عمل الرجل بیدہ و کل بیع مبرور (۴۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آدمی کی کون سی کمائی زیادہ بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: آدمی کا اپنے ہاتھ سے کمانا اور ہر بیع مبرور (جس میں کوئی خرابی نہ ہو)۔

ایک روایت میں نیک دل اور ہر لحہ ذکرِ الٰہی میں بسر کرنے والے تاجروں کی فضیلت اس طرح بیان فرمائی گئی ہے:

اذا جمع اللّٰہ الاولین والآخرین یوم القیامۃ جاء مناد فنادیٰ بصوت یسمع الخلائق سیعلم اھل الجمع من اولٰی بالکرم، لیقم الذین لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللّٰہ فیقومون وھم قلیل، ثم یحاسب سائر الخلائق (۴۴)

روز قیامت جب اللہ اگلے پچھلے تمام لوگوں کو جمع کرے گا، اس وقت ایک پکارنے والا پکارے گا، جسے تمام لوگ سنیں گے کہ آج سب کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ کے ہاں سب سے زیادہ معزز کون ہے؟ پھر کہے گا کہ وہ لوگ کھڑے ہو جائیں جنہیں تجارت اور کاروبار اللہ کے ذکر سے نہ روکتے تھے، سو وہ لوگ کھڑے ہو جائیں گے، اگرچہ وہ تھوڑے ہوں گے، ان کے بعد پھر ساری مخلوق کا حساب ہوگا۔

ایک موقع پر تاجر کے اجر کو شہید کی مانند قرار دیا، فرمایا:

مامن جالب یجلب طعاماً من بلدالی بلد فیبیعہ بسعر یومہ الا کانت

۴۳۔ السنن الکبریٰ: ج ۸، ص ۸۷، رقم ۱۰۵۳۴

۴۴۔ ابن کثیر۔ التفسیر: ج ۳، ص ۲۹۶

Marfat.com

منزلته عندالله منزلة الشهداء (۴۵)

جو تاجر مشقت اٹھا کر اناج کو ایک شہر سے دوسرے شہر تک لے جاتا ہے اور اس دن کی قیمت پر اسے فروخت کرتا ہے تو اللہ کے ہاں اس کا مقام شہید کی مانند ہے۔

دوسری روایت میں اس کی اس محنت کو صدقہ قرار دیتے ہوئے فرمایا:

من جلب طعاماً فباعه بسعر یومه فکانما تصدق به (۴۶)

جو تاجر اناج کو مشقت اٹھا کر لائے اور اس روز کی قیمت پر اسے فروخت کرے تو یہ ایسا ہی ہے، جیسے اس نے صدقہ کیا ہو۔

اور ایک روایت میں تجارت کو عوام کے لئے ایک بڑی معاشی نعمت قرار دیا، ارشاد ہے:

لو لا هذه البیوع صرتم عالة علی الناس (۴۷)

اگر یہ خرید و فروخت نہ ہوتی تو تم لوگ (معاشی اعتبار سے) دوسروں پر بوجھ بن جاتے۔

ان تمام روایات کا مشترک مفہوم یہی سامنے آتا ہے کہ چوں کہ تجارت کی معاشی اہمیت سے انکار ممکن نہیں، اس لئے ذاتی اغراض و مفاد سے بڑھ کر ملکی اور اسلامی مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے مسلمانوں کو اس میدان میں بھرپور سرگرمی کا مظاہرہ کرنا چاہئے، تاکہ یہ میدان غیر مسلموں کے ہاتھ نہ لگ سکے، ورنہ مسلمانوں کے لئے بہت سی مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں، جن کا آج بھرپور مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

البتہ اس میدان میں بھی اپنے خالق اور مالک سے تعلق کو کمزور نہیں ہونے دینا چاہئے اور اس کی ہدایت فرمودہ تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اس میدان میں اپنی

۴۵۔ تفسیر قرطبی۔ دار الشعب، قاہرہ، ۱۳۷۲ھ: ج ۱۹، ص ۵۵

۴۶۔ تفسیر قرطبی: ج ۱۹، ص ۵۵

۴۷۔ تفسیر ابن کثیر: ج ۳، ص ۲۹۶

☆ ڈاکٹر نور محمد غفاری۔ اسلام کا قانونِ تجارت: ص ۲۳

Marfat.com

صلاحیتیں صرف کرنی چاہئیں۔

عرب اور تجارت

مکہ معظمہ کی وادی میں کھیتی باڑی نہیں ہوتی تھی، اس لئے وہاں کے باشندے اور خاص طور پر قریش کے زیادہ تر لوگ تجارت پیشہ تھے، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ اعلیٰ نے اطراف و جوانب کی سلطنتوں اور مختلف قبائل سے تجارتی معاہدے کر کے اس پیشے کو زیادہ مستحکم بنا دیا تھا۔ (۴۸) اس بنا پر تجارت سے عربوں کی وابستگی ابتدائی دور ہی سے ہے، اس لئے مسلمانوں کا تجارت میں ہمیشہ فعال کردار رہا ہے۔

عربوں کے ہاں تجارت کسی حد تک ترقی کر چکی تھی، اس کا کچھ اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے ہاں باقاعدہ تجارتی منڈیاں قائم ہو چکی تھیں، جنہیں تجارتی میلے کہا جاتا تھا، ان میلوں کی بہت سی خصوصیات ہیں، مثلاً یہ میلے جزیرۃ العرب کے تمام اہم علاقوں میں منعقد ہوتے تھے جیسا کہ آئندہ ذکر ہونے والی تفصیل سے اندازہ ہوگا، پھر ایک خصوصیت یہ تھی کہ یہاں جو افراد آتے تھے اور ان میلوں میں شرکت کرتے تھے، ان کے جان و مال کو محفوظ تصور کیا جاتا تھا اور عربوں کی روایتی لوٹ مار اور قتل و غارت کے باوجود ان میلوں میں شرکت کرنے والے افراد کو بالکل مامون سمجھا جاتا تھا۔

اسی طرح یہ میلے علم و ادب کے بھی بڑے مرکز متصور ہوتے تھے اور اپنے اپنے وقت کے تمام بڑے بڑے شعراء وہاں جمع ہوتے تھے اور ادبی مباحث زیرِ بحث لائے جاتے اور کلام کے محاسن اور خوبیوں پر گفت گو کی جاتی تھی، اس طرح یہ بازار علمی و ادبی حیثیت بھی رکھتے تھے۔

ان میلوں میں سے جن کی تفصیل ہم تک پہنچی ہے، ان کے نام کچھ اس طرح ہیں:

۱۔ یکم ربیع الاول کو دومۃ الجندل میں میلہ لگتا جو نصف مہینے تک جاری رہتا، یہ جگہ شام اور حجاز کے درمیان ہے۔

۲۔ جمادی الاولیٰ میں مُشقر (حضرموت) کے علاقے میں میلہ لگتا۔

۴۸۔ سید فضل الرحمٰن۔ ہادیٔ اعظم ﷺ۔ طبع اول ۱۹۹۱ء: ص ۹۲

Marfat.com

۳۔ یکم رجب کو صحار (عمان) میں میلہ لگتا تھا، یہ پانچ رجب تک جاری رہتا تھا۔
۴۔ رجب کے آخر میں دبا (راس الخیمہ) کا میلہ لگتا تھا۔
۵۔ شعبان کے وسط میں مہرہ کے شہر شحر میں میلے کا آغاز ہوتا تھا۔
۶۔ یکم رمضان کو عدن میں میلے کا آغاز ہو جاتا تھا۔
۷۔ رمضان کے وسط سے صنعا (یمن) کا میلہ شروع ہوتا تھا، یہ رمضان کے آخر تک جاری رہتا تھا۔
۸۔ پھر ذی الحجہ میں کئی میلے لگتے تھے، پہلے تو رابیہ میں میلہ لگتا، اسی دوران عکاظ (عرفات) اور زمانہ حج میں منیٰ میں بھی میلے کا اہتمام ہوتا تھا۔
۹۔ حج سے فارغ ہو کر یمامہ یا خیبر کے میلے کا آغاز ہوتا، یہ میلہ دس محرم کو شروع ہوتا تھا۔ (۴۹)

ان میلوں کی تفصیل اور تعداد میں اختلاف ہے، جزیرۃ العرب میں اس سے قدرے مختلف تفصیل دی گئی ہے۔ (۵۰)

پھر خصوصیت کے ساتھ قریش کا قبیلہ تجارت پیشہ تھا اور حجاز میں وہ بالادست اہمیت کا حامل تھا۔ عربوں میں تجارت کے فروغ کا ایک سبب یہ بھی ہے۔

سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد ہاشم بن عبد مناف نے سال میں دو بار تجارتی قافلے روانہ کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ موسم گرما میں تجارتی قافلہ شام کی طرف اور موسم سرما میں یمن کی جانب جاتا تھا، اس کے ساتھ ساتھ ہاشم ہی نے حکومتِ یمن، روم اور قبائلِ عرب کے ساتھ باقاعدہ معاہدے کر کے اپنے تجارتی راستوں کو محفوظ و مامون کیا اور عربوں کی تجارت کو دوام اور ترقی عطا کی۔ عربوں کی تاریخ میں یہ ایک اہم اقدام تھا، جس کے ان کی تجارت، تہذیب اور ثقافت پر دوررس نتائج مرتب ہوئے۔ قرآن قریش کو اپنا انعام یاد دلاتے ہوئے فرماتا ہے:

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍO اٖلٰفِھِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِO فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ ھٰذَا

۴۹۔ محمد بن حبیب۔ کتاب المحبر۔ حیدر آباد دکن: ص ۲۶۳

۵۰۔ مولانا محمد رابع ندوی۔ جزیرۃ العرب۔ مجلس نشریات اسلام، ۱۹۸۴ء: ص ۱۷۱

Marfat.com

الْبَيْتِo الَّذِیٓ أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَّاٰمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍo (۵۱)

(اللہ نے) قریش (کے دلوں) میں رغبت پیدا کر دی کہ وہ سردی و گرمی میں سفر کرنے کے خوگر ہو گئے، پس ان کو چاہئے کہ وہ اس گھر کے رب کی عبادت کیا کریں، جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور (دشمنوں کے) خوف سے امن دیا۔ (۵۲)

ہادیٔ اعظم ﷺ بہ حیثیت تاجر

عرب کے عام معمول اور مکہ مکرمہ کے خاص ماحول کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ابتدا میں تجارت ہی کو بہ طور پیشہ اپنایا اور اس سلسلے میں متعدد غیر ملکی سفر بھی کیے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کئی بار تجارتی مال لے کر دوسرے ممالک گئے۔ چناں چہ شام کی جانب آپ ﷺ نے سب سے پہلا سفر اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ اس وقت کیا، جب داؤد بن حصین کی روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک صرف ۱۲ سال تھی۔ (۵۳)

دوسری بار آپ ﷺ جب شام گئے تو اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک ۲۵ سال تھی، اس سفر میں آپ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال لے کر گئے تھے، اس میں توقع سے کئی گنا زیادہ نفع ہوا اور حضرت خدیجہؓ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو طے شدہ رقم سے زیادہ ادائیگی کی۔ (۵۴)

اور پھر یہی واقعہ آپ ﷺ کی حضرت خدیجہؓ سے شادی کا سبب بھی بنا۔ (۵۵)

۵۱۔ القریش: ۱۔۴

۵۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے: ابن کثیر۔ السیرۃ النبویہ: ج ۱، ص ۱۸۴-۱۸۶

☆ زرقانی: ج ۱، ص ۲۷

۵۳۔ طبقات: ج ۱، ۵۷

۵۴۔ ایضاً: ص ۶۲

۵۵۔ ایضاً

Marfat.com

اس کے علاوہ آپ ﷺ نے دو بار یمن کا تجارتی سفر کیا اور تجارتی اغراض سے بحرین جانا بھی ثابت ہے، اسی طرح آپ کے جعاشہ جانے کا ذکر بھی ملتا ہے۔(۵۶)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی صداقت و امانت اور حسنِ قضا وخوش معاملگی سے عبارت ہے، تجارتی معاملات میں بھی آپ کا یہی طریقہ کار آپ کی پہچان بن گیا، سید سلیمان ندویؒ کے بہ قول:

> قریش کے لوگ ہمارے حضرت کی خوش معاملگی، دیانت داری اور ایمان داری پر اتنا بھروسہ کرتے تھے کہ بے تامل اپنا سرمایہ آپ ﷺ کے سپرد کر دیتے تھے، بہت سے لوگ اپنا روپیہ پیسہ آپ کے پاس امانت رکھواتے تھے اور آپ ﷺ کو امین یعنی امانت والا کہتے تھے۔(۵۷)

قیس بن سائب کہتے ہیں کہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بہتر کوئی ساتھی نہیں پایا، اگر ہم آپ ﷺ کا سامان لے جاتے تو واپسی پر آپ ہمارا استقبال کرتے اور خیر و عافیت پوچھتے اور جب ہم حساب دیتے تو اس پر کوئی تکرار نہیں کرتے تھے، اور جب آپ ﷺ سفر سے واپس لوٹتے تو جب تک حساب صاف نہ کر لیتے، گھر نہ لوٹتے تھے۔(۵۸)

حضرت سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ میں آپ کا شریکِ تجارت تھا، میں نے آپ ﷺ کو ہمیشہ ایمان دار پایا، نہ تو آپ ﷺ نے کبھی جھگڑا کیا، نہ غلط بیانی سے کام لیا۔(۵۹)

عبداللہ بن سائب کہتے ہیں کہ میں زمانۂ جاہلیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شریک تجارت تھا، جب میں مسلمان ہو کر آپ ﷺ کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم مجھے پہچانتے ہو؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں؟ آپ تو میرے

۵۶۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے: ڈاکٹر نور احمد غفاری۔ نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی: ص ۸۱-۸۲

۵۷۔ سید سلیمان ندوی۔ رحمتِ عالم ﷺ۔ دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۱۹۸۹ء۔ ص ۱۷

۵۸۔ ابن حجر العسقلانی۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ۔ مکتبہ تجاریہ الکبریٰ، مصر ۱۹۳۹ء: ترجمہ قیس ابن سائب

۵۹۔ ایضاً: ترجمہ سعد

Marfat.com

شریک تجارت تھے، اور کیا ہی اچھے شریک تھے، نہ کسی بات کو ٹالتے تھے، نہ کسی بات میں جھگڑا کرتے تھے۔

ایک بار آپ ﷺ نے ایک شخص کو چند اونٹ بیچے، جب وہ چلا گیا تو آپ کو خیال ہوا کہ ان میں ایک اونٹ لنگڑا تھا، آپ ﷺ فوراً اس کی تلاش میں نکلے اور اس کو قیمت لوٹا کر اونٹ واپس لے لیا۔(۶۰)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وعدے کا بھی مکمل خیال رہتا تھا، عبداللہ بن ابی الحمساءؓ سے کوئی معاملہ طے کیا، وہ تھوڑی دیر میں آنے کا وعدہ کر کے کسی کام سے گئے اور پھر وہ اپنا وعدہ بھول گئے، آپ ﷺ تین روز تک وہیں موجود رہے، تین دن بعد جب ان کا وہاں سے گزر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا منتظر پایا۔ آپ ﷺ نے اس وقت بھی صرف اس قدر فرمایا کہ تم نے بڑا انتظار کرایا، میں تین دن سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔(۶۱)

تجارت کے فروغ کے لئے اسلام کے اقدامات

اسلام نے شروع ہی سے تجارت کو اہمیت دی ہے، جس کا اندازہ ان قرآنی آیات اور احادیث نبویہ ﷺ سے کیا جا سکتا ہے، جن کا ماقبل میں بیان ہو چکا ہے، اس کے علاوہ عملی طور پر بھی اس نے ایسے اقدامات کیے ہیں، جن سے تجارت کو بہ راہ راست فائدہ پہنچا اور اس نے فروغ حاصل کیا۔

اسلام کی آمد سے قبل عرب میں جو تجارتی بازار لگتے تھے، اسلام نے انہیں برقرار رکھا اور انہیں فروغ دیا، چناں چہ عکاظ کا بازار ۱۲۹ھ تک برقرار رہا، دور خلافت میں اس سلسلے کو کافی ترقی ملی، صحابۂ کرام خود بھی تجارت سے وابستہ تھے اور ان کے بڑے وسیع پیمانے پر تجارتی تعلقات تھے۔(۶۲)

۶۰۔ابن حجر العسقلانی: ترجمہ عبداللہ بن سائب

۶۱۔شاہ مصباح الدین شکیل۔ سیرت احمد مجتبیٰ ﷺ۔ پاکستان اسٹیٹ آئل کمپنی لمیٹڈ، کراچی، طبع سوم ۱۹۹۶: ج ۱، ص ۲۱۸

۶۲۔ابوداؤد: ج ۴، ص ۳۲۷، رقم ۴۹۹۶

Marfat.com

اسلام کے ابتدائی دور میں تجارت اور تاجروں پر کسی قسم کا کوئی ٹیکس نہیں تھا، لیکن بعد میں جب معلوم ہوا کہ دوسرے ممالک میں بہ غرض تجارت جانے والے مسلمانوں سے مال تجارت پر محصول لیا جاتا ہے تو حضرت عمرؓ نے بھی کافر تاجروں پر اسی شرح سے ٹیکس نافذ کیا، جس شرح سے ان کے ملک میں مسلمانوں سے لیا جاتا تھا، لیکن اس میں بھی یہ رعایت رکھی گئی کہ سال بھر میں یہ ٹیکس صرف ایک بار لیا جاتا تھا، خواہ وہ سال میں کتنی ہی بار مال درآمد کرے۔ (۶۳)

لیکن یہ ٹیکس صرف غیر مسلم تاجروں کے لئے تھا، جن پر زکوٰۃ نہیں ہے، مسلمان تاجروں پر کوئی ٹیکس نہیں تھا۔ وہ صرف مذہبی طور پر مال تجارت پر سال بھر میں ایک بار زکوٰۃ کی ادائیگی کے پابند تھے۔

اسی طرح اسلام نے ایک اقدام یہ کیا کہ تجارت کی ان تمام شکلوں کو ممنوع قرار دے دیا، جن میں دھوکا یا کسی فریق کے نقصان کا خدشہ تھا، یا جو دولت کے ارتکاز کی موجب بنتی تھیں، ان کی تفصیل تجارت کے اصول کے بیان میں آگے آ رہی ہے۔

مسلمانوں کی تجارتی سرگرمیاں

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ مسلمانوں نے تجارت کو فروغ دینے کے لئے متعدد عملی اقدامات کیے اور ان کے دور میں تجارت کے ساتھ ان کی دل چسپی مکمل طور پر قائم رہی۔

چناں چہ صحابۂ کرام کے تجارتی پیشوں کے متعلق یہ تفصیلات ملتی ہیں:

۱۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پارچہ فروش (یا کپڑا فروش) تھے۔

۲۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ پارچہ فروش تھے۔

۳۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تیر بنا کر فروخت کرتے تھے۔

۴۔ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ گوشت کا کام کرتے تھے۔

۵۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ گوشت کا کام کرتے تھے۔

۶۔ عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ درزی تھے۔

۶۳۔ حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔ اسلام کا اقتصادی نظام: ص ۲۵۵

Marfat.com

۷۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ تیل اور کپڑے کی خرید وفروخت کرتے تھے۔

۸۔ عقبہ بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بڑھئی تھے۔

۹۔ خباب رضی اللہ عنہ لوہے کی اشیا بناتے تھے۔(۶۴)

بعد میں آنے والے مسلمان حکم رانوں نے ذاتی دل چسپی لیتے ہوئے تجارتی سلسلوں کو مزید ترقی دی، خلیفہ منصور عباسی نے بغداد کے جنوب میں ایک نیا شہر بسایا اور بغداد کے تمام بازار وہاں منتقل کر دیئے، وہاں اس نے پیشوں کے حساب سے بازار تقسیم کیے اور سب چیزوں کے الگ لگ بازار بنائے، مثلاً عطر فروشوں کا بازار، لوہاروں کا بازار، بڑھیوں کا بازار، کپڑا مارکیٹ، گوشت مارکیٹ وغیرہ۔(۶۵)

اسی طرح بعض بازار ایسے بھی تھے، جو دنوں کے ساتھ مخصوص تھے۔(۶۶) جنہیں ہفتہ بازار کہا جاسکتا ہے۔

اسلامی تجارت کے اصول

اسلام نے تجارت کی اہمیت اور انسانی زندگی میں اس کی ضرورت کے پیشِ نظر اس کے اصول مرتب کیے ہیں اور تجارت کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، صحیح تجارت اور فاسد تجارت، اسلام کے بیان کردہ اصولوں میں تاجروں کے حقوق وفرائض بھی آ جاتے ہیں اور درحقیقت یہ اصول اسلامی تجارت کے دستور کی حیثیت رکھتے ہیں، جس کی دفعات تجارت سے متعلق تمام معاملات کا بہ حسن وخوبی احاطہ کرتی ہیں، ان اصولوں کا خلاصہ الگ الگ عنوانات کے تحت پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ اصولِ تجارت کا جاننا

تاجر کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسلام کے بیان کردہ اصول تجارت سے واقف ہو

۶۴۔ حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔ اسلام کا اقتصادی نظام: ص ۲۵۴

۶۵۔ ڈاکٹر حافظ محمد یونس۔ اسلامی نظامِ معیشت کے بنیادی اصول۔ دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء: ص ۳۷، ۳۸

۶۶۔ ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن۔ تاریخ الاسلام۔ مکتبہ النہضیہ المصریہ، مصر، طبعہ سابعہ ۱۹۶۴ء: ج ۴، ص ۴۰۰

Marfat.com

اور خرید و فروخت کے ضمن میں بیان کی گئی اسلامی شرائط جانتا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اس شرط پر عمل پیرا ہو کر ان معاشی بے اصولیوں اور مالی بے ضابطگیوں سے بہ خوبی بچا جا سکتا ہے جو اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت اور اسلامی اصول تجارت سے جہالت کی بنا پر ہمارے نظام معیشت میں در آئی ہیں۔ جن میں سے چند کا آگے چل کر ذکر ہو گا۔ اسی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں حکم فرما دیا تھا:

لا یبیع فی سوقنا الا من قد تفقه فی الدین (٦٧)

ہمارے بازاروں میں صرف وہی خرید و فروخت کرے، جو دین کی سمجھ رکھتا ہو۔

اسے کم از کم ان مسائل کا بہ قدر ضرورت لازماً علم ہو جن سے تجارتی معاملات کا بہ راہ راست تعلق ہے۔

۲۔ تجارت کی اہلیت

تجارتی معاملات کرنے والوں کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ معاملات کرنے کی اہلیت بھی رکھتے ہوں، یعنی وہ عاقل، بالغ اور آزاد ہوں، اگر ان میں سے کوئی شرط نہ پائی گئی تو ان کا معاملہ درست نہ ہوگا اور یہ تجارت جائز نہ ہوگی۔ لہذا ناسمجھ بچے، مجنوں اور پاگل شخص اور غلام کی خرید و فروخت درست نہیں، غلام کی تجارت صرف اس صورت میں درست ہو سکتی ہے، جب اس کا مالک اسے اجازت دے دے، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رفع القلم عن ثلاثة، عن النائم حتی یستیقظ، و عن الصبی حتی یشیب و عن المعتوه حتی یعقل (٦٨)

تین افراد سے قلم اٹھا لیا گیا ہے۔ (وہ شرعی احکامات کے مکلف نہیں)

۱۔ سونے والے شخص سے بیدار ہونے تک

۲۔ بچے سے بالغ ہونے تک

٦٧۔ ترمذی: ج ۲، ص ۲۹، رقم ۴۸۷

٦٨۔ ترمذی: ج ۳، ص ۱۱۴، رقم ۱۴۲۸

Marfat.com

۳۔ بے عقل شخص سے اس کی عقل کے لوٹ آنے تک

۳۔ برکت کے اوقات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کے وقت کو برکتوں والا فرمایا ہے۔ اس لئے آپ اگر کسی لشکر کو روانہ فرماتے تو صبح کے وقت ہی روانہ کیا کرتے تھے، تجارت کے لئے بھی یہ وقت باعث برکت ہے۔ اس لئے اپنے کاموں کا آغاز علی الصبح ہی کرنا چاہئے، اور اس بری روایت کو ختم کرنا چاہئے، جس کے تحت ہمارے ہاں کاروباری سرگرمیاں بعداز زوال شروع ہوتی ہیں، حضرت صخر غامدی رضی اللہ عنہ ایک صحابی رسول ہیں، وہ فرماتے ہیں:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اللّٰھم بارك فی امتی فی بکورھا قال وکان اذابعث سریة اوجیشا بعثھم اول النھار و کان صخرا رجلاتاجراً وکان اذا بعث تجارہ بعثھم اول النھار فاثریٰ وکثر مالہ (۶۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ! میری امت کی صبحوں میں برکت عطا فرما (صبح کو شروع کیے جانے والے کاموں کو بابرکت بنا) صخرؓ فرماتے ہیں کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی قافلہ یا لشکر روانہ فرماتے تو اسے علی الصبح ہی روانہ کیا کرتے تھے، اور صخرؓ خود بھی ایک تاجر تھے، وہ جب اپنے تاجروں کو (تجارتی سفر پر) روانہ کرتے تو صبح کے وقت ہی بھیجتے تھے۔ اس بنا پر (حضور ﷺ کی دعا اور آپ ﷺ کی سنت کی پیروی کی وجہ سے) وہ امیر ہو گئے اور ان کے پاس مال و دولت کی کثرت ہو گئی۔

اسی طرح قرآنی آیت فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوافِی الْاَرْضِ (۷۰)

۶۹۔ ترمذی: ج ۳، ص ۶، رقم ۱۲۱۶

☆ ابوداؤد: ج ۲، ص ۳۸۱، رقم ۲۶۰۶

☆ ابن ماجہ: ج ۳، ص ۳۵، رقم ۲۲۳۶

۷۰۔ الجمعۃ: ۱۰

Marfat.com

(تفصیل پہلے گزر چکی ہے) کے پیش نظر جمعہ کے روز نماز جمعہ سے فراغت کے بعد کے وقت کو بھی تجارتی معاملات کے لئے بابرکت قرار دیا گیا ہے، چناں چہ عراک بن مالک رضی اللہ عنہ کا قصہ مشہور ہے کہ جب وہ نماز جمعہ سے فارغ ہوکر لوٹتے تو مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوکر دعا مانگتے!

اللّٰھم انی اجبت دعوتك وصلیت فریضتك و انتشرت کما امرتنی فارزقنی من فضلك وانت خیر الرازقین(۷۱)

اے اللہ! میں نے تیری دعوت پر لبیک کہا اور تیری فرض کردہ نماز ادا کی اور تیرے حکم کے مطابق (زمین میں رزق کی تلاش کے لئے) پھیل گیا، پس تو اپنے فضل سے رزق عطا فرما کہ تو بہترین رزق دینے والا ہے۔

اس لئے بعض سلف سے یہ منقول ہے کہ جو شخص جمعہ کے روز نماز کے بعد خرید و فروخت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی تجارت میں ستر بار برکت عطا فرماتے ہیں۔ (۷۲)

۴۔ باہمی تعاون

تجارت کی بنیاد تو ہے ہی باہمی اعتماد و تعاون پر، اس لئے اس میں تعاون اور خیر خواہی کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ لہٰذا معاملات طے کرتے وقت ضروری ہے کہ فریقین کے مابین مکمل ہم آہنگی اور باہمی اعتماد کی فضا قائم ہو، اس کے بغیر خرید و فروخت درست نہ ہوگی، قرآن کہتا ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (۷۳)

بھلائی کے امور میں تعاون کرو اور غلط کاموں میں ایک دوسرے کا ساتھ مت دو۔

اگر تجارتی معاملے میں بھی کسی برائی یا کسی زیادتی کا تمہیں احساس ہو تو معاملہ طے مت کرو۔

۷۱۔ تفسیر ابن کثیر: ج ۴، ص ۳۶۷

۷۲۔ ایضاً

۷۳۔ المائدہ: ۲

Marfat.com

۵۔ ایک دوسرے کی خیر خواہی

مالی امور میں صرف اپنے مفاد کو پیش نظر رکھنا درست نہیں، بل کہ فریق مقابل کی خیر خواہی کو بھی سامنے رکھنا ضروری ہے، یہ نہیں ہونا چاہئے کہ ایک فریق کا زیادہ سے زیادہ منافع فریق ثانی کے زیادہ سے زیادہ نقصان پر منتج ہو، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کی خیر خواہی کا حکم دیا ہے، مسلم کی روایت ہے:

عن تمیم الداریؓ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال، الدین النصیحۃ، قلنا لمن؟ قال للّٰہ، ولکتبہ، ولرسولہ، ولا ئمۃ المسلمین، و عامتھم (۷۴)

تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین تو خیر خواہی کا نام ہے، ہم نے پوچھا: کس کی خیر خواہی؟ فرمایا: اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول کی، مسلمانوں کے حاکموں کی اور تمام مسلمانوں کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں سے خیر خواہی کی بھی بیعت لیتے تھے، جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

بایعت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی النصح لکل مسلم (۷۵)

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر بیعت کی۔

اسی لئے یہ حکم بھی ہے کہ جس شخص سے مشورہ کیا جائے، وہ ایمان داری کے ساتھ اور مکمل خلوص و خیر خواہی سے مشورہ دے، کیوں کہ وہ امین ہے اور امانت میں خیانت جرم ہے، فرمایا:

المستشار مؤتمن وھو بالخیار مالم یتکلم (۷۶)

۷۴۔ مسلم: ج ا، ص ۷۹، رقم ۵۵

۷۵۔ ایضاً: رقم ۵۶

۷۶۔ الشفا: ج ا، ص ۴۶

Marfat.com

جس سے مشورہ طلب کیا جائے اس کی حیثیت امین کی سی ہے، اسے اس وقت تک اختیار ہے جب تک وہ اپنا خیال ظاہر نہیں کرتا۔

اور جب بات کرنے کا موقع آ جائے تو پھر اس کا اختیار ختم ہو جاتا ہے اور اس کے پاس ایمان داری سے اپنی صحیح رائے ظاہر کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔

اور ایک روایت میں ارشاد ہے:

دعوا الناس یصیب بعضھم من بعض و اذا استشار احدکم اخاہ فلینصحہ (۷۷)

لوگوں کو (ان کے معاملات میں آزاد) چھوڑ دو تاکہ وہ ایک دوسرے سے فائدہ اٹھائیں، اور جب تم میں سے کسی سے اس کا (مسلمان) بھائی مشورہ کرے تو اسے چاہئے کہ خیر خواہی کے ساتھ مشورہ دے۔

۶۔ مضطر کی تجارت

تجارت اور خرید و فروخت کے دوران بہت سے مواقع ایسے آتے ہیں جب انسان نہ چاہتے ہوئے بھی معاملات کرنے میں مجبور ہو جاتا ہے۔ کبھی کسی ضرورت اور خارجی سبب کی بنا پر اس کے لئے کسی چیز کا فروخت کرنا ضروری ہو جاتا ہے تو کبھی کسی مجبوری کے تحت کسی چیز کا حاصل کرنا لازمی قرار پاتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ ہر قیمت پر معاملہ طے کرنا چاہتا ہے، حال آں کہ طے ہونے والی قیمت پر وہ مطمئن نہیں ہوتا، یہ صورت اسلامی اصولِ تجارت کے خلاف ہے۔ انسان کو اپنے معاملات طے کرنے میں پوری آزادی ہونی چاہئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بنا پر مضطر سے معاملات طے کرنے سے منع فرمایا ہے۔ کیوں کہ اس صورت میں اس کا نقصان ہے۔ ابوداؤد کی روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک بار خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

سیاتی علی الناس زمان عضوض یعض المؤسر علی مافی یدیہ ولم یومر بذلک، قال اللّٰہ تعالیٰ ولا تنسو الفضل بینکم، ویبایع

۷۷۔ ابوداؤد الطیالسی۔ المسند۔ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی، ۱۹۹۱ء: کتاب البیوع والمکاسب

Marfat.com

المضطرون، وقد نهى النبى صلى الله عليه وسلم عن بيع المضطر وبيع الغرر وبيع الثمرة قبل ان تدرك (۷۸)

لوگوں پر عن قریب ایسا زمانہ آنے والا ہے جب لوگ ایک دوسرے کو کاٹنے کو دوڑیں گے۔ (ایک دوسرے کو ستائیں گے) اور جو شخص مال دار ہوگا وہ اپنے مال کو دانتوں سے پکڑے رہے گا، حال آں کہ ایسا حکم نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپس میں احسان کو مت بھولو، اور (لوگ) مجبور ہو کر خرید و فروخت کریں گے۔ حال آں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبور کا مال خریدنے، دھوکے کی تجارت کرنے اور پکنے سے پہلے پھل بیچنے سے منع فرمایا ہے۔

اسلام کا اصول یہ ہے کہ نہ خریدنے والے کا نقصان ہو نہ بیچنے والے کا، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

عن ابن عباس رضى الله عنه قال، قال رسول الله عليه وسلم لا ضرر ولا ضرار (۷۹)

ابن عباسؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ نقصان اٹھانا ہے اور نہ نقصان پہنچانا۔

۷۔ دھوکا دہی سے اجتناب

دھوکا دہی کی لعنت سے کوئی شعبہ خالی نہیں، لیکن تجارت خاص طور پر اس سے متاثر ہے، اور بعض حضرات کے نزدیک تو اپنے مال کے فرضی محاسن بیان کرنا اور اس کے عیوب پر پردہ ڈالنا تجارتی آداب میں شامل ہے اور ایک فن ہے، لیکن ظاہر ہے کہ اس صورت میں خریدنے والے کا نقصان ہے، اس لئے اس کی کسی صورت میں بھی اجازت نہیں ہو سکتی، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی ہے کہ مالِ تجارت کے عیوب خریدار پر واضح کر دینے چاہئیں اور اسے کسی بھی چیز سے اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہیے۔

۷۸۔ ابوداؤد: ج ۳، ص ۲۲۶، رقم ۹۳۳۸۲

۷۹۔ مسند احمد: ج ۱، ص ۵۱۵، رقم ۲۸۶۲

Marfat.com

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بار مدینہ منورہ کے بازار میں غلے کے ایک ڈھیر پر سے گزر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ڈھیر کا ظاہری حصہ اچھا محسوس ہوا، آپ نے اپنا ہاتھ اس کے اندر داخل کیا تو اس میں وہ کچھ نکلا، جو ظاہری حصے میں نہیں تھا۔ (یعنی ڈھیر کے اندر کا حصہ خراب تھا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مالک کو سرزنش کی، پھر فرمایا!

لا غش بين المسلمين، من غشنا فليس منا (۸۰)

مسلمانوں کے باہمی معاملات میں دھوکا دہی نہیں ہونی چاہئے، جس نے ہمیں دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں۔

۸۔ فروخت کرنے والی چیز پر قبضہ ہونا

اسلامی تجارت کا ایک اہم ترین اصول یہ ہے کہ جو چیز فروخت کی جارہی ہے، اس پر فروخت کرنے والے کا قبضہ ہونا ضروری ہے، آج کل بہت سی چیزوں میں یہ طریقہ کار اختیار کیا جاتا ہے کہ ایک شخص کوئی چیز خریدنے کے بعد خود اس پر قبضہ حاصل کیے بغیر فوراً ہی اسے فروخت کر دیتا ہے، یہ کسی صورت درست نہیں، کیوں کہ اس صورت میں بھی بدمعاملگی اور باہمی مناقشہ پیش آ سکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس صورت میں کسی ایک فریق کا نقصان ہو جائے۔ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک شخص مجھ سے وہ چیز فروخت کرنے کا مطالبہ کر رہا ہے، جو میرے پاس موجود نہیں، تو کیا میں وہ اسے بیچ سکتا ہوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تبع ماليس عندك (۸۱)

تم وہ چیز فروخت مت کرو، جو تمہارے پاس موجود نہیں ہے۔

اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۸۰۔ دارمی: ج ۲، ص ۳۲۳، رقم ۲۵۴۱

۸۱۔ السنن الکبریٰ: ج ۸، ص ۹۵، رقم ۱۰۵۵۹

Marfat.com

من ابتاع طعاماً فلا بیعه حتی یقبضه (۸۲)

جس شخص نے کھانے کی اشیا (غلہ وغیرہ) خریدیں تو وہ اسے اس پر قبضہ کرنے سے قبل نہ بیچے۔

۹۔ پھلوں کی قبل از وقت فروخت

اسی طرح ایک غلط طریقہ یہ رائج ہے کہ پھلوں کو وقت سے بہت پہلے فروخت کر دیا جاتا ہے، بل کہ بعض اوقات تو درختوں پر پھول بھی نہیں آیا ہوتا کہ اس کو بیچ دیا جاتا ہے، اسلامی اصولوں کے مطابق یہ طریقہ جائز نہیں اور اس طرح کی جانے والی ساری تجارت ناجائز ہے، پھلوں کی خرید و فروخت کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ پھلوں میں جب پختگی آ جائے، تب اس کی خرید و فروخت کی جائے۔ اس کو حدیث میں ''بدو صلاح'' فرمایا گیا ہے اور پختگی سے قبل بیع اور ہر طرح کی خرید و فروخت ممنوع ہے، کیوں کہ اس صورت میں خریدنے والے کا نقصان ہے، اس لئے کہ جب پھل اپنی اصل شکل میں بنا ہی نہیں تو یہ امکان موجود ہے کہ آندھی یا طوفان، تیز بارش اور اولوں یا کسی بیماری کے حملے کی وجہ سے وہ استعمال کیے جانے کی حالت میں آنے سے قبل ہی ضائع ہو جائے، ظاہر ہے کہ اس صورت میں خریدنے والا سراسر خسارے میں رہے گا، ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تبتاعوا الثمر حتیٰ یبدو صلاحه و تذهب عنه الآفة قال یبدو صلاحها حمرته و صفرته (۸۳)

۸۲۔ مسلم: ج ۳، ص ۱۱، رقم ۱۵۲۶

☆ بخاری: ج ۲، ص ۲۶، رقم ۲۱۳۶

☆ دارمی: ج ۲، ص ۳۲۹، رقم ۳۵۵۹

۸۳۔ مسلم: ج ۳، ص ۱۴، رقم ۱۵۳۴

☆ السنن الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۵۹، رقم ۱۰۷۲۶

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھلوں کو (درختوں پر) اس وقت تک مت بیچو جب تک ان کی پختگی ظاہر نہ ہو جائے اور ان سے آفت کے جانے کا یقین نہ ہو جائے اور روای کہتے ہیں کہ اس کی پختگی یہ ہے کہ ان (پھلوں) پر سرخی یا زردی ظاہر ہو جائے۔

اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن بيع الثمار حتى يبد و صلاحها، نهى البائع والمشترى (۸۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی پختگی ظاہر ہونے سے قبل ان کی بیع سے منع فرمایا ہے، آپ ﷺ نے بیچنے اور خریدنے والے دونوں کو منع کیا ہے۔

یعنی قبل از وقت فروخت سے باز رہنا دونوں کی ذمہ داری ہے اور اگر اس حکم کی خلاف ورزی کی گئی تو گناہ گار بھی دونوں ہوں گے۔

اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی کئی برس کا پھل ایک ساتھ بیچنے کی بھی ممانعت فرما دی، کیوں کہ یہ بھی قبل از وقت فروخت ہی ہے اور اس میں بھی نقصان کا اندیشہ بالکل واضح ہے، جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن بيع السنين (۸۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی کئی برس کی خرید و فروخت سے منع فرمایا۔

۱۰۔ ذخیرہ اندوزی

تجارت میں ایک اور اہم مسئلہ ذخیرہ اندوزی کا ہے، اس کے برے اور مضر اثرات کا مشاہدہ عموماً اس وقت ہوتا ہے، جب کسی چیز کی طلب میں اضافہ اور رسد میں کمی ہو جاتی ہے۔ ان حالات میں مفاد پرست طبقہ عوامی ضروریات کا خیال کیے بغیر اس جنس کو بڑی

۸۴۔ دارمی: ج ۲، ص ۳۲۷، رقم ۲۵۵۵

☆ نسائی: کتاب البیوع، باب النہی عن بیع الثمار حتی یبدو صلاحہا

۸۵۔ نسائی: کتاب البیوع، باب بیع السنین

Marfat.com

تعداد میں خرید کر گوداموں کی زینت بنا دیتا ہے اور من مانے نرخ وصول کرتا ہے، اسے عربی میں احتکار کہتے ہیں، ابن منظور لکھتے ہیں:

احتکار لغت میں کھانے پینے کی اشیا کو گرانی کے انتظار میں روک رکھنے کو کہتے ہیں۔ (۸۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کو باعثِ گناہ فرمایا، معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں۔

سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول لا یحتکر الا خاطی (۸۷)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، آپ ﷺ فرمارہے تھے کہ ذخیرہ اندوزی خطا کار ہی کرتا ہے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الجالب مرزوق والمحتکر ملعون (۸۸)

باہر سے لاکر بیچنے والا رزق پائے گا اور ذخیرہ اندوز ملعون ہے۔

اور حضرت عمرؓ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا:

من احتکر علی المسلمین طعامھم ابتلاہ اللّٰہ بالجذام او بالا فلاس (۸۹)

جس نے مسلمانوں کی غذائی اشیا کی ذخیرہ اندوزی کی اللہ اسے جذام میں یا افلاس میں مبتلا کرے گا۔

۸۶۔ لسان العرب: ج ۴، ص ۲۰۸

۸۷۔ ترمذی: ج ۳، ص ۳۵، رقم ۱۲۷۱

☆ ابوداؤد: ج ۳، ص ۲۴۸، رقم ۳۴۴۷

۸۸۔ دارمی: ج ۲، ص ۳۲۴، رقم ۲۵۴۴

☆ شعب الایمان: ج ۷، ص ۵۲۵

۸۹۔ شعب الایمان: ج ۷، ص ۵۲۶

Marfat.com

اور امام مالکؒ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

لاحكرة فی سوقنا، لا يعمد رجال بايديهم فضول من اذهاب، الى رزق من رزق الله نزل بسا حتنا فيحتكرونه علينا ولكن ايما جالب جلب علی عمود كبده فی الشتاء والصيف، فذلك ضيف عمر فلبيع كيف شاء الله، وليمسك كيف شاء الله (۹۰)

ہمارے بازار میں کوئی ذخیرہ اندوزی نہ کرے، جن لوگوں کے پاس ضرورت سے زیادہ رقم ہے وہ ہمارے ملک میں آنے والے اللہ کے رزق میں سے خرید کر بالکل ذخیرہ اندوزی نہ کریں، اور جو شخص تکلیف اٹھا کر سردی یا گرمی میں ہمارے ملک میں غلہ لائے تو وہ عمرؓ کا مہمان ہے، جیسے اللہ کو منظور ہو وہ بیچے اور جیسے اللہ کو منظور ہو وہ روک لے۔

یعنی مالک کو اختیار ہے جتنا مال چاہے۔ بیچے جتنا چاہے روک لے۔

اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی ذخیرہ اندوزی کی ممانعت منقول ہے۔ (۹۱)

فقہا نے عام طور پر کھانے پینے کی اشیا میں احتکار (ذخیرہ اندوزی) کو ناجائز قرار دیا ہے خواہ وہ انسانوں کی خوراک ہو یا جانوروں کی، لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک ان تمام چیزوں کی ذخیرہ اندوزی ممنوع ہے، جن سے عامۃ الناس کو نقصان پہنچے۔ (۹۲)

اور جب ذخیرہ اندوزی سے نقصان کا اندیشہ ہو تو حاکم کو اختیار ہے کہ ذخیرہ اندوز کو حکم دے کہ اپنی ضرورت کا غلہ روک کر باقی فوراً مارکیٹ میں (مارکیٹ ریٹ پر) فروخت کر دے، اور آئندہ ذخیرہ اندوزی نہ کرنے کی اُسے تاکید کرے اور اگر وہ پھر بھی باز نہ آئے تو اسے قید بھی کر سکتا ہے۔ (۹۳)

۹۰۔ المؤطا: کتاب البیوع، باب الحکرۃ والتربص

۹۱۔ ایضاً

۹۲۔ الہدایہ: ج ۴، ص ۴۵۴، کتاب الکراہیہ

۹۳۔ ایضاً: ص ۴۵۵

Marfat.com

۱۱۔ نرخ بڑھانے کے لئے مداخلت کرنا

بعض اوقات خریداری مقصود نہیں ہوتی، صرف نرخ بڑھانے کے لئے معاملے میں مداخلت کی جاتی ہے، چوں کہ اس صورت میں بھی ایک فریق کا نقصان ہے، اس لئے اس سے بھی منع فرمایا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل پر سخت وعید فرمائی ہے۔ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

من دخل فی شئی من اسعار المسلمین لیغلیه علیهم کان حقاً علی اللّٰه ان یقذفه فی معظمه من النار یوم القیامة (۹۴)

جس شخص نے مسلمانوں پر نرخ بڑھانے کے لئے ان کے سودے میں مداخلت کی تو اللہ کے ذمے (اس مظلوم کا) یہ حق ہے کہ وہ ایسے (مداخلت کرنے والے) شخص کو قیامت کے روز بہت بڑی آگ میں ڈال دے۔

اور دوسری روایت میں فرمایا:

لایحل لا مرئ یؤمن باللّٰه و الیوم الآ خران یبیع علی بیع اخیه حتی یترکه (۹۵)

جو شخص اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اس کے لیے حلال نہیں ہے کہ اپنے بھائی کی خرید وفروخت پر معاملہ کرے، جب تک کہ وہ اس (معاملے کو) چھوڑ نہ دے۔

اور ایک روایت میں ہے:

عن ابی هریرة رضی اللّٰه عنه قال : قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لا تنا جشوا (۹۶)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

۹۴۔ مسند ابوداؤد الطیالسی: کتاب البیوع والمکاسب

۹۵۔ دارمی: ج ۲، ص ۳۲۶، رقم ۲۵۵۰

۹۶۔ ابوداؤد: ج ۳، ص ۲۴۵، رقم ۳۴۳۸

Marfat.com

کہ نجش مت کرو۔

نجش کے معنی دھوکہ کرنے اور نرخ بڑھانے کے لئے بولی لگانے کے آتے ہیں، ابو عبیدؒ کہتے ہیں:

هوان يزيد الرجل ثمن السلعة وهولا يريد شراء ها و لكن ليسمعه غيره فيزيد بزيادته (۹۷)

نجش یہ ہے کہ ایک شخص کسی چیز کی قیمت لگائے لیکن اس کا مقصد اسے خریدنا نہ ہو، بل کہ وہ یہ چاہتا ہو کہ دوسرا شخص اس کی قیمت سن کر اس چیز کی قیمت بڑھا دے۔

جوہری کی بھی یہی رائے ہے۔ (۹۸) اور خطابی سے بھی یہی تشریح منقول ہے۔ (۹۹)

۱۲۔ بازار میں آنے سے پہلے مال خرید لینا

تاجر بازار میں قیمتوں کو اپنے ہاتھ میں رکھنے اور عام حالات سے کہیں زیادہ منافع اٹھانے کے لئے بعض اوقات تمام یا اکثر مال اٹھا لیتے ہیں اور پھر اپنی پسندیدہ قیمتوں پر اسے سپلائی کرتے ہیں، اس صورت میں ذخیرہ اندوزی والا نقصان تو نہیں ہے، چیز بازار میں موجود تو رہتی ہے، لیکن اس کی قیمت میں بلا جواز اضافہ ضرور ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے گاہک کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی ممانعت فرما دی۔

عربوں میں ایک طریقہ یہ رائج تھا کہ مال لے کر جو قافلہ بازار کی طرف آتا، اسے چند لوگ شہر سے باہر ہی روک لیتے اور وہیں پر تاجروں سے معاملہ طے کر لیتے تھے، منڈی تک آنے والوں کی رسائی ہو ہی نہیں پاتی تھی۔ (۱۰۰)

۹۷۔ لسان العرب: ج ۶، ص ۳۵۱

۹۸۔ لسان العرب: ج ۶، ص ۳۵۱

۹۹۔ حاشیہ ابوداؤد: ج ۳، ص ۲۴۲

۱۰۰۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانی۔ اسلامی معاشیات۔ دارالاشاعت، کراچی: ص ۳۵۲

Marfat.com

اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم نھی عن تلقی الجلب (۱۰۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر سے سامانِ تجارت لانے والے سے آگے بڑھ کر ملنے سے منع فرمایا۔

اسی طرح دیہات کے آدمی سے شہری افراد کو معاملہ کرنے سے بھی منع فرمایا، کیوں کہ اس کو بازار کا جائزہ لئے بغیر قیمت کا اندازہ نہیں ہوگا اور یوں اسے شہر کے تاجروں کے ہاتھوں نقصان اٹھانا پڑے گا، ابن عباسؓ سے روایت ہے:

نھی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان یبیع حاضر لباد (۱۰۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہری کو دیہاتی سے خرید وفروخت کرنے سے منع فرمایا۔

اور جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی وجہ بھی بیان فرمائی، فرمایا!

لا یبیع حاضر لباد، وذروا الناس یرزق اللّٰہ بعضھم من بعض (۱۰۳)

شہری دیہاتی سے تجارت نہ کرے اور لوگوں کو چھوڑ دو (ان کے معاملے میں مداخلت مت کرو) اسی طرح اللہ تعالیٰ بعض کے ذریعے بعض کو رزق پہنچاتا ہے۔

۱۳۔ ناپ تول میں کمی کرنا

ناپ تول میں کمی کرنا اخلاقی جرم تو ہے، ہی ویسے بھی اس کے بہت سے مفاسد ہیں، مثلاً خریداروں کا اس پر سے اعتماد اٹھ جاتا ہے اور یہ عمل جھوٹ، خیانت، دھوکا دہی سمیت

۱۰۱۔ ابوداؤد: ج ۳، ص ۲۴۵، رقم ۳۴۳۷

۱۰۲۔ ابوداؤد: ج ۳، ص ۲۴۶، رقم ۳۴۳۹

۱۰۳۔ ابوداؤد: ج ۳، ص ۲۴۷، رقم ۳۴۴۲

☆ نسائی: کتاب البیوع، باب بیع الحاضر للبادی

☆ ابن ماجہ: ج ۳، ص ۱۶، رقم ۲۱۷۶

Marfat.com

بہت سی برائیوں کا مجموعہ ہے۔ اس لئے اسلام اس کی سختی کے ساتھ ممانعت کرتا ہے، قرآنِ حکیم میں متعدد مقامات پر پورا پورا تولنے کا حکم دیا گیا ہے۔ سورۂ انعام میں فرمایا:

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ (۱۰۴)

اور پیمانے اور میزان کو انصاف کے ساتھ پورا کرو۔

اور دوسرے مقام پر ایسے لوگوں کے لئے سخت ترین وعید بیان فرمائی، جو ناپنے تولنے میں کمی بیشی کرتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ O الَّذِينَ اِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ O وَاِذَا كَالُوهُمْ اَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ O (۱۰۵)

ہلاکت ہے (ناپ تول میں) کمی بیشی کرنے والوں کے لئے، وہ لوگ کہ جب ناپ کر لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے، اس وقت اہلِ مدینہ ناپ تول میں سب سے زیادہ کمی کوتاہی کرتے تھے، اس پہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ویل للمطففین (۱۰۶) اس کے بعد وہ صحیح تولنے لگے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خمس بخمس قيل : يا رسول الله (ﷺ) وما خمس بخمس؟ قال: مانقض قوم العهد الاسلط عليهم عدو هم، وما حكموا بغير ما انزل الله الا فشافيهم الفقر، ولا ظهرت فيهم الفاحشة الا فشا فيهم الموت، ولا منعوا الزكاة الا حُبس عنهم القطر، ولا طففوا المكيال الا حبس عنهم النبات واُخذوا بالسنين (۱۰۷)

۱۰۴۔ الانعام: ۱۵۲

۱۰۵۔ المطففین: ۱، ۲، ۳

۱۰۶۔ فخر الدین رازی۔ التفسیر الکبیر۔ دار الفکر، بیروت: ج ۱۶، ص ۸۹

۱۰۷۔ مجمع الزوائد: ج ۳، ص ۲۰۳، رقم ۴۳۴۶

Marfat.com

پانچ چیزیں پانچ چیزوں سے آتی ہیں۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ یہ پانچ چیزیں کیا ہیں؟ فرمایا:

۱۔ جب کوئی قوم عہد توڑتی ہے تو اللہ اس پر اس کے دشمن کو مسلط کر دیتا ہے

۲۔ اور جب وہ اللہ کے نازل کردہ احکامات کے خلاف فیصلہ کرتی ہے تو اس میں فقر (افلاس) پھیل جاتا ہے

۳۔ اور جس قوم میں بے حیائی پھیل جاتی ہے، اس میں موت کی کثرت ہو جاتی ہے

۴۔ اور جو قوم زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کرنے لگتی ہے، اس سے بارش روک لی جاتی ہے

۵۔ اور جب ناپ تول میں کمی بیشی کرنے لگتی ہے تو ان کی زمین سے رویدگی روک لی جاتی ہے اور اسے قحط میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

۱۴۔ وزن کرتے ہوئے احتیاط

ناپ تول میں کمی کے مسئلے میں معاملے کی سنگینی کے پیش نظر یہ ہدایت بھی فرمائی گئی ہے کہ تولتے اور ناپتے وقت صرف پورا پورا تولنے کا خیال نہیں رکھو، بل کہ جھکتا ہوا تولو۔ سوید بن قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

جلبت انا و مخرمة بزامن هجر فبعت من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم سراويل و ثم وزان يزن بالا جرفقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم زِن وارجح (۱۰۸)

میں اور مخرمہ (رضی اللہ عنہ) مقام ہجر سے کپڑا خرید کر لائے تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شلوار فروخت کی، وہاں ایک وزن کرنے والا تھا، جو اجرت لے کر وزن کیا کرتا تھا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کہ وزن کیا کرو اور جھکتا ہوا تولا کرو۔

۱۰۸۔ ابوداؤد الطیالسی: کتاب البیوع والمکاسب

Marfat.com

۱۵۔ جھوٹی قسم کھانا

مال بیچنے اور گاہک کو مطمئن کرنے کے لئے قسمیں کھانا بھی عام معمول ہے، اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں جھوٹی قسمیں اٹھالینا کوئی عجیب بات نہیں، اور یہ صورت بھی حقائق کے برعکس گاہک کو مطمئن کرنے کے لئے ہوتی ہے، اس لئے اسلام کے نزدیک درست نہیں اور اس سے منع فرمایا گیا ہے۔

قرآنِ کریم میں فرمایا:

وَلَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (۱۰۹)

اور اپنا مال آپس میں ناحق طریقے سے مت کھاؤ۔

مفسرین کے نزدیک اس میں جھوٹی قسم بھی شامل ہے۔(۱۱۰)

اور مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ واضح الفاظ میں فرماتے ہیں:

اس ارشادِ خداوندی (ولا تاکلوا الخ) کے الفاظ عام ہیں کہ باطل اور ناجائز طریق سے کسی کا مال نہ کھاؤ، اس میں کسی کا مال غصب کر لینا بھی داخل ہے۔ (چند سطروں بعد) جھوٹ بول کر یا جھوٹی قسم کھا کر کوئی مال حاصل کر لینا یا ایسی کمائی جس کو شریعتِ اسلام نے ممنوع قرار دیا ہے، اگرچہ اپنی جان کی محنت ہی سے حاصل کی گئی، ہو وہ سب حرام اور باطل ہیں۔(۱۱۱)

ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں تین قسم کے افراد کے لئے سخت ترین وعید فرمائی ہے، ان میں سے ایک جھوٹی قسم کھانے والا ہے۔ فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

ثلاثة لا ينظر الله اليهم يوم القيمة، ولا يز كيهم، ولهم عذاب اليم، قلت من هم يا رسول الله؟ فقد خابوا وخسروا۔ قال!

۱۰۹۔ البقرہ:۱۸۸

۱۱۰۔ ملاحظہ کیجئے: عبداللہ بن عباسؓ۔ تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس۔ قدیمی کتب خانہ، کراچی: ص ۳۲

☆ قاضی ثناء اللہ عثمانی۔ تفسیر مظہری۔ مجلس اشاعت العلوم، حیدر آباد دکن: ج ا، ص ۲۰۹

۱۱۱۔ مفتی محمد شفیع۔ معارف القرآن۔ ادارۃ المعارف، کراچی، ۱۹۷۶: ج ا، ص ۴۶۰

Marfat.com

المنان، والمسبل ازاره، والمنفق سلعة بالحلف الكاذب (۱۱۲)

تین طرح کے افراد ایسے ہیں کہ اُن کی طرف اللہ تعالیٰ روز قیامت نہ تو (رحمت کی نظر سے) دیکھیں گے، نہ انہیں پاک کریں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے، میں (ابوذرؓ) نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کون لوگ ہیں؟ وہ تو برباد ہوگئے، وہ تو خسارے میں رہ گئے، فرمایا ایک احسان جتانے والا، دوسرا شلوار (وغیرہ تکبر کی وجہ سے) لٹکانے والا اور تیسرا جھوٹی قسم اٹھا کر اپنا مال فروخت کرنے والا۔

اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الحلف منفقة للسلعة، ممحقة للبركة (۱۱۳)

(جھوٹی) قسم سامان بکوا دیتی ہے اور برکت مٹا دیتی ہے۔

۱۶۔ حرام اشیا کی تجارت

جو چیزیں خود حرام ہیں، ان کی خرید وفروخت بھی حرام اور ناجائز ہے، مثلاً شراب، خنزیر وغیرہ، بعض اوقات یہ شیطانی وسوسہ بھی دل میں پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی چیز خود حرام ہے تو کیا ہوا؟ ہم اسے ذاتی استعمال میں تو نہیں لا رہے، ہم تو اپنی محنت کا صلہ لیتے ہیں، مگر یہ فقط شیطانی وسوسہ ہے، کیوں کہ حرام چیز کی خرید وفروخت کرنا اسے رائج کرنے کے بھی مترادف ہے۔ اور خود حرام کام میں شرکت کرنے کے بھی، اس لئے یہ کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللّٰہ تعالیٰ اذا حرم شیأً حرم ثمنه (۱۱۴)

اللہ تعالیٰ نے جو چیز حرام کی ہے، اس کی قیمت بھی حرام ہے۔

۱۱۲۔ ترمذی: ج ۳، ص ۶، رقم ۱۲۱۵

☆ مسلم: ج ۱، ص ۱۰۰، رقم ۱۰۶

۱۱۳۔ بخاری: ج ۲، ص ۱۴، رقم ۲۰۸۷

☆ ابوداؤد: ج ۳، ص ۲۰۹، رقم ۳۳۳۵

۱۱۴۔ الدارقطنی: ج ۳، ص ۷

Marfat.com

اور تمیم داری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یحل ثمن شیئ لا یحل اکلہ وشربہ (۱۱۵)

اس چیز کی قیمت بھی حلال نہیں ہے، جس چیز کا کھانا پینا حلال نہیں ہے۔

اس حکم کی مزید وضاحت مدینہ منورہ میں حرمتِ شراب کے ابتدائی دور کے اس واقعے سے ہوگی، جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو مدینہ منورہ کی گلیوں میں شراب پانی کی طرح بہنے لگی، اور لوگوں نے اسی وقت ساری شراب ضائع کر دی، مگر سب سے حیرت انگیز واقعہ یہ رونما ہوا کہ ایک صحابیٔ رسول اپنا سارا مال لے کر تجارت کے لئے شراب خریدنے گئے ہوئے تھے۔ وہ جب تجارتی مال لے کر شام سے لوٹے تو مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے قبل ہی انہیں حرمتِ شراب کی اطلاع مل گئی، وہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے معاملے میں رہ نمائی چاہی، آپ ﷺ نے فرمانِ خداوندی کے مطابق حکم دیا کہ ساری شراب بہا دو، اس سچے جاں نثارِ رسول ﷺ نے بلا جھجک اپنا سارا سرمایہ زمین پر بہا دیا، جس سے انہیں بڑے بھاری منافع کی امیدیں تھیں۔ (۱۱۶)

اسی طرح ان اشیا کی فروخت کی بھی ممانعت ہے جو مخرب الاخلاق قرار دی جاتی ہیں، یا جن سے قوم کے اخلاق بگڑنے کا خطرہ ہوتا ہے، آلاتِ لہو ولعب یعنی گانے بجانے اور اس سے ملتی جلتی اشیا کی خرید وفروخت کے متعلق قرآنِ حکیم میں ارشاد باری ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ (۱۱۷)

اور لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے، جو غافل کر دینے والی باتوں کو خریدتا ہے تاکہ سوچے سمجھے بغیر (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے گم راہ کرے اور اس (قرآن کریم) کا مذاق اڑائے، ایسے لوگوں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔

۱۱۵۔ ایضاً

۱۱۶۔ معارف القرآن: ج ۱، ص ۵۲۵

۱۱۷۔ لقمان: ۶

Marfat.com

یہ آیت نضر بن حارث کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے، اس نے گانے والی باندی خریدی تھی اور اسے جس شخص کے متعلق علم ہوتا کہ وہ مسلمان ہونے والا ہے، اس کو اپنی باندی کے پاس لاتا اور اسے کہتا کہ اسے شراب پلاؤ اور ناچو گاؤ، اور پھر کہتا کہ یہ عیش اچھا ہے یا نماز روزہ؟ (استغفر اللہ) (۱۱۸)

اس آیت کی رو سے گانا بجانا حرام ہے اور لہو الحدیث سے مراد گانا ہی ہے۔ (۱۱۹)

اسی طرح گانا بجانا سکھانا بھی جائز نہیں، نہ ایسی عورتوں (اور مردوں) کی خرید و فروخت جائز ہے۔ (۱۲۰)

اس دور میں یہ کام زرخرید لونڈیاں کیا کرتی تھیں، اس لئے آج کے دور میں وہ تمام چیزیں جن کا تعلق اخلاق کے خراب کرنے سے ہے، اس فہرست میں شامل ہوں گی۔ لہٰذا نہ صرف گانے بجانے کے آلات، تصویریں، رقص و سرود سے متعلق اشیا، سینما، وڈیو فلمیں آڈیو کیسٹیں وغیرہ کی تیاری اور ان کے فروغ میں کسی بھی قسم کی اعانت اور تعاون ناجائز اور حرام ہے اور سخت گناہ اور عذاب کا موجب ہے، بل کہ فحش لٹریچر سمیت ان تمام چیزوں کی اشاعت اور فروغ میں اعانت حرام ہے جو کسی بھی طرح حرام اشیا اور ناجائز چیزوں کے زمرے میں آتے ہیں۔

۱۷۔ سود (ربا) کی ممانعت

ربا (جسے اردو میں سود کہتے ہیں) کے لغوی معنی اضافے، زیادتی اور بلندی کے

۱۱۸۔ آلوسی۔ روح المعانی: ج ۲۱، ص ۶۷

☆ مولانا عبدالحق حقانی۔ تفسیر فتح المنان (تفسیر حقانی)۔ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی: ج ۳، ص ۵۶۸

۱۱۹۔ چناں چہ ابن مسعود اور ابن عباسؓ سے یہی منقول ہے، اسی طرح حضرت حسن، عکرمہ اور سعید بن جبیرؒ کی بھی یہی رائے ہے، ملاحظہ کیجئے: روح المعانی حوالۂ بالا اور قاضی ثناء اللہ عثمانی۔ تفسیر مظہری: ج ۷، ص ۲۵۹

۱۲۰۔ تفسیر ابن کثیر: ج ۳، ص ۴۴۲

Marfat.com

ہیں۔(۱۲۱)

اوراس کے عرفی معنی بیان کرتے ہوئے امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

والربا الزيادة على رأس المال (۱۲۲)

اصل رقم پر زیادتی کوسود کہتے ہیں۔

اورزجاج کے بہ قول سود کی تعریف یہ ہے

هو كل قرض يوخذبه اكثر منه (۱۲۳)

ہر وہ قرض جس پر اس سے زیادہ مقدار لی جائے،سود ہے۔

اوراس کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

الربافی الشرع عبارة عن فضل مال لايقابله عوض فی معاوضة مال بمال (۱۲۴)

ربا شریعت میں اس زائد مال کو کہتے ہیں جو مال کے بدلے مال کا معاملہ کرتے ہوئے دیا جائے اوراس کے مقابلے میں کوئی عوض نہ ہو۔

سود کی لعنت سے کون واقف نہیں؟ آج کل کی معیشت کا بال بال سودی معاملات میں جکڑا ہوا ہے، اس کی حقیقت سب جانتے ہیں، اس لئے اس موضوع پر صرف ایک آیت اوردو احادیث پر اکتفا کیا جاتا ہے۔قرآن کریم میں ارشاد ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوْا مَابَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَO فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ O (۱۲۵)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود باقی رہ گیا ہے، اسے چھوڑ دو اگر تم (سچے) مومن ہو، اور اگر تم ایسا نہیں کرتے تو اللہ اوراس کے رسول (صلی

۱۲۱۔الصحاح: ج ۶، ص ۳۴۹

۱۲۲۔المفردات: ص ۱۸۷

۱۲۳۔تاج العروس: ج ۱۰، ص ۱۴۴

۱۲۴۔روح المعانی: ج ۳، ص ۴۸

۱۲۵۔البقرہ: ۲۷۸، ۲۷۹

Marfat.com

اللہ علیہ وسلم) سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سود کھانے والوں پر لعنت فرمائی ہے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں:

لعن رسول اللہ ﷺ اکل الربوا و موکلہ وشاھدیہ و کاتبہ (۱۲۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے اس (سودی کاروبار) کے گواہوں اور اس (معاملے کو تحریر کرنے والے) کاتب پر لعنت فرمائی ہے۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موجودہ دور کی کیسی صحیح منظر کشی فرمائی ہے:

قال لیأتین علی الناس زمان لا یبقی احد الا اکل الربا فان لم یا کلہ اصابہ من بخارہ (۱۲۷)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں پر ایسا زمانہ بھی آئے گا جب ایسا کوئی شخص باقی نہ رہے گا، جس نے سود نہ کھایا ہو اور جو سود نہ کھائے گا، تب بھی اس کا اثر اس تک ضرور پہنچے گا۔

اب یہ ہمارا عمل ہے کہ ہم سودی زندگی میں شریک ہو کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کے لئے تیار ہوتے ہیں اور ان کی لعنت کے مستحق بنتے ہیں یا پھر اپنی سابقہ بداعمالیوں سے توبہ کر کے اس لعنت کا طوق اپنی گردنوں سے نکال پھینکتے ہیں۔

۱۸۔ دیانت داری

دیانت داری انسان کا بنیادی وصف ہے۔ جس پر اس کے اخلاق کی پوری عمارت

۱۲۶۔ ترمذی: ج ۳، ص ۴، رقم ۱۲۱۰

☆ ابوداؤد: ج ۳، ص ۲۰۸، رقم ۳۳۳۳

☆ السنن الکبریٰ: ج ۸، ص ۱۱۲

۱۲۷۔ ابوداؤد: ج ۳، ص ۲۰۷، رقم ۳۳۳۱

Marfat.com

استوار ہوتی ہے، اسلام میں ہر معاملے میں امانت و دیانت کا پاس رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، قرآنِ کریم میں نیک عمل مسلمانوں کی ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے، فرمایا:

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُونَ O (۱۲۸)

(مسلمان) وہ ہیں جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھتے ہیں۔

ابن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا ایمان لمن لا امانة له ولا دين لمن لا عهدله (۱۲۹)

اس شخص کا ایمان نہیں، جس میں امانت نہیں اور اس کا دین نہیں، جس کو عہد کا پاس نہیں۔

خصوصاً کاروباری معاملات میں دیانت و امانت کی اہمیت کسی سے پوشیدہ نہیں، ایسا شخص جو دیانت داری سے اپنے فرائض ادا نہیں کرتا اور اپنے معاملات میں امانت و دیانت کا خیال نہیں رکھتا، اپنی زندگی میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

ایک بار مدینہ منورہ کے باہر ایک قافلہ آکر ٹھہرا، ان کے پاس ایک سرخ رنگ کا اونٹ بھی موجود تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گزر ہوا تو آپ ﷺ نے اس اونٹ کی قیمت پوچھی، انہوں نے جو قیمت بتائی، آپ ﷺ نے وہ قبول کر لی اور (قیمت ادا کیے بغیر) اونٹ کو لے کر شہر کی طرف روانہ ہو گئے، بعد میں اہل قافلہ کو خیال ہوا کہ قیمت وصول کیے بغیر اونٹ نہیں دینا چاہئے تھا، جب کہ جان پہچان بھی نہیں، قافلے میں ایک خاتون بھی تھی، اس نے کہا کہ مطمئن رہو، ہم نے ایسا روشن چہرہ کسی کا نہیں دیکھا، رات ہوئی تو آپ ﷺ نے اونٹ کی قیمت اور اہل قافلہ کے لئے کھانا بھجوا دیا۔ (۱۳۰)

یہ تھے ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام جن پر بغیر دیکھے اور بغیر جانے لوگ ایمان لے آتے تھے کہ یہ دھوکا نہیں دے سکتے اور ایک ہم ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی

☆ نسائی: کتاب البیوع باب اجتناب الشبہات فی الکسب

۱۲۸۔ المومنون: ۸

۱۲۹۔ مجمع الزوائد: ج ۱، ص ۲۷۹

۱۳۰۔ شبلی نعمانی۔ سیرت النبی: ج ۲، ص ۱۸۵

Marfat.com

ہونے کے دعوے دار اور آپ ﷺ کی شفاعت کے امیدوار ہیں اور عالم یہ ہے کہ ہمارا دنیا میں کہیں بھی اعتبار و اعتماد باقی نہیں رہا اور ہر اخلاقی برائی ہم سے منسوب ہو رہی ہے، استغفر اللہ العظیم، اللہ تعالیٰ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر دل و جان سے عمل پیرا ہونے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین

۱۹۔ صداقت شعاری

دیانت و امانت کے ساتھ ساتھ صداقت اور سچائی بھی نہایت ضروری وصف ہے، خصوصیت کے ساتھ تجارتی و کاروباری معاملات میں اس کی اہمیت کا کوئی منکر نہیں، عام زندگی میں بھی اس کی خاص تاکید فرمائی گئی ہے۔

قرآنِ حکیم میں جن لوگوں سے مغفرت اور اجرِ عظیم کے وعدے کیے گئے ہیں، ان کی بیان کردہ صفات میں ایک صفت صداقت بھی ہے، فرمایا:

> اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَ الصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ لا اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ○ (۱۳۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر تاجروں کو صداقت و راست بازی کی تاکید فرمائی ہے، ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ کی طرف نکلے تو وہاں لوگوں کو خرید و فروخت میں مصروف دیکھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے تاجرو! وہ آپ ﷺ کی پکار پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو گئے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

> ان التجار یبعثون یوم القیامة فجارا الامن اتقیٰ اللہ وبر وصدق (۱۳۲)

۱۳۱۔ الاحزاب: ۳۵

۱۳۲۔ ترمذی: ج ۳، ص ۵، رقم ۱۲۱۴

☆ ابن ماجہ: ج ۳، ص ۸، رقم ۲۱۴۶

Marfat.com

بے شک (اکثر) تاجر قیامت کے روز فاجر (بدکار) اٹھائے جائیں گے، سوائے ان تاجروں کے جو اللہ سے ڈرتے رہے اور نیکی کی راہ اختیار کی اور صداقت سے کام لیا۔

۲۰۔ زکوٰۃ کی ادائیگی

اگر چہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا فریضہ صرف تاجروں کے ساتھ خاص نہیں لیکن اس جانب سے بھی کوتاہی کی روایت عام ہے، اس لئے اس جانب بھی توجہ کی ضرورت ہے۔

زکوٰۃ ہر صاحبِ نصاب مسلمان پر فرض ہے، زکوٰۃ اسلامی نظامِ معیشت کا ایک امتیاز اور غرباء و مساکین کی کفالت کا مربوط اور وسیع نظام ہے، جس کا صحیح معنی میں نفاذ معاشرے بھر سے غربت اور فقر کو ختم کرنے میں معاون ثابت ہوسکتا ہے، جیسا کہ اس کی تاریخی مثالیں موجود ہیں۔

قرآنِ حکیم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا (۱۳۳)

آپ ﷺ ان (مسلمانوں) کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) لے لیں تاکہ اس کے ذریعے انہیں پاک وصاف کریں۔

اس آیت میں زکوٰۃ کی وجہ بھی بیان کردی کہ اس کے ذریعے مسلمانوں کو پاکی اور طہارت حاصل ہوتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

ان اللّٰہ قد فرض علیھم صدقۃ توخذ من اغنیاء ھم فترد علی فقراء ھم (۱۳۴)

بے شک اللہ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مال داروں سے لے کر ان کے فقرا کو دی جائے گی۔

۱۳۳۔ التوبہ: ۱۰۳

۱۳۴۔ بخاری: ج ۱، ص ۳۶۸، رقم ۱۴۹۶

Marfat.com

اہلِ تجارت کے ہاں اس جانب سے بھی غفلت عام ہے، حال آں کہ یہ ان فرائض میں سے ہے، جنہیں ارکانِ اسلام قرار دیا گیا ہے۔

۲۱۔ قرض کی ادائیگی

عام طور پر تجارت کا زیادہ تر انحصار قرض پر ہوتا ہے، خصوصاً آج کے دور میں تجارتی قرضوں کی اہمیت بہت زیادہ ہے، اس لئے اسلامی تجارت کے اصول وضوابط میں بھی اسے اہمیت حاصل ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض کی بروقت ادائیگی کی تلقین فرمائی اور عملی طور پر بھی اس کی تربیت دی، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من اخذ اموال الناس یرید اداء ھا ادی اللّٰہ عنہ، ومن اخذ یرید اتلافھا اتلفہ اللّٰہ (۱۳۵)

جس شخص نے لوگوں کا مال (بہ طورِ قرض) ادا کرنے کی نیت سے لیا تو اللہ اس کی ادائیگی کا سامان کر دے گا اور جس شخص نے مال ضائع کرنے (اور ادا نہ کرنے) کے ارادے سے لیا تو اللہ اسے ضائع کر دے گا۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض کی ادائیگی میں بلاوجہ ٹال مٹول سے کام لینے کو ظلم قرار دیا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مطل الغنی ظلم (۱۳۶)

مال دار شخص کا (جو قرض کی ادائیگی کی طاقت رکھتا ہو) ٹال مٹول سے کام لینا اور قرض (بروقت) ادا نہ کرنا ظلم ہے۔

۲۲۔ انفاق فی سبیل اللہ

زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ تاجروں پر لازم ہے کہ وہ دوسری مدوں میں بھی مسلمان حاجت

۱۳۵۔ بخاری: ج ۲، ص ۹۴، رقم ۲۳۸۷

۱۳۶۔ بخاری: ج ۲، ص ۹۷، رقم ۲۴۰۰

Marfat.com

مندوں کی مدد کریں، یہ اخلاقی طور پر بھی ان کی ذمے داری بنتی ہے، اسلام بھی اس کی تاکید و تلقین کرتا ہے اور ان کی تجارت کے فروغ کے لئے بھی یہ ضروری ہے۔

قرآنِ حکیم میں فرمایا:

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ۝ (۱۳۷)

(لوگو!) تم اس وقت تک نیکی (میں کمال) ہرگز نہ حاصل کرسکو گے جب تک کہ اپنی پسندیدہ چیز میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو۔

اور فرمایا:

وَفِیۡۤ اَمۡوَالِہِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ ۝ (۱۳۸)

اور ان کے مالوں میں سائلوں اور ناداروں کا بھی حق ہے۔

قیس ابن ابی غرزۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یا معشر التجار! ان الشیطان والاثم یحضران البیع، فشوبوا بیعکم بالصدقة (۱۳۹)

اے تاجرو! بلاشبہ شیطان اور گناہ دونوں خرید وفروخت کے موقع پر آموجود ہوتے ہیں، سوتم اپنی تجارت کے ساتھ صدقے کو ضرور ملا دیا کرو۔

ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اغنیا کے رزق کو غریبوں اور ضعیفوں کا صدقہ قرار دیا، ابو درداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اغنیا کو خطاب کر کے فرمایا:

ابغونی الضعفاء فانما ترزقون و تنصرون بضعفائکم (۱۴۰)

میری ضعفا کے بارے میں مدد کرو، کیوں کہ تمہیں رزق بھی تمہارے ضعفا کی

۱۳۷۔ آل عمران: ۹۲

۱۳۸۔ الذاریات: ۱۹

۱۳۹۔ ترمذی: ج ۳، ص ۴، رقم ۱۲۱۲

۱۴۰۔ ابوداؤد: ج ۲، ص ۳۷۶، رقم ۲۵۹۴

☆ نسائی: کتاب الجہاد، باب الاستنصار بالضعیف

Marfat.com

وجہ سے دیا جاتا ہے اور تمہاری مدد بھی انہی کی وجہ سے کی جاتی ہے۔

۲۳۔ پس اندازی

انسانی فطرت ہے کہ جب اسے قدرے فراخی حاصل ہوتی ہے تو وہ خرچ کی طرف سے بے فکری کا مظاہرہ کرنے لگتا ہے، جس کے نتیجے میں بد احتیاطی بھی سامنے آتی ہے۔ اس کے سدِ باب کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسراف کی سختی سے ممانعت فرمائی، اسی اسراف کا نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان مستقبل کی طرف سے بالکل بے پروا ہو جاتا ہے اور جس قدر کماتا ہے اسے فوراً اڑا دینے کی کوشش کرتا ہے، اس کی توجہ پس اندازی کی جانب نہیں ہوتی، حال آں کہ پس اندازی انسان کی اہم ضرورت اور اچھی عادات میں سے ہے، کیوں کہ بسا اوقات انسان حادثاتی طور پر مشکلات کا شکار ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں پس انداز شدہ رقم کو کام میں لانا دستِ سوال دراز کرنے سے یقیناً بہ درجہا بہتر ہے۔ مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی ایک باندی تھی جو دودھ فروخت کیا کرتی تھی، جس کی رقم مقدامؓ لیتے تھے، جس پر انہیں کہا گیا کہ سبحان اللہ! آپ دودھ جیسی چیز فروخت کر کے اس کی قیمت لیتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں، اس میں کیا مضائقہ ہے؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

لیأتین علی الناس زمان لا ینفع فیہ الا الدینار والدرھم (۱۴۱)

(عن قریب) لوگوں پر ایسا زمانہ بھی آئے گا جب دینار و درہم کے سوا کوئی چیز نفع نہ دے گی۔

۲۴۔ ذکرِ الٰہی

تاجروں کو ایک ہدایت یہ فرمائی گئی ہے کہ وہ کاروباری مصروفیات میں غرق ہو کر اپنے خالق اور رازق کو نہ بھلا بیٹھیں، بل کہ کاروباری مصروفیات اپنی جگہ لیکن عبادت اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی بجا آوری میں کوئی کوتاہی نہیں ہونی چاہئے، بل کہ خدا سے رشتہ

۱۴۱۔ مسند احمد: ج ۵، ص ۱۲۰

Marfat.com

قائم رہنا چاہئے، قرآنِ حکیم میں نیک لوگوں کا ذکر فرماتے ہوئے ارشادِ باری ہے۔

رِجَالٌ لا لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِاللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ○ (۱۴۲)

ایسے لوگ جنہیں تجارت اور خرید وفروخت اللہ کے ذکر اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے نہیں روکتی۔

یعنی یہ وہ لوگ ہیں جنہیں دنیا اور دنیا کا سامان اور اس سے وابستہ مفادات اپنے رب کے ذکر سے روک نہیں سکتے، انہیں اس امر کا یقینِ کامل ہے کہ آخرت اور اس کی نعمتیں ہی اصلی وابدی حقیقت ہیں، جن کے سامنے دنیا اور متاعِ دنیا کی کوئی حیثیت نہیں، کیوں کہ دنیا کا سب ساز وسامان اور اسبابِ آرائش وزینت فانی ہیں، ختم ہونے والے ہیں، جب کہ سامانِ آخرت ہمیشہ ہمیشہ رہنے والا ہے۔ (۱۴۳)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بعض تاجروں کو اپنے کام میں مصروف دیکھا، لیکن جیسے ہی اذان ہوئی، انہوں نے خرید وفروخت فوراً بند کر دی اور نماز کے لئے مسجد کی طرف جانے لگے، انہیں دیکھ کر ابن مسعودؓ نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا: کہ اس آیت میں اسی طرح کے نیک فطرت لوگوں کا ذکر ہے۔ (۱۴۴)

اس قسم کے واقعات ابن عمر رضی اللہ عنہما اور دوسرے حضرات سے بھی مروی ہیں۔ (۱۴۵)

اسماء بنت یزید بن سکن سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزِ قیامت جب اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو جمع کرے گا تو ایک پکارنے والا پکارے گا اور اس کی پکار تمام لوگ سنیں گے، وہ کہے گا کہ آج سب کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب

۱۴۲۔ النور: ۳۷

۱۴۳۔ تفسیر ابن کثیر: ج ۳، ص ۲۹۵

۱۴۴۔ ایضاً

۱۴۵۔ دیکھئے: قاضی ثناء اللہ عثمانی۔ تفسیر مظہری: ج ۶، ص ۵۴۱

☆ ابن کثیر: ج ۳، ص ۲۹۵

Marfat.com

سے زیادہ معزز کون ہے؟ پھر وہ کہے گا کہ وہ لوگ کھڑے ہو جائیں، جنہیں تجارت اور کاروبار اللہ کے ذکر سے نہ روکتے تھے، سو وہ لوگ کھڑے ہو جائیں گے، اگرچہ وہ تھوڑے ہوں گے، ان کے بعد پھر ساری مخلوق کا حساب کتاب شروع ہوگا۔(۱۴۶)

۲۵۔تجارت میں آسانی کرنا

نرمی اور آسانی بھی پسندیدہ صفات میں سے ہے اور عام زندگی میں بھی ہمیں یہی حکم ہے کہ نرمی کی جائے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللّٰہ رفیق ویحب الرفق (۱۴۷)

اللہ نرمی کرنے والا ہے اور نرمی کو پسند فرماتا ہے۔

اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بشروا ولا تنفروا ویسروا ولا تعسرو (۱۴۸)

لوگوں کو خوش خبری دو اور انہیں متنفر مت کرو اور ان کے لئے آسانیاں پیدا کرو، ان کے لئے مشکلات پیدا نہ کرو۔

اسی طرح تجارتی معاملات اور کاروباری لین دین میں بھی آسانیاں پیدا کرنے اور لوگوں کی مشکلات دور کرنے کی تلقین کی گئی ہے، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللّٰہ یحب سمح البیع، سمح الشراء، سمح القضاء (۱۴۹)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ خریدنے میں، بیچنے میں اور فیصلہ کرنے میں آسانی کرنے کو

۱۴۶۔تفسیر ابن کثیر: ج ۳، ص ۲۹۶

۱۴۷۔مسلم: ج ۴، ص ۱۸۳، رقم ۲۵۹۳

☆ابوداؤد: ج ۴، ص ۳۷۳، رقم ۴۸۰۷

۱۴۸۔مسلم: ج ۳، ص ۱۵۹، رقم ۱۷۳۲

۱۴۹۔ترمذی: ج ۳، ص ۵۸، رقم ۱۳۲۳

☆المستدرک: ج ۲، ص ۶۴، رقم ۲۳۳۸

Marfat.com

پسند کرتے ہیں۔

خلاصۂ کلام

یہ تھا اسلام کے پیش کردہ ان رہ نما اصولوں کا خلاصہ جو اس نے تجارت اور صحت مند کاروباری ماحول کے فروغ کے لئے تعلیم فرمائے ہیں۔

اسلام آزاد تجارت و معیشت کا حامی اور داعی ہے، نہ وہ بلاوجہ تاجروں اور خریداروں پر پابندیاں عائد کرتا ہے اور نہ حکومتوں کو اس کی اجازت دیتا ہے، البتہ دولت کا ارتکاز اور معاشی بدحالی پھیلانے والے دیگر امور سے سختی سے منع کرتا ہے اور ان کی بیخ کنی کے لئے قوانین بھی پیش کرتا ہے اور ہدایات بھی دیتا ہے، حضرت مولانا سید زوار حسین شاہؒ فرماتے ہیں:

> اسلام نے ایک فطری اقتصادی و معاشی نظام دنیا کو دیا ہے، یہ معاشی نظام فطری تقاضوں کے عین مطابق ہے، انسانی برادری کے تمام طبقات کی ضرورتوں کا کفیل اور ان کی مادی ضروریات اور دنیاوی حالات کا ضامن ہے۔(۱۵۰)

مزید فرماتے ہیں:

> اسلامی معاشی نظام ہر طبقے کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے، اسبابِ معاش کی تقسیم کی بنا پر کسی کو دوسرے پر فضیلت نہیں دیتا، بل کہ بزرگی کا معیار دیانت اور تقویٰ کو قرار دیتا ہے، ایک دوسرے کا اکرام لازم کرتا ہے، اسلامی معاشی نظام میں تجارت کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے، کیوں کہ تجارت سے مال بڑھتا ہے اور ہر طبقے میں تقسیم ہو جاتا ہے، اس کے برعکس سود سے مال سمٹ کر چند سرمایہ داروں کے قبضے میں چلا جاتا ہے، اسلامی نظام میں ہر طبقے کے لوگوں کو کام کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور ہر شخص کو اس کی جائز کمائی کا حق دار قرار دیا ہے، اس سے مسابقت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور ملک

۱۵۰۔ مقالات زواریہ: ص ۲۴۶

Marfat.com

کی پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے۔(۱۵۱)

اسلام کے ان رہ نما اصولوں کی اثر آفرینی اور تاثیرِ نفاذ آج بھی شباب پر ہے، رسول برحق ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام اور تعلیمات کا اعجاز آج بھی انسانیت کو تحریکِ عمل دے رہا ہے، اس کی برکتیں آج بھی لامحدود اور اس کا دامن آج بھی وسیع ہے، اور سچ تو یہ ہے کہ آج کی کم زور و مضمحل، بل کہ دم توڑتی اور خود ساختہ نظام ہائے معیشت کے تحت سسکتی انسانیت کو اگر پناہ مل سکتی ہے تو فقط رحمۃ للعالمین کے دامنِ رحمت اور سایۂ عاطفت میں۔ فقط ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم شک وارتیاب کی دلیل سے اپنے آپ کو نکال کر اور علم وعمل میں روز بہ روز بڑھتے ہوئے بعد سے چھٹکارا حاصل کر کے صدقِ دل، سوزِ یقین اور ایمان کامل کے ساتھ احکاماتِ خداوندی اور تعلیماتِ نبوی علی صاحبہا الف الف تحیۃ پر عمل پیرا ہوں، اور ادخلوا فی السلم کافۃ کی عملی تصویر بن جائیں۔

تاجروں کے حقوق وفرائض کی بحث کو ختم کرنے سے قبل خلاصہ کلام کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک روایت بیان کرتے ہیں، جس میں آپ ﷺ نے بہترین تاجر کی خصوصیات جمع فرمائی ہیں۔

بہترین تاجر

اصبہانیؒ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اطیب الکسب کسب التجار الذین اذا احدثوالم یکذبوا واذا وعدوا لم یخلفوا واذا اء تمنوا لم یخنوا واذا اشتروا لم یدموا واذاباعوالم یمدحوا واذا کان علیھم لم یمطلوا واذا کان لھم لم یعیروا (۱۵۲)

بلاشبہ پاکیزہ ترین کمائی ان تاجروں کی ہے، جو بات کرتے وقت جھوٹ نہیں

۱۵۱۔ مقالات زوار یہ: ص ۲۴۷

۱۵۲۔ تفسیر مظہری: ج ۳، ص ۲۴۳

Marfat.com

بولتے، وعدہ کرتے ہیں تو اس کے خلاف نہیں کرتے، جب ان کے پاس امانت رکھی جاتی ہے تو خیانت نہیں کرتے، سامان خریدتے وقت اسے خراب نہیں کرتے، اور (اپنا سامان) بیچتے وقت اس کی (بے جا) تعریف نہیں کرتے، ان کے ذمے کسی کا حق ہوتو ادائیگی میں ٹال مٹول سے کام نہیں لیتے، اور اگر ان کا کسی پر قرض ہوتو اسے تنگ نہیں کرتے۔

اس جامع ترین حدیث پر یہ مضمون ختم کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ (آمین)

Marfat.com

مزدوروں کے حقوق و فرائض ۔ تعلیماتِ ہادیٔ اعظم ﷺ کی روشنی میں

شش ماہی السیرہ، عالمی شمارہ: ۱، جون ۱۹۹۹ء

کتابی صورت میں: زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی ۲۰۰۴ء: ۴۸ص

Marfat.com

مزدوروں کے حقوق و فرائض

تعلیماتِ ہادیٔ اعظم ﷺ کی روشنی میں

حق کیا ہے؟

لفظِ حق آج کل کے مشہور ترین الفاظ میں سے ایک ہے اور اس کے بہت سے معانی اور مفاہیم مستعمل ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس کے معنی کا تعین کیا جائے، مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

خَلَقَ لَكُمْ مَّافِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (۱)

اللہ نے تمہارے (کام کے) لئے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں۔

اس لئے انسان کو دنیا کی ہر اس چیز سے، جس سے اس کے نفع کا تعلق ہے، ایک گونہ لگاؤ ہے، اس لگاؤ کا تقاضا ہے کہ اس کی ترقی و حفاظت کی کوشش کی جائے، اس شے سے وہ نفع اٹھایا جائے، جس کے لئے خدا نے اس کو پیدا کیا ہے اور ان موقعوں پر اس کو صرف کیا جائے، جن میں خدا نے اس کے صرف کرنے کا حکم دیا ہے، اور اس کو ہر اس پہلو سے بچایا جائے، جس سے اس کی نفع رسانی کو نقصان پہنچے، اسی ذمے داری کا نام حق ہے، جس کو از خود ادا کرنا ضروری ہے۔ (۲)

۱۔ البقرہ: ۲۸

۲۔ سید سلیمان ندوی۔ سیرت النبی: ج ٦، ص ۱۰۷

Marfat.com

اس تشریح سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام کی نظر میں وہ انسانی ذمے داریاں جو ازروئے اسلام مسلمان پر خود بہ خود عائد ہوتی ہیں، ان کا نام حقوق ہے۔

فرض کی تعریف

فرض کے معنی لازم کرنے اور واجب کرنے کے آتے ہیں، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

سُوْرَۃٌ اَنْزَلْنٰھَا وَفَرَضْنٰھَا (۳)

اس کے معنی ہیں الزمناکم العمل بما فرض فیھا یعنی جو کچھ اس میں ہم نے فرائض بیان کیے ہیں، ان پر عمل پیرا ہونا تمہارے لئے ہم نے لازم قرار دے دیا ہے۔

اور فرائض اللہ تعالیٰ کی ان حدود کو کہا جاتا ہے، جن کا اللہ نے امر فرمایا ہے یا ان سے منع کیا ہے، اور ابن عرفہ کے بہ قول فرض کے معنی توقیت (مؤقت کرنے) کے ہیں، اور ہر وہ واجب امر جو کسی وقت کے ساتھ مخصوص ہوا، سے مفروض کہا جاتا ہے۔ (۴)

علامہ راغب اصفہانی کے بہ قول فرض کے معنی ایجاب (واجب کرنے) کے ہیں، لیکن اس قدر فرق ہے کہ ایجاب کا تعلق کسی امر کے وقوع اور اثبات سے ہے اور فرض کا تعلق قطعیتِ حکم سے، جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْآنَ (۵)

اس کے معنی ہیں ہم نے قرآن پر عمل کرنا تم پر واجب کر دیا۔ (۶)

فرض کے معنی سنت کے بھی آتے ہیں، مثلاً کہا جاتا ہے فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی آپ ﷺ نے کسی عمل کو مسنون قرار دیا۔ (۷)

۳۔ النور: ۱

۴۔ لسان العرب: ج ۷، ص ۲۰۲

۵۔ القصص: ۸۵

۶۔ المفردات: ص ۳۷۶

۷۔ لسان العرب: محولہ بالا

Marfat.com

اسلامی حقوق کی وسعت

شاید کوئی باشعور شخص اس امر کا انکار نہ کر سکے کہ جو ہمہ جہتی، جامعیت اور وسعت اسلام کی تعلیمات میں نظر آتی ہے، دنیا کا کوئی نظام اور مذہب و مسلک اس کے پاسنگ بھی پیش نہیں کر سکتا۔ اسلام جس معاملے میں بھی اپنا نظام پیش کرتا ہے، اس کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر اپنی رائے دیتا ہے، اگر اس میں والدین کے حقوق پر زور دیا گیا ہے تو اولاد کے حقوق بھی اس کے ساتھ ہی بیان کر دیئے گئے ہیں، اگر شوہر کے حقوق کا بیان ہوا ہے تو بیوی کے حقوق بھی شانہ بہ شانہ موجود ہیں، اگر تاجر و آجر کا ذکر ہے تو مزدور اور اجیر کے حقوق بھی مساوی طور پر مذکور ہیں اور اگر حاکم اور امیر کے حقوق و فرائض کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے تو رعایا کے حقوق و فرائض بھی پہلو بہ پہلو ذکر کر دیئے گئے ہیں، حتی کہ حیوانات اور جمادات تک کے حقوق کو اس طرح تفصیلاً بیان کر دیا گیا ہے کہ شبہ کی گنجائش تک باقی نہیں رہی، غرض کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا گیا، کہیں بھی کمی کا احساس نہیں پایا جاتا اور کسی معاملے میں بھی ادھورے پن اور ناتمامی کا شائبہ تک نہیں ہے، اس اہتمام کے بعد ہی یہ اعلان فرمایا گیا ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً (۸)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔

اسلام اپنی تعلیمات کی اس ہمہ جہتی، وسعت، عالم گیریت، موزونیت و جامعیت کے ساتھ ہی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ دنیا میں نافذ اور رائج ہونے کے لئے درحقیقت وہی تنہا لائق اور حق دار ہے۔ اسلام کے اس دعوے کے ثبوت کے لیے اس کی معاشی تعلیمات کا مطالعہ نہایت ضروری ہے، کہ اس کے بغیر یہ دعویٰ مانا تو جا سکتا ہے، لیکن اسے کسی عقلیت پسند سے منوایا نہیں جا سکتا۔

۸۔ المائدۃ:۳

Marfat.com

معاش کی حقیقت

مادی معاشیات میں معاش انسان کا بنیادی مسئلہ ہے اور معاشی ترقی اس کا مقصودِ زندگی ہے، جب کہ اسلامی معاشی نقطۂ نظر سے معاشی ترقی ضروری تو ہے، مگر انسان کا مقصودِ اصلی نہیں، انسان کی اصل منزل تو فلاحِ آخرت اور اخروی کام یابی ہے، جو خشیتِ الٰہی اور عبادتِ خداوندی سے ہی حاصل ہوسکتی ہے، مادی معاشیات اور اسلامی معاشیات میں یہی بنیادی فرق ہے، سورۂ قصص میں اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد ہے:

وَابْتَغِ فِيمَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَاتَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَاتَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ O (۹)

اور جو کچھ اللہ نے تجھے (مال) دیا ہے اس کے ذریعے آخرت کے گھر کو طلب کر اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھول اور تو بھی اسی طرح بھلائی کر جیسے اللہ نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے اور ملک میں خرابی ڈالنے کی کوشش نہ کر، اللہ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

کسب حلال کا حکم

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مدنی الطبع بنایا ہے، اس کی فطری ساخت ایسی ہے کہ وہ اپنی زندگی میں قدم قدم پر دوسروں کے تعاون کا محتاج اور معاملات و لین دین کے روابط کا طلب گار ہے، ہر ایک کی بہت سی اغراض وضروریات دوسروں سے وابستہ ہیں۔ انسان کی دنیاوی زندگی کا یہ بھی لازمی حصہ ہے کہ وہ اپنے معاشی معاملات چلانے کے لئے کوئی بھی ذریعۂ معاش ضرور تلاش کرے۔ جس کے ذریعے وہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اپنی گزر بسر کر سکے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

رب الارباب اور مسبب الاسباب نے آخرت کو دارِ جزا اور سزا اور دنیا کو

۹۔ القصص: ۷۷

Marfat.com

محنت اور کسب کا مقام قرار دیا ہے اور دنیا میں مستعد ہو کر محنت کرنے سے مراد صرف یہ نہیں کہ فقط آخرت کا خیال ہو اور معاش کی فکر بالکل نہ ہو، بل کہ معاش تو معاد تک پہنچنے کا ایک ذریعہ اور مددگار ہے، کیوں کہ دنیا، آخرت کی کھیتی ہے۔ (۱۰)

اللہ تعالیٰ نے انسان کی روزی کے اسباب دنیا میں مہیا فرما دیئے ہیں اور دن کو روزی کمانے کے لئے بنایا ہے، ارشاد باری ہے:

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ (۱۱)

اور تمہارے لئے ہم نے اس (زمین) میں روزی کے اسباب پیدا کئے۔ اور دوسرے مقام پر فرمایا:

وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ○ (۱۲)

اور ہم نے دن کو (حصول) معاش کے لئے بنایا۔

اسلام اس انسانی ضرورت میں بھی مکمل رہ نمائی کرتا ہے اور اسے بتاتا ہے کہ کون سی راہ اس کی دنیا و آخرت کے لئے بہترین ہے، اسلام نے اس سلسلے میں حلال و حرام کے قوانین مرتب کئے ہیں اور ان کی روشنی میں انسان کو کسبِ حلال کی تلقین کی ہے، اس نے ایسے اصول و ضوابط مقرر کئے ہیں، جو نظامِ معیشت کو فساد سے بچاتے اور انسان کی انفرادی معاشی زندگی کو خوش گوار بنا کر اجتماعی نظام کو بھی فلاح و کامرانی کی راہ پر گامزن کرتے ہیں، اسی لئے اسلام کی نظر میں کسب حلال دیگر اسلامی فرائض کی طرح ایک فریضہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

طلب الحلال فريضة بعد الفريضة (۱۳)

حلال روزی کا طلب کرنا (دوسرے) فرائض کے بعد ایک فریضہ ہے۔

۱۰۔ احیاء علوم الدین: ج ۲، ص ۶۲:

۱۱۔ الاعراف: ۱۰

۱۲۔ النباء: ۱۱

۱۳۔ طبرانی۔ المعجم الکبیر: ج ۱۰، ص ۷۴

Marfat.com

قرآنِ کریم نے متعدد مواقع پر کسب حلال کی اہمیت کو واضح کیا ہے اور حلال روزی کمانے کی ترغیب دی ہے، ایک مقام پر ارشاد ہے:

يٰاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (۱۴)

اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھایا کرو اور نیک عمل کیا کرو۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَارَزَقْنٰكُمْ (۱۵)

اے ایمان والو! تم ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کسب حلال کی اہمیت کو متعدد مواقع پر بیان کیا ہے، ایک روایت میں کسب حلال کو ہر مسلمان پر واجب قرار دیا، آپ ا نے فرمایا:

طلب الحلال واجب علی کل مسلم (۱۶)

حلال رزق طلب کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔

اور دوسری روایت میں فرمایا:

ان اللّٰہ کتب علیکم السعی فسعوا (۱۷)

اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی و کوشش فرض کر دی ہے، سو تم کوشش کرو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں آپ ﷺ نے محنت کی کمائی کو سب سے عمدہ قرار دیا، فرمایا:

ان اطیب ما اکل الرجل من کسبه وان ولده من کسبه (۱۸)

بلا شبہ سب سے عمدہ کھانا وہ ہے جو انسان اپنی کمائی سے کھائے اور اس کی اولاد بھی اس کی محنت ہے۔

یعنی وہ اپنی اولاد کی کمائی بھی استعمال کر سکتا ہے، کیوں کہ درحقیقت وہ بھی اس کی

۱۴۔ المؤمنون: ۵۱

۱۵۔ البقرہ: ۱۷۲

۱۶۔ الترغیب والترہیب: ج ۳، ص ۲۰۶

۱۷۔ مسند احمد: ج ۶، ص ۴۲۲

۱۸۔ ابن حبان: ج ۱۰، ص ۷۴، رقم ۴۲۶۱

Marfat.com

کمائی ہے۔

ایک روایت میں حلال کمائی کی فضیلت ان الفاظ میں بیان فرمائی:

من اکل الحلال اربعین یوماً نور اللّٰہ قلبہ واجری ینابیع الحکمة من قلبہ علی لسانہ (۱۹)

جو شخص چالیس روز تک حلال روزی کھائے، اللہ اس کے دل کو روشن کرتا ہے اور اس کے دل سے حکمت کے چشمے اس کی زبان پر جاری کر دیتا ہے۔

ایک روایت میں حلال روزی کمانے کی فکر کو گناہوں کا کفارہ قرار دیا، ارشاد ہے:

ان من الذنوب ذنوبا لایکفرھا الصلاة ولا الصیام ولا الحج ولا العمرة، قالوا فما یکفر ھا؟ یا رسول اللّٰہ! قال الھموم فی طلب المعیشة(۲۰)

بعض گناہ ایسے ہیں، جن کا کفارہ نہ تو نماز بن سکتی ہے، نہ روزہ، نہ حج اور نہ عمرہ، صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ پھر اس کا کفارہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: روزی حاصل کرنے کی فکر۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشہور قول ہے، انہوں نے فرمایا:

لا یقعد احدکم عن طلب الرزق ویقول اللّٰھم ارزقنی، فقد علمتم ان السماء لاتمطر ذھبا ولا فضة (۲۱)

تم میں سے کوئی بھی رزق کی تلاش میں (پست ہمت ہو کر) نہ بیٹھ جائے اور یہ کہنے لگے کہ اے اللہ مجھے رزق دے، کیوں کہ تم جانتے ہو کہ آسمان تم پر سونا چاندی نہیں برسائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کی تشریح میں سید مرتضیٰ زبیدی فرماتے ہیں کہ ہر

۱۹۔ احیاء علوم الدین: ج ۲، ۹۰

۲۰۔ احیاء علوم الدین: ج ۲، ص ۶۳

☆ المعجم الاوسط: ج ۱، ص ۳۸، رقم ۱۰۲

۲۱۔ احیاء علوم الدین: ج ۲، ص ۶۴

Marfat.com

انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ جائز اسباب معیشت میں سے کسی سبب اور وسیلے کو ضرور اختیار کرے کہ جس سے وہ رزق حاصل کر سکے۔ (۲۲)

ان تمام آیات اور روایات کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام کی نظر میں کسب حلال نہایت ضروری ہے اور فرائض میں شامل ہے۔

کسب میں میانہ روی

لیکن اسلام کسب حلال کی اہمیت بیان کرنے اور اس کی ترغیب دینے کے ساتھ ساتھ اپنے مزاج کے عین مطابق اس معاملے میں بھی میانہ روی کا حکم دیتا ہے، تا کہ انسان دنیا میں اپنے بھیجے جانے کے حقیقی مقاصد فراموش نہ کر سکے۔

چناں چہ میانہ روی کی تلقین کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اجملوا فی طلب الدنیا فان کلا میسر له ما کتب له منها (۲۳)

دنیا کی طلب میں اعتدال سے کام لو، اس لئے کہ جتنا رزق انسان کے لئے لکھ دیا گیا ہے، وہ اسے ضرور ملے گا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اکرم ؐ نے فرمایا:

ایها الناس اتقوا اللّٰه واجملوا فی الطلب، فان نفساً لن تموت حتی تستو فی رزقها، وان ابطأ عنها، فاتقوا اللّٰه واجملوا فی الطلب، خذوا ما حل و دعوا ما حرم (۲۴)

اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور روزی کی تلاش میں اختصار کرو، (زیادہ تردد نہ کرو) کیوں کہ کوئی نفس بھی اپنے حصے کا رزق پورا کئے بغیر نہیں مرے گا، اگرچہ اس کی فکر نہ بھی کرے، پس اللہ سے ڈرتے رہو اور اچھے طریقے سے روزی حاصل کرو، اور جو کچھ حلال ہے، وہ لے لو اور حرام کو چھوڑ دو۔

۲۲۔ اسلام کا اقتصادی نظام: ص ۶۳

۲۳۔ بیہقی: ج ۸، ص ۸۹

۲۴۔ ابن ماجہ: ج ۳، ص ۷، رقم ۲۱۴۴

Marfat.com

حرام کمائی سے اجتناب کی تلقین

اسلام جہاں ایک جانب کسب حلال کی تاکید کرتا ہے اور مختلف طریقوں سے اس کی ترغیب دیتا ہے، وہیں وہ کسب حرام سے بچنے کی تلقین بھی کرتا ہے، کیوں کہ اس کی نظر میں جیسے حلال روزی کمانا ہر مسلمان پر فرض ہے، اسی طرح حرام سے بچنا بھی ضروری ہے، کیوں کہ یہ طے شدہ امر ہے کہ اگر انسان کسی برائی میں دانستہ یا نادانستہ تھوڑا بہت داخل ہوتا ہے تو پھر خیر کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹنے لگتا ہے اور وہ شر کی دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے اور پھر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے، جب خیر کی طرف واپس لوٹ آنا اس کے لئے ممکن نہیں رہتا، اس حقیقت کو ایک حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے، نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان الحلال بین وان الحرام بین، وبینهما مشتبهات لا یعلمهن کثیر من الناس، فمن اتقیٰ الشبهات استبرأ لدینه وعرضه، ومن وقع فی الشبهات وقع فی الحرام، کالراعی یرعی حول الحمی یوشك ان یرتع فیه، الا وان لکل ملك حمی، الا ان حمی اللّٰه محارمه (۲۵)

حلال بھی ظاہر ہے، حرام بھی ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ امور ہیں، جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے، سو جو کوئی مشتبہ چیزوں سے بچا، اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچالیا اور جو ان مشتبہ چیزوں میں پڑ گیا تو وہ (بالآخر) حرام میں جا پڑے گا، اس چرواہے کی طرح جو (سرکاری) چراگاہ کے قریب چراتا ہے، قریب ہے کہ اس کے جانور اس چراگاہ میں چرنے لگیں (جو کہ جرم ہے) خبردار ہر بادشاہ کی ایک (مخصوص) چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ کی چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کمائی سے اجتناب کی تلقین واضح الفاظ میں اور متعدد مقامات پر کی ہے، جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

۲۵۔ مسلم: ج ۳، ص ۵۷، رقم ۱۵۹۹

Marfat.com

یا کعب بن عجرة انه لن لا یدخل الجنة لحم نبت من سحت (۲۶)

اے کعب بن عجرۃ! بلا شبہ حرام کمائی سے پلنے والا گوشت جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔

اور دوسری روایت میں عام انسانی کیفیت کا ذکر کرتے ہوئے دعاؤں کی عدم قبولیت کا سبب حرام آمدنی کو بتایا، فرمایا:

یا ایها الناس ان الله طیب لا یقبل الا طیبا، وان اللّٰه امر المومنین بما امر المرسلین وقال یا ایها الرسل کلوا من الطیبات و اعملوا صالحاً، وقال تعالیٰ یا ایها الذین امنوا کلوا من طیبات مارزقنکم، ثم ذکر الرجل یطیل السفر یمد یدیه الی السماء یارب یارب اشعث اغبر ومطعمه حرام و مشربه حرام و ملبسه حرام و غذی بالحرام فانی یستجاب لذلك (۲۷)

اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ طیب ہے، پاکیزہ چیزوں کو ہی قبول کرتا ہے اور اللہ نے مومنوں کو بھی وہی حکم دیا ہے، جو اس نے رسولوں کو دیا ہے، جیسا کہ وہ فرماتا ہے کہ اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھایا کرو اور نیک اعمال کیا کرو، اور فرمایا اے ایمان والو! تم ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ذکر کیا جو طویل سفر کرتا ہے، وہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرتا ہے اور کہتا ہے: اے میرے رب، اے میرے رب، اس کے بال پراگندہ اور غبار آلودہ ہیں، حال آں کہ اس کا کھانا حرام ہے اور اس کا پینا حرام ہے، اس کا لباس حرام ہے، اس کی غذا حرام ہے سو ایسے شخص کی دعا کیسے قبول ہو؟

ایک موقع پر حرام کمائی سے صدقہ و خیرات کرنے والوں کی بابت فرمایا:

۲۶۔ دارمی: ج ۲، ص ۴۰۹، رقم ۲۷۷۶

۲۷۔ مشکوۃ: کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال

☆ ابن الجعد، (م ۲۳۴ھ)۔ المسند: ص ۲۹۶، رقم ۲۰۰۹

Marfat.com

من اکتسب مالا من ماثم فوصل به رحمه او تصدق به او انفقه فی سبیل اللّٰه جمع ذلک کله جمیعا فقذف به فی جهنم (۲۸)

جس شخص نے برائی کے ذریعے مال کمایا، پھر اس کے ذریعے صلہ رحمی کی یا اس سے صدقہ کیا یا اسے اللہ کے راستے میں خرچ کیا تو یہ سارا مال جمع کر کے اس کے ساتھ جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔

کسب معاش کے قرآنی اصول

قرآن کریم نے کسب معاش کے اصول بھی بیان کئے ہیں، اور متعدد آیات میں اس امر کی تلقین کی گئی ہے کہ کسب کس چیز کا اور کس طور پر کیا جانا چاہئے، چند آیات پیش کی جاتی ہیں۔

سورۂ بقرہ میں ارشاد ربانی ہے:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ○ (۲۹)

اے لوگو! زمین کی چیزوں میں سے حلال و پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

سورۂ اعراف میں فرمایا:

وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (۳۰)

اور (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) حلال رکھتے ہیں ان کے لئے پاکیزہ چیزیں اور حرام کرتے ہیں گندی چیزیں۔

اور سورۂ مائدہ میں ہے:

وَکُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا (۳۱)

۲۸۔ الترغیب والترہیب: ج ۲، ص ۲۰۹

۲۹۔ البقرہ: ۱۶۸

۳۰۔ الاعراف: ۱۵۷

۳۱۔ المائدہ: ۱۶۸

Marfat.com

اور اللہ نے تمہیں جو حلال و پاکیزہ چیزیں عطا کی ہیں، ان میں سے کھاؤ۔

ان تمام آیات سے دو اصول واضح ہوتے ہیں، ایک تو یہ کہ جو کچھ کسب کر کے حاصل کیا جائے، وہ حلال ہو، اور دوسرے یہ کہ جن طریقوں سے حاصل کیا جائے، وہ طیب ہوں۔ چناں چہ لفظِ طیب کی تشریح میں امام نسفی فرماتے ہیں کہ طیب وہ چیز ہے جو ہر قسم کے شبہ سے پاک ہو۔ (۳۲)

علامہ رشید رضا اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ طیب سے مراد وہ اشیا ہیں، جن کے ساتھ غیر کا حق متعلق نہ ہو، اس لئے کہ قرآن نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے، ان کی حرمت ذاتی ہے اور ان چیزوں کا استعمال کسی حالت میں بھی کسی کے لئے جائز نہیں سوائے مضطر کے، اور ان کے سوا جن اشیا کی حرمت ذاتی نہیں، بل کہ خارجی اسباب کی بنا پر ان میں حرمت آتی ہے، ان کی ممانعت طیب کے لفظ سے کردی گئی۔ (یعنی طیب کہہ کر ان اشیا کو بھی خارج کر دیا گیا) سو جو چیز ناحق لی گئی اور درست طریقے سے حاصل نہ کی گئی، بل کہ سود، رشوت، جوا، ظلم، غصب، دھوکا، خیانت اور چوری جیسے ناجائز ذرائع سے حاصل کی گئی، وہ بھی حرام ہے، کیوں کہ وہ طیب نہیں ہے۔ (گو کہ فی نفسہ وہ چیز جائز ہے) پس ہر خبیث شئے ناجائز ہے، خواہ اس کی برائی خارجی اسباب کی بنا پر ہو یا ذاتی ہو۔ (۳۳)

محنت و مزدوری کے فضائل

محنت و مزدوری کا سلسلہ ظاہر ہے کہ زمانہ قدیم ہی سے قائم ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر انبیا کے بارے میں بھی اس عمل کی روایات منقول ہیں۔

ا۔ حضرت آدم علیہ السلام

حضرت آدم علیہ السلام جیسے پوری انسانیت کے بانی ہیں، ان ہی سے نسلِ انسانی کا آغاز ہوا ہے، اسی طرح وہ محنت و مزدوری کے بھی بانی ہیں، کھیتی باڑی کا آغاز بھی ان ہی سے

۳۲۔ تفسیر نسفی: ج ۱، ص ۸۷

۳۳۔ تفسیر المنار: ج ۲، ص ۸۷

Marfat.com

ہوا ہے، صنعت و حرفت بھی ان ہی سے شروع ہوئی ہے، ابو بکر بن ابو موسیٰ اشعریؒ کہتے ہیں:

ان اللّٰه لما اخرج آدم من الجنة زوده من ثمار الجنة وعلمه صنعة كل شئى، فثمار كم هذه من ثمار الجنة غير ان هذه تغير وتلك لا تغير (۳۴)

اللہ تعالیٰ نے جب آدم (علیہ السلام) کو جنت سے نکالا تو انہیں زادِ راہ کے طور پر جنت کے پھل دیئے اور انہیں ہر طرح کی صنعت (وحرفت) کی تعلیم دی، سو تمہارے یہ پھل جنت کے پھلوں میں سے ہیں، بس فرق اس قدر ہے کہ یہ متغیر ہو جاتے ہیں اور انہیں تغیر (اور زوال) نہیں ہے۔

اور ابن جریرؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آدم علیہ اسلام نے زمین پر پہنچ کر سب سے پہلے جو کھانا کھایا، وہ یہ تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام گندم کے سات دانے لے کر آئے، جنہیں دیکھ کر حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ وہی درخت ہے، جس سے آپ علیہ السلام کو منع کیا گیا تھا اور آپ علیہ السلام نے اسے کھالیا تھا، آدم علیہ السلام نے پوچھا کہ پھر میں ان کا کیا کروں؟ جبرئیلؑ نے کہا کہ انہیں زمین میں بو دیں، چناں چہ گندم کے وہ دانے بو دیئے گئے اور ان میں سے ہر دانا بڑھتے بڑھتے لاکھوں کی تعداد تک جا پہنچا، جب وہ اگ گئے تو حضرت آدم علیہ السلام نے اس (کھیتی) کو کاٹا، صاف کیا، پھر اس کا آٹا پیسا، پھر آٹا گوندھا، پھر روٹی پکائی، اس طرح اس قدر محنت، مشقت اور تکلیف کے بعد کھانا کھایا، اسی لئے قرآن کریم میں فرمایا:

فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى (۳۵)

پس کہیں وہ (شیطان) تمہیں جنت سے نہ نکلوا دے کہ تم پھر مشقت میں پڑ جاؤ۔

اسی طرح آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے لباس اس طرح پہنا کہ پہلے بھیڑ کی کھال سے اون علیحدہ کیا، پھر اسے کاتا اور اس سے سوت یا دھاگا تیار کیا، اس کے بعد اس

۳۴۔ المستدرک: ج ۲، ص ۵۹۲، بیروت

۳۵۔ طہٰ: ۱۱۷

Marfat.com

سے جبہ، چادر اور کمبل وغیرہ بنائے۔ (۳۶)

۲۔ حضرت ادریس علیہ السلام

حضرت ادریس علیہ السلام پہلے شخص ہیں، جنہیں حضرت آدم و شیث علیہما السلام کے بعد نبوت ملی۔ (۳۷) وہ حضرت آدم کے پوتے اور حضرت نوح علیہ السلام کے جدِ امجد تھے، وہ درزی کا کام کرتے تھے، سب سے پہلے انہوں نے ہی کپڑا سیا ہے، اور سلا ہوا کپڑا انہوں نے ہی سب سے پہلے پہنا ہے، ان سے قبل لوگ حیوانات کی کھالیں پہنا کرتے تھے، کتابت اور قلم، حساب، ترازو، پیمانہ اور ہتھیار کے موجد بھی یہی ہیں۔ (۳۸)

۳۔ حضرت نوح علیہ السلام

سب سے پہلے پیغمبر جنہیں خود اللہ تعالیٰ نے دست کاری سکھائی اور جنہیں اپنی نگرانی میں کشتی تیار کرنے کا حکم دیا، وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں، چناں چہ قرآنِ حکیم میں ارشاد خداوندی اس طرح منقول ہے:

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَ وَحْيِنَا (۳۹)

اور (اے نوح علیہ السلام) ایک کشتی تیار کرو ہمارے سامنے اور ہمارے حکم کے مطابق۔

۴۔ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ہم راہ اللہ کے حکم سے خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھائیں، اور تعمیراتی کام میں بہ نفسِ نفیس حصہ لیا، سورۂ بقرہ میں

۳۶۔ ابن کثیر۔ قصص الانبیاء۔ دار المعرفہ، ۱۹۹۸ء: ص ۴۸

۳۷۔ الطبقات: ج ۱، ص ۱۶

۳۸۔ محمد ادریس کاندھلوی۔ معارف القرآن: مکتبہ عثمانیہ، ۱۹۸۲ء: ج ۴، ص ۵۰۵

۳۹۔ ہود: ۳۷

Marfat.com

ارشاد ہے:

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ط رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ O (۴۰)

اور (وہ وقت یاد رکھنے کے لائق ہے) (جب ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام) بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے (اور دعا کر رہے تھے) اے ہمارے رب (ہماری محنت) ہم سے قبول فرما، بے شک تو سننے والا، جاننے والا ہے۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام سے کہا کہ اے اسماعیل تمہارے رب نے مجھے بیت اللہ کی تعمیر کا حکم دیا ہے، اسماعیل علیہ السلام نے کہا کہ آپ کے رب نے آپ کو جو حکم دیا ہے، اس کی آپ اطاعت کیجئے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ تم اس کام میں میری مدد کرو، چناں چہ دونوں نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ تعمیر کرتے تھے اور اسماعیل علیہ السلام انہیں پتھر پکڑاتے تھے اور دونوں یہ دعا کر رہے تھے:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (۴۱)

اے ہمارے رب! ہماری طرف سے قبول فرما، بلاشبہ تو سننے والا، جاننے والا ہے۔

۵۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآنِ کریم میں مذکور ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں گھریلو کام کے لئے اجرت پر ملازم رکھا، سورۂ قصص میں آتا ہے!

قَالَتْ اِحْدٰھُمَا یٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ز اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ O قَالَ اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ ھٰتَیْنِ عَلٰٓی اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ج فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ (۴۲)

۴۰۔ البقرہ: ۱۲۷

۴۱۔ حاکم۔ المستدرک: ج ۲، ص ۶۰۱

۴۲۔ القصص: ۲۶۔ ۲۷

Marfat.com

جب حضرت شعیب علیہ السلام کے حکم پر ان کی صاحب زادیاں حضرت موسیٰ کو ان کے پاس لے آئیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہم دردی و شرم و حیا، ان کے سامنے آگئی تو) ان کی ایک صاحب زادی نے ان (شعیب علیہ السلام) سے کہا کہ اے ابا ان کو ملازم رکھ لیجئے کہ بے شک اچھا ملازم وہی ہے جو طاقت ور اور امین ہو، شعیب علیہ السلام نے کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تم سے کردوں، اس شرط پر کہ تم میرے پاس آٹھ سال ملازمت کرو اور اگر دس سال کرلو تو یہ تمہاری طرف سے ہوگا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر آگے بھی ایک عنوان کے تحت آرہا ہے، جہاں مذکور ہے کہ وہ بھی دیگر انبیا کرام علیہ السلام کی طرح بکریاں چراتے تھے۔ (۴۳)

۶۔ حضرت داؤد علیہ السلام

حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں سے زرہیں تیار کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ انعام فرمایا تھا کہ ان کے لئے لوہا نرم کردیا تھا، سورۂ انبیا میں ارشاد ہے:

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ (۴۴)

اور ہم نے انِ کو (داؤد علیہ السلام کو ایک طرح کا) لباس (زرہ) بنانا سکھا دیا، تاکہ تمہیں تمہاری لڑائی میں بچائے۔

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ○ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحاً (۴۵)

اور ہم نے ان (داؤد علیہ السلام) کے لئے لوہے کو نرم کردیا تھا کہ کشادہ زرہیں

۴۳۔ احمد۔ المسند: ج ۳، ص ۵۲۵

۴۴۔ الانبیاء: ۸۰

۴۵۔ سبا: ۱۰، ۱۱

Marfat.com

بناؤ، اور (اس کی) کڑیاں مناسب انداز سے جوڑو، اور نیک عمل کرو۔

قتادہؒ کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ہی سب سے پہلے زرہیں لباس کی شکل میں بنائیں (جنہیں باقاعدہ پہنا جاسکتا تھا)۔ اس سے قبل زرہیں تختوں کی شکل میں ہوتی تھیں (جن میں کڑیاں اور حلقے نہیں ہوتے تھے)، اور ابن شوذب کہتے ہیں کہ حضرت داؤد دن بھر میں اتنی زرہیں بنا لیتے تھے، جن کی فروخت سے یومیہ چھ ہزار درہم کی آمدنی ہو جاتی تھی۔ (۴۶) اور حدیث میں آتا ہے کہ آدمی کی بہترین کمائی وہ ہے جو انسان اپنے ہاتھ سے کماتا ہے اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام بھی اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔ (۴۷)

۷۔ حضرت زکریا علیہ السلام

اسی طرح حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی تھے اور وہ بھی اپنے ہاتھ سے محنت کیا کرتے تھے، چناں چہ مسلم کی روایت ہے:

عن ابی هريرة رضی اللّٰہ عنه ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال كان زكريا نجاراً (۴۸)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زکریا علیہ السلام بڑھئی تھے۔

۸۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بکریاں چرانے کا فریضہ انجام دیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ارشاد ہے کہ تمام انبیا نے بکریاں چرائی ہیں اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت داؤد علیہما السلام نے بھی بکریاں چرائی ہیں، بخاری شریف

۴۶۔ ابن کثیر۔ قصص الانبیا: ص ۵۱۷

۴۷۔ محولہ بالا

۴۸۔ حاکم۔ المستدرک: ج ۲، ص ۱۴۵

☆ احمد۔ المسند: ج ۲، ص ۵۷۴

Marfat.com

کی روایت ہے:

عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال مابعث اللّٰہ نبیاً الارعی الغنم فقال اصحابہ وانت؟ فقال نعم کنت ارعاھا علی قراریط لا ھل مکۃ (۴۹)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا، جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں، صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ ﷺ نے بھی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں، میں بھی اہل مکہ کی بکریاں چند قراط کی اجرت پر چرایا کرتا تھا۔

نیز ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور نصر بن حزن سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں:

افتخر اھل الابل و اھل الغنم فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بعث موسیٰ وھو راعی غنم و بعث داود و ھوراعی غنم و بعثت و انا ارعی غنم اھل باجیاد (۵۰)

ایک بار اونٹوں اور بکریوں والے آپس میں فخر کرنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ (علیہ السلام) نبی بنا کر بھیجے گئے، وہ بھی بکریاں چرانے والے تھے اور داؤد (علیہ السلام) بھی نبی بنا کر مبعوث کیے گئے، وہ بھی بکریاں چراتے تھے، اور میں نبی بنا کر بھیجا گیا اور میں بھی اپنے گھر والوں کی بکریاں مقام اجیاد میں چرایا کرتا تھا۔

اس کے علاوہ آپ ﷺ تمام گھریلو کام کر لیتے تھے، مثلاً دودھ دوہنا، کپڑوں سے جوں تلاش کرنا، کپڑوں میں پیوند لگانا وغیرہ۔ (۵۱) اسی طرح اپنے مکان وغیرہ کی مرمت بھی آپ ﷺ خود فرمالیا کرتے تھے۔ (۵۲)

۴۹۔ بخاری: ج ۲، ص ۵۶۲۲، رقم ۲۲۶۲

۵۰۔ احمد۔ المسند: ج ۳، ص ۵۲۵

۵۱۔ ابن ہشام: ج ۳، ص ۲۶۰

۵۲۔ سید فضل الرحمٰن۔ ہادیٔ اعظم ﷺ، ص ۳۳۳

Marfat.com

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم

محنت مزدوری کرنے اور اپنے ہاتھ سے کمانے کی ان ہی فضیلتوں کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رزقِ حلال کے حصول کے لئے ہر قسم کی محنت و مشقت کرتے تھے اور مختلف پیشوں اور ذرائع سے روزی حاصل کرتے تھے، مثلاً:

۱۔ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ لوہار تھے۔
۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بکریاں چراتے تھے۔
۳۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تیر ساز تھے۔
۴۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ درزی تھے۔
۵۔ حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ گھریلو نوکر تھے۔
۶۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ حجام تھے۔
۷۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قصائی تھے۔
۸۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مزدوری وغیرہ کرتے تھے۔
۹۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ (۵۳)

صحابیات رضی اللہ عنہن

صحابۂ کرامؓ کے علاوہ صحابیات بھی محنت و مزدوری کیا کرتی تھیں، اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن بھی اس عمل میں شریک تھیں، اور وہ گھروں میں اون کاتتی تھیں، کھالوں کی دباغت کرتی تھیں۔ (۵۴) چناں چہ ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے متعلق آتا ہے کہ وہ (زینبؓ بنت جحش رضی اللہ عنہا) ہنر مند خاتون تھیں، کھالوں کی دباغت اور چمڑے کی مصنوعات تیار کرتی تھیں اور اپنے کمائی اللہ کے راستے میں صدقہ کر دیا کرتی تھیں۔ (۵۵)

۵۳۔ سید محمد سلیم۔ اسلام کا نظام تعلیم: ادارۂ تعلیمی تحقیق، لاہور ۱۹۹۳ء: ص ۵۴

۵۴۔ اسلام کا نظام تعلیم: ص ۴۵

۵۵۔ حاکم۔ المستدرک: ج ۴، ص ۲۷

Marfat.com

محنت و مزدوری کی ترغیب

احادیث میں کسبِ حلال کا حکم اور محنت و مزدوری کی تلقین متعدد مقامات پر اور بہت وضاحت کے ساتھ کی گئی ہے، یہاں چند احادیث بیان کی جاتی ہیں، جن میں یہ مضمون صراحت سے بیان ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ان اللّٰہ یحب المومن المحترف (۵۶)

اللہ ہنر مند مومن کو پسند کرتا ہے۔

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

ان اللّٰہ یحب العبد یتخذ المھنة لیستغنی بھا عن الناس ویبغض العبد یتعلم العلم یتخذہ مھنة (۵۷)

اللہ اس بندے کو پسند کرتا ہے جو محنت کا کام اس لئے کرے تاکہ اس کے ذریعے لوگوں سے مستغنی ہو جائے اور اس بندے کو ناپسند کرتا ہے جو علم اس لئے سیکھے کہ اسے پیشہ بنالے۔

مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما اکل احد طعاماً خیرا من ان یاکل من عمل یدہ (۵۸)

کوئی شخص اس طعام سے اچھا نہیں کھا سکتا جو کہ وہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتا ہے۔

ایک روایت میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا صلیتم الفجر فلاتناموا عن طلب ارزاقکم (۵۹)

جب تم فجر کی نماز پڑھ لو تو اپنی روزی کی جدوجہد کئے بغیر سونے (آرام

۵۶۔ طبرانی۔ المعجم الاوسط: ج ۸، ص ۳۸۰، رقم ۸۹۳۴

۵۷۔ امام غزالی۔ احیاء علوم الدین: ج ۲، ص ۶۳

۵۸۔ الترغیب والترہیب: ج ۲، ص ۱۱۲

۵۹۔ اسلام کا اقتصادی نظام: ص ۶۳

Marfat.com

کرنے) کا نام نہ لو۔

اور ابو بردہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ وہ کون سی روزی ہے، جو اللہ کو پسند ہے اور بالکل خالص ہے، آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

وہ روزی جو مزدور نے اپنے ہاتھوں سے کمائی ہو۔ (۶۰)

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا تو اس سے پوچھا کہ تم کیا کام کرتے ہو؟ اس نے کہا میں (فقط) عبادت کرتا ہوں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ تیری کفالت کون کرتا ہے؟ اس نے کہا: میرا بھائی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ پھر تو تیرا بھائی تجھ سے زیادہ عبادت گزار ہے۔ (۶۱)

ایک طویل روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک انصاری صحابی کا واقعہ مروی ہے، جس میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زبانی ترغیب دینے کے ساتھ ساتھ عملی طور پر اسے محنت مزدوری پر لگا دیا، چناں چہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے کچھ سوال کیا (مانگا) آپ نے پوچھا کہ تیرے گھر میں کچھ ہے؟ اس نے کہا: کیوں نہیں، ایک کمبل ہے جس کا کچھ حصہ ہم اوڑھتے ہیں اور کچھ حصہ بچھاتے ہیں اور ایک پیالہ ہے، جس سے پانی پیتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دونوں چیزیں لے آؤ، راوی کہتے ہیں کہ وہ دونوں چیزیں لے آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں کون خریدے گا؟ ایک شخص نے کہا کہ میں ایک درہم میں یہ دونوں چیزیں لیتا ہوں، حضور ﷺ نے دو یا تین مرتبہ فرمایا کہ ایک درہم سے زیادہ کون دیتا ہے؟ ایک شخص نے کہا: میں دو درہم میں لیتا ہوں، آپ ﷺ نے دونوں چیزیں اس شخص کو دے دیں اور دو درہم لے لئے اور اس انصاری کو دے کر فرمایا کہ ایک درہم سے تو کھانے کی چیزیں لے لو اور اپنے گھر والوں کو دے دو اور ایک درہم کی کلہاڑی لے کر آؤ، وہ انصاری کلہاڑی لے کر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے اس میں دستہ لگایا اور پھر اس کو کہا کہ جاؤ اور لکڑیاں

۶۰۔ حاکم۔ المستدرک: ج ۲، ص ۱۲

۶۱۔ امام غزالیؒ۔ احیاء علوم الدین: ج ۲، ص ۶۴

Marfat.com

کاٹ کر لاؤ اور بیچو اور پندرہ روز تک میں تمہیں یہاں نہ دیکھوں، چناں چہ وہ شخص چلا گیا اور لکڑیاں کاٹ کر لاتا تھا اور بیچتا تھا، پھر (ایک روز) وہ آیا، اس کے پاس دس درہم تھے، اس نے کچھ کا کپڑا خریدا اور کچھ کا غلہ، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تیرے لئے اس سے بہتر ہے کہ تیرے مانگنے کی وجہ سے روز قیامت تیرے چہرے پر ایک داغ ہو، (یاد رکھو) دستِ سوال دراز کرنا صرف تین طرح کے افراد کے لئے جائز ہے، ایک وہ انتہائی تنگ دست شخص جو خاک میں لوٹتا ہو، دوسرے وہ شخص جو انتہائی گھبرا دینے والا قرض سر پر رکھتا ہو، تیسرے وہ شخص جس سے قتل ہو گیا ہو اور وہ دیت ادا نہ کر سکتا ہو۔ (۶۲)

اسی نوعیت کا ایک واقعہ حضرت عمرؓ کا بھی نقل کیا جاتا ہے کہ آپؓ نے مسجد میں ایک شخص کو دیکھا جو یہ کہہ رہا تھا کہ جہاد کی تیاری میں میری کون مدد کر سکتا ہے؟ حضرت عمرؓ نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑا اور مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اپنی زمینوں پر کام کروانے کے لئے اس شخص کو میری طرف سے کون نوکر رکھتا ہے؟ ایک صاحب نے عرض کیا کہ مجھے ضرورت ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی تنخواہ طے کرنے کے بعد اس شخص کے حوالے کر دیا، انہوں نے اس کو اپنے باغ میں کام پر لگا دیا، کچھ روز بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کا حال دریافت کیا، جنہوں نے اسے ملازم رکھا تھا، انہوں نے بتایا کہ وہ اچھی حالت میں ہے اور کچھ سرمایہ بھی اس نے جمع کر لیا ہے، حضرت عمرؓ نے کہا کہ اسے اس کے کمائے ہوئے مال کے ہم راہ میرے پاس بھیج دو، جب وہ اپنے کمائے ہوئے مال کی تھیلی کے ہم راہ آیا تو آپؓ نے اس کی تھیلی کی جانب اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ لے لو اور اب دل چاہے تو جہاد کرو اور اگر چاہو تو گھر بیٹھ رہو۔ (۶۳) اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو کسب حلال کی راہ پر عملی طور پر گام زن کر کے لوگوں کو یہ تعلیم بھی دی کہ محتاج افراد کی اس طرح مدد کرنی چاہیے کہ اس کی احتیاج اور ضرورت ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے اور وہ مانگنے کی بہ جائے دینے والے بن جائیں اور الید العلیا خیر من الید السفلی (تفصیلی روایت آگے آ رہی ہے) کی عملی تفسیر سامنے آ جائے۔

۶۲۔ ابو داؤد: ج ۳، ص ۴۰، رقم ۱۶۴۰

۶۳۔ مناظر احسن گیلانی۔ اسلامی معاشیات: ص ۱۷

Marfat.com

محنت و اجرت

اردو میں تو لفظِ اجارہ ٹھیکے وغیرہ کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن فقہا کی اصطلاح میں نوکری، مزدوری، ہنرمندی، کرایہ داری وغیرہ سب کے لئے اجارے کے لفظ کا استعمال ہوتا ہے۔(۶۴)

مزدوروں کے حقوق کے سلسلے میں معیار اجرت کی ممکنہ صورتیں یہ ہیں، جن میں سے کسی ایک کو بنیاد بنا کر اجرتوں کا تعین کیا جانا ضروری ہے۔ درحقیقت مزدوروں کے حقوق کے سلسلے میں اس معیار کا تعین ہی سب سے اہم مسئلہ ہے، صورتیں کچھ یوں بنتی ہیں:

۱۔ ضرورت کے لحاظ سے اجرت۔

۲۔ مہارت و مشقت کے اعتبار سے اجرت

۳۔ کارکردگی کی بنیاد پر اجرت۔(۶۵)

اگر ان میں سے کسی ایک صورت کو بھی کلی طور پر معیار اجرت قرار دے کر دیگر صورتوں اور ان کی ضرورتوں سے صرفِ نظر کر لیا جائے تو بے شمار مفاسد جنم لے سکتے ہیں، جیسا کہ ان ممالک کے حالات کے جائزے سے معلوم ہوتا ہے، جہاں ان میں سے کوئی ایک معیار مقرر کر کے اس کی بنیاد پر مزدوروں کو اجرتوں کے فیصلے کئے گئے۔(۶۶)

اسلام کا فلسفۂ اجرت

قرآنِ کریم میں ارشادِ باری ہے:

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى (۶۷)

اور یہ کہ ہر انسان کو وہی کچھ ملتا ہے، جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔

۶۴۔ ایضاً: ص ۳۶۲

۶۵۔ مجیب اللہ ندوی۔ اسلامی قانون محنت و اجرت: مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری۔ ص ۱۱۵

۶۶۔ ایضاً: ص ۱۱۵۔۱۱۷

۶۷۔ النجم: ۳۹

Marfat.com

اس کا تعلق جس طرح اخروی معاملات اور نتائج سے ہے، اسی طرح یہ قانون دنیاوی کاروبار کے بارے میں بھی ہے، جیسے اخروی زندگی میں ہر شخص اس کے اجر کے پانے کا حق دار ہوگا، جو اس نے کمایا ہے، اسی طرح معاشی زندگی میں بھی ہر ایک کا حصہ اس کی محنت و مشقت، تگ و دو اور کاوش کی مناسبت پر ہی مبنی ہے، وہ جتنی محنت و جاں فشانی کرے گا، اسی قدر اپنا حصہ پائے گا۔ (۶۸) اسی طرح دوسرے مقام پر فرمایا:

هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ○ (۶۹)

تمہیں (ہر انسان کو) اس کے اپنے ہی عمل کا بدلہ ملے گا۔

یہ قانون بھی انسان کے دینوی و اخروی دونوں قسم کے اعمال پر حاوی ہے۔ (۷۰)

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں ارشاد ہے:

اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِيْنُ○ (۷۱)

بلا شبہ اچھا ملازم (مزدور) وہی ہے جو قوی، اور امین ہو۔

یہاں محنت و مزدوری کی اہلیت کی اساسی شرط کو دو لفظوں ''قوی'' اور ''امین'' کے ذریعے ظاہر کیا گیا ہے، جس کا مفہوم یہ ہوگا کہ ہر اس کاروبار کے لئے جس کے انجام دینے میں دماغ سے زیادہ ہاتھ پاؤں وغیرہ کی حرکت اور محنت و مشقت کی ضرورت ہوتی ہے، ان میں صحیح، مناسب اور دونوں فریقوں کے لئے قابلِ قبول نتائج کی امید اسی وقت قائم کی جا سکتی ہے، جب کام کرنے والے جسمانی قوت کے لحاظ سے ''قوی'' ہوں اور اپنے اوپر عائد فرض اور ذمے داری کی بہ جا آوری میں خیانت و بددیانتی سے کام نہ لیں، بل کہ وہ ''امین'' ہوں۔ (۷۲)

۶۸۔ مناظر احسن گیلانی۔ اسلامی معاشیات: ص ۲

۶۹۔ النمل: ۹۰

۷۰۔ مولانا شمس الحق افغانی۔ سرمایہ داری، سوشلزم اور اسلام: ادارۂ اشاعت علوم اسلامیہ، بہاولپور ۱۹۶۹ء: ص ۱۹۲

۷۱۔ القصص: ۲۶

۷۲۔ مناظر احسن گیلانی۔ اسلامی معاشیات: ص ۲

Marfat.com

اور آجر کے سلسلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کے قصے میں آگے چل کر قرآنِ کریم کہتا ہے:

وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ؕ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ (۷۳)

اور میں تم پر سختی نہیں کرنا چاہتا، ان شاء اللہ تم مجھے نیکوکار (خوش معاملہ) پاؤ گے۔

اس آیت نے واضح کر دیا کہ ایک مسلمان آجر جس کی اصل منزل مقصود صالح ہونا ہے، اس وقت تک صالح نہیں ہو سکتا، جب تک وہ اپنے اجیر (مزدور) کو غیر ضروری مشقت سے بچانے کا داعیہ اور خواہش نہ رکھتا ہو۔ (۷۴)

اسلامی نظامِ معیشت کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے آجر و سرمائے کی تفریق ختم کر دی ہے، اس کی نظر میں یہ دونوں ایک ہیں، اس نے تقسیم دولت کی تین مدیں مقرر کی ہیں:

۱۔ منافع

۲۔ اجرت۔

۳۔ کرایہ

جب کہ عام طور پر رائج چوتھی قسم سود کو ناجائز قرار دے دیا گیا ہے، اسلام کے اس فلسفے اور عام سرمایہ دارانہ نظام میں بنیادی فرق یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام میں آجر کو اس خصوصیت کی بنیاد پر غیر محدود منافع کا حق دار قرار دیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ وہ نفع و نقصان کا خطرہ برداشت کرتا ہے، جب کہ سرمائے کو متعین سود اور محنت کو متعین اجرت مل جاتی ہے، لہٰذا کسی کا نقصان نہیں ہوتا، جب کہ آپ ﷺ کی تعلیمات اور اسلامی احکامات یہ کہتے ہیں کہ نقصان کا خطرہ مول لینے کی صفت سرمائے کی ہونی چاہئے، چناں چہ سرمایہ دار کو ہی یہ خطرہ برداشت کرنا ہوگا اور اس لحاظ سے وہ آجر بھی ہوگا اور سرمایہ دار بھی۔ (۷۵)

اسی اساسی فرق کے اعتبار سے سرمایہ دارانہ نظام کے اس بنیادی فساد کی تطہیر ہو جاتی

۷۳۔ القصص: ۲۷

۷۴۔ مفتی محمد شفیع۔ اسلام کا نظام تقسیم دولت۔ دار الاشاعت، ۱۹۷۳ء: ص ۳۸، کراچی

۷۵۔ ایضاً: ص ۲۵، ۲۶

Marfat.com

ہے، جس کے سبب سرمایہ دار امیر سے امیر اور مزدور غریب سے غریب ہوتا چلا جاتا ہے۔

اجرت اور اشتراکیت

اجرتوں کے سلسلے میں اشتراکیت کا معاملہ عجیب تر ہے، وہ جس قدر مزدوروں کی خیر خواہی کا دعویٰ کرتی ہے، اسی قدر مزدوروں کے ساتھ اس کا رویہ نامناسب ہے، اس کی نظر میں مزدور کی حیثیت جانوروں سے زیادہ قابلِ رحم نظر آتی ہے، اسے صرف دولت کمانے سے غرض ہے، اس کا طریقۂ کار یہ ہے کہ وہ ظاہراً مزدوروں کی اجرت دیگر ملکوں سے قدرے زیادہ مقرر کرتی ہے، لیکن مزدور جب اس اجرت سے اشیائے ضرورت خریدتے ہیں، جن پر مکمل طور پر حکومت قابض ہے تو وہ گراں قیمت پر انہیں دی جاتی ہیں، حال آں کہ وہ اشیا انہیں کی تیار کردہ ہوتی ہیں، اس طرح حکومت وہ رقم جو اس نے مزدوروں کو اجرت کے طور پر دی تھی، کئی گنا زیادہ کر کے اس سے لے لیتی ہے۔ (۷۶) اور بہ قول علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ:

> اشتراکی، انسان سے جانور کی طرح کام لے کر گھاس چارہ کھلاتا ہے۔ (۷۷)

اجرت کے اشتراکی تصور پر عمل پیرا ہونے کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسانی معاشرے میں موجود بہت سی انفرادی اجارہ داریاں ختم ہو کر ایک بڑی اور واحد اجارہ داری قائم ہو جاتی ہے۔ اشتراکی تصور معاش کے ذریعے انفرادی سرمایہ داری کا تو خاتمہ ہو جاتا ہے، مگر مزدور ایک بڑے سرمایہ دار (حکومت) کے شکنجے میں جکڑ دیئے جاتے ہیں، اور بہ قول ایک قلم کار:

> اس کا فائدہ اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ مزدوروں کے رزق کی کنجی بہت سے ارباب سے نکل کر ایک رب الارباب (نعوذ باللہ من ذلک) کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے، جس کا ملک میں نہ تو کوئی ہم سر ہوتا ہے اور نہ مقابل، نہ اس کے مقرر کردہ معیار اجرت میں چوں و چرا کی گنجائش ہے اور نہ اس کی کہیں

۷۶۔ مولانا شمس الحق افغانی۔ سرمایہ داری سوشلزم اور اسلام: ص ۳۶

۷۷۔ ایضاً: ص ۳۶

Marfat.com

اپیل کی جا سکتی ہے۔(۷۸)

اجرت و سرمایہ داری

جب کہ سرمایہ دارانہ نظام بھی مزدوروں کے سلسلے میں بے اعتدالیوں اور من مانیوں سے مستثنیٰ نہیں، اس کا طریقۂ کار یہ ہے کہ وہ مزدور کو جو کہ نادار ہے، مفلس ہے، فاقہ کش ہے، حاجت مند ہے، کم اجرت پر رضا مند کر لیتا ہے اور وہ صرف اس بنا پر اپنی مزدوری کے ایک روپے کی جگہ چار آنے لینے پر راضی ہو جاتا ہے کہ دوسری صورت میں اسے اتنا ملنے کی بھی امید نہیں، نیز اس کا یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ میرے انکار پر مجھے تو فاقوں کا سامنا کرنا ہی ہے، ممکن ہے کوئی دوسرا شخص، جو مجھ سے بھی زیادہ بد حال ہو، اس کام کو اس قدر کم اجرت پر قبول کر لے، مزدور کی اس مجبوری کو دیکھ کر سرمایہ دار ایک زیادتی اور کرتا ہے، وہ کم اجرت پر زیادہ سے زیادہ کام لیتا ہے، یعنی اگر ۸ گھنٹے کی اجرت سو روپے تھی تو وہ ۲۵ روپے پر ۱۰ گھنٹے کام لیتا ہے، اسی طرح بہت سی صورتوں میں اجرت بھی متعین نہیں کرتا، یا اگر متعین کر دیتا ہے تو بھی اس کی ادائیگی میں بلا جواز تاخیر کرتا ہے اور اگر مزدور کے ہاتھ سے بلا قصد کوئی نقصان ہو جائے تو اسے اس قلیل سی اجرت سے بھی تاوان کی صورت میں ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔(۷۹)

اسلام ان تمام رکاوٹوں اور سرمایہ دارانہ نظام کی خامیوں کی فرداً فرداً بیخ کنی کرتا ہے اور ہادیٔ اعظم ﷺ نے ان تمام امور کے متعلق مفصل ہدایات دی ہیں، جن کا کچھ حصہ آپ ''مزدوروں کے حقوق'' کے عنوان کے تحت آگے ملاحظہ کریں گے۔

مزدوروں کے فرائض

اسلام نے مزدوری اور محنت کی ترغیب دینے اور ہاتھ سے کمانے کے فضائل بیان کرنے کے ساتھ ساتھ مزدوروں کے فرائض کا بھی احاطہ کیا ہے اور پھر اسلامی تعلیمات پر

۷۸۔ مجیب اللہ ندوی۔ اسلامی قانونِ محنت و اجرت: ص ۱۱۳

۷۹۔ مکمل تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ۔ اسلام کا اقتصادی نظام: ص ۳۳۵، ۳۳۷

Marfat.com

عمل پیرا ہونے والے اور اس کے قوانین اور اصول وضوابط کا پاس کرنے والے محنت کشوں کے حقوق کی بھی ضمانت دی ہے، لیکن حقوق سے پہلے ان پر چند فرائض عائد کیے ہیں، ذیل میں ان میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ کسی بھی پیشے کو حقیر نہ سمجھنا

سب سے پہلے محنت کشوں پر لازم ہے کہ محنت و مزدوری کے کسی پیشے کو حقیر نہ سمجھیں، کیوں کہ اگر کوئی شخص کسی پیشے کو حقیر سمجھے گا تو وہ کام بہ امر مجبوری کرے گا اور دل سے خوش نہیں ہوگا، ایسی صورت میں وہ اس کام کا حق ادا نہیں کر سکے گا، اور فی الحقیقت کوئی پیشہ حقیر ہے بھی نہیں، بل کہ محنت مزدوری کر کے حلال روزی کمانا عین عبادت ہے، جیسا کہ کسبِ حلال کے عنوان کے تحت ابتدا میں بیان ہو چکا ہے، اور پھر خود انبیائے کرام علیہم السلام نے بھی متعدد اقسام کے محنت والے کام کیے ہیں، اس کی مختصر تفصیل بھی بیان ہو چکی ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر طرح کی محنت کا کام خود سرانجام دیتے تھے، اور اس میں کسی قسم کی شرم محسوس نہیں کرتے تھے، غزوۂ خندق کے موقع پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے شانہ بہ شانہ خندق کی کھدائی میں حصہ لیا، بل کہ جب کوئی مشکل جگہ آتی، جسے توڑنے سے صحابہ عاجز ہو جاتے تو آپ ﷺ ہی اسے توڑ کر آگے کا راستہ صاف کیا کرتے تھے۔ (۸۰)

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں خود ہی اپنے کپڑوں سے جوں تلاش کرلیا کرتے تھے، آپ ﷺ خود ہی بکری کا دودھ دوھ لیا کرتے تھے اور اپنے کام خود ہی کیا کرتے تھے۔ (۸۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک بار انہوں نے آپ ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ اپنے دستِ مبارک سے اونٹوں پر تیل مل رہے تھے، اسی طرح دو

۸۰۔ تفصیل کے لئے دیکھئے، ابن ہشام: ج ۳، ص ۲۶۰

۸۱۔ ترمذی۔ الشمائل المحمدیہ: رقم ۳۴۰

Marfat.com

اور صحابی بیان کرتے ہیں کہ ایک بار وہ حاضر خدمت ہوئے تو آپ ﷺ اپنے مکان کی مرمت کر رہے تھے۔ (۸۲)

ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس درزی، موچی اور مزدوری کے کام سرانجام دیئے ہیں، تو کسی اور کی کیا حیثیت ہے کہ وہ کسی پیشے کی برائی کرے یا کسی کام کو بہ نظر حقارت دیکھے؟

۲۔ مالک کی خیر خواہی

محنت کشوں کے لئے یہ بھی ضروری ہے اور ان کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ مالک کی پوری خیر خواہی کریں اور ہر معاملے میں دیانت داری سے کام لیتے ہوئے اپنا کام ایمان داری سے پورا کریں، اور ہر معاملے میں مالک کی خیر خواہی کو مدِ نظر رکھیں اور اس کے مفادات کا پورا خیال رکھیں، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خیر الکسب کسب ید العامل اذا نصح (۸۳)

کام کرنے والے کی بہترین کمائی ہاتھ کی کمائی ہے، جب کہ وہ خیر خواہی کرے۔

اس روایت میں اگر چہ محنت کش کی اپنے ہاتھ سے کمائی ہوئی روزی کو بہترین قرار دیا ہے، مگر اس کے ساتھ خیر خواہی کی شرط بھی عائد کر دی گئی ہے، اس خیر خواہی کا دونوں کے ساتھ تعلق ہے، مالک کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ اس کے مفادات کی نگہ بانی کرے اور مزدور کی اپنے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ اپنے فرض کو کامل دیانت داری کے ساتھ ادا کرے۔

جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے، تمیم داریؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

الدین النصیحة، قلنا لمن؟ قال للّٰہ ولکتبه ولرسوله ولائمة المسلمین و عامتھم (۸۴)

۸۲۔ سید فضل الرحمٰن۔ ہادیٔ اعظم ﷺ: ص ۶۳۹

۸۳۔ احمد بن حنبل۔ المسند: ج ۲، ص ۶۳۹

۸۴۔ مسلم: ج ۱، ص ۷۹، رقم ۹۵۔ (۵۵)

Marfat.com

دین تو خیر خواہی کا نام ہے، ہم نے عرض کیا کس کی؟ فرمایا اللہ کی، اس کی کتب کی، اس کے رسول کی، مسلمانوں کے حاکموں کی اور عام مسلمانوں کی۔

۳۔ معاہدے کی پابندی

جو معاہدہ بھی مالک یا جس کا کام کیا جا رہا ہے، اس سے کیا گیا ہے، اس کا پاس رکھنا اور اس پر پوری طرح عمل درآمد کرنا بھی محنت کش پر لازم ہے، اس کی ذمے داری ہے کہ معاہدے پر پوری طرح عمل کرے اور جو وعدہ کیا ہے، اس کی تمام جزئیات کا خیال رکھتے ہوئے اسے پورا کرے۔

قرآن کریم میں عہد پورا کرنے کی بہت تاکید کی گئی ہے، اور قرآن کے مطابق عہد کے متعلق روز قیامت پوچھا جائے گا، سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ۝ (۸۵)

اور عہد پورے کیا کرو، بلا شبہ عہد کی بابت (قیامت کے روز) پوچھا جائے گا۔

ایفائے عہد نبوت کی علامات میں سے ہے، اسی لئے قیصر روم نے اپنے دربار میں ابو سفیانؓ سے جو سوالات کئے تھے، ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ کیا کبھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بدعہدی بھی کی ہے اور جواب میں ابو سفیانؓ نے گواہی دی تھی کہ نہیں۔ (۸۶)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر بھی وعدہ پورا کرنے کی ایسی مثال پیش کی، جس کی نظیر پیش کرنے سے بھی تاریخ قاصر ہے، نبوت سے قبل ایک بار عبد اللہ بن ابی العمساء سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ معاملہ طے کیا، وہ آپ ﷺ کو ٹھہرا کر چلے گئے کہ آ کر حساب کرتا ہوں، اتفاق سے ان کو خیال نہ رہا، تین روز بعد وہ آئے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ تشریف رکھتے تھے اور ان کو دیکھ کر آپ ﷺ نے صرف اس قدر فرمایا کہ میں تین روز سے تمہارے انتظار میں یہیں بیٹھا ہوں۔ (۸۷)

۸۵۔ بنی اسرائیل: ۳۴

۸۶۔ بخاری: ج ۳، ص ۱۶۳، رقم ۴۵۵۳

Marfat.com

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل یقیناً ہم سب کے لئے نمونہ عمل ہے۔

۴۔ امانت داری

کوئی بھی کام کرتے وقت ایمان داری اور امانت داری سے کام لینا نہایت ضروری ہے، محنت کشوں کے لئے بھی اس کی اہمیت مسلم ہے، کیوں کہ آپس کے لین دین اور باہمی معاملات میں یہ اخلاقی جوہر مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔

امانت داری یہ ہے کہ جس کسی کا، جس قدر حق ذمے ہے، وہ مکمل طور پہ ادا کر دیا جائے، اس وصف میں کمی و کجی کا نقصان اس شخص کو خود بھی اٹھانا پڑتا ہے، کیوں کہ امانت کا خیال نہ رکھنے والے شخص کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا اور اس سے معاملات کرتے وقت لوگ ہچکچانے لگتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ رفتہ رفتہ اپنے آپ تک محدود ہو کر رہ جاتا ہے، قرآن حکیم نے اس کی اہمیت متعدد بار بیان کی ہے، سورۂ مومنوں میں نیک کردار مسلمانوں کی یہ خصوصیت بھی بیان ہوئی ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ (۸۸)

وہ (مسلمان) ایسے ہیں جو اپنی امانتوں اور عہدوں کا پاس کرتے ہیں۔

امانت اور دیانت کی اسی اہمیت کے پیش نظر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایمان کا حصہ بتایا اور آپ ﷺ نے اس کی بہت تاکید فرمائی، چناں چہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ماخطبنا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا قال لا ایمان لمن لا امانة له ولا دین لمن لا عهد له (۸۹)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بھی خطبہ ارشاد فرمایا، اس میں یہ بات ضرور فرمائی: جس کے پاس امانت نہیں، اس کا ایمان نہیں اور اس کا دین نہیں، جس

۸۷۔ ابوداؤد: ج ۴، ص ۳۲۷، رقم ۴۹۹۶

۸۸۔ المومنون: ۸

۸۹۔ احمد۔ المسند: ج ۳، ص ۵۹۴

Marfat.com

کا عہد نہیں۔

۵۔ خیانت سے اجتناب

خیانت کا مفہوم بھی اسلام کی نظر میں بہت وسیع ہے، مختصراً یہ کہ کسی بھی عائد ہونے والے حق اور ذمے داری کو مکمل طور پر ادا نہ کرنا، یا اس میں جان بوجھ کر کمی بیشی کرنا خیانت شمار ہوتا ہے، جس طرح دوسرے طبقوں کی مانند محنت کشوں کے لئے امانت اور دیانت کا پاس کرنا ضروری ہے، اسی طرح خیانت سے بچنا بھی لازمی ہے۔

قرآنِ کریم ہر قسم کی خیانت سے بچنے کی تاکید کرتے ہوئے کہتا ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ (۹۰)

اے ایمان والو! اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے خیانت نہ کرو اور نہ آپس کی امانتوں میں جان بوجھ کر بد دیانتی کرو۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیانت کو نفاق کی علامت فرمایا ہے، بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

آیة المنافق ثلاث اذا حدث کذب و اذا وعد اخلف و اذا اؤتمن خان (۹۱)

منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بولے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے اور جب امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

اپنے فرض کو پوری طرح ادا نہ کرنا، کام کو پورا وقت نہ دینا، مالک اور نگران سے نظر بچا کر مصروفیت سے راہ فرار اختیار کر لینا بھی خیانت میں شامل ہیں۔ اس طرح خیانت کی کتنی ہی قسمیں ہمارے مزاج کا حصہ بن چکی ہیں، جن کا ہم شعور تک نہیں رکھتے۔

قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا:

۹۰۔ الانفال: ۲۷

۹۱۔ بخاری: ج ۱، ص ۱۶ رقم ۳۳

Marfat.com

وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَO الَّذِيۡنَ اِذَا اكۡتَالُوۡا عَلَى النَّاسِ يَسۡتَوۡفُوۡنَO وَاِذَا كَالُوۡهُمۡ اَوْ وَّزَنُوۡهُمۡ يُخۡسِرُوۡنَO (۹۲)

دردناک عذاب ہے، ان ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے جو اپنا حق لیتے ہوئے پورا وصول کرتے ہیں اور جب لوگوں کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کمی کر دیتے ہیں۔

فقہائے امت کی تصریحات کے مطابق اس آیت میں مطفف (ناپ تول میں کمی کرنے والے) کے مفہوم میں وہ مزدور بھی داخل ہے، جو طے شدہ اجرت وصول کرنے کے باوجود کام چوری کا مرتکب ہو، اور اس نے اپنے جو اوقات آجر کو بیچے ہیں، انہیں آجر کی مرضی کے خلاف کسی اور کام میں صرف کرے۔ (۹۳)

۶۔ کام پوری ذمے داری سے کرنا

اجیر یا مزدور کی یہ بھی ذمے داری ہے کہ وہ اپنے فرائض کو مکمل ذمے داری سے سر انجام دے، اگر اس کی کوتاہی کی بنا پر پیداوار میں کمی واقع ہوئی تو روزِ قیامت اس بارے میں اس سے باز پرس ہوگی، مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ سورۂ مطففین کی آیات مذکورہ کے ذیل میں فرماتے ہیں:

> ان احکام نے کام چوری کو گناہِ عظیم قرار دے کر اجیر (مزدور) کو بھی یہ جتلا دیا ہے کہ جس آجر کا کام کرنا اس نے قبول کیا ہے، اس کی ذمے داری اٹھالینے کے بعد اب وہ خود اس کا اپنا کام بن گیا ہے اور اس کے ذمے ضروری ہے کہ وہ پوری دیانت داری، مستعدی اور لگن کے ساتھ انجام دے، ورنہ وہ آخرت کی اس بہتری کو حاصل نہ کر سکے گا، جو اس کا اصل منتہائے مقصود ہے۔ (۹۴)

۹۲۔ المطففین: ۱، ۳

۹۳۔ مفتی محمد شفیع۔ اسلام کا نظام تقسیم دولت: ص ۴۱

۹۴۔ ایضاً: ص ۴۱

Marfat.com

اور مشہور صوفی بزرگ حضرت شیخ ابو المکارم علاؤ الدولہ سمنانی رحمہ اللہ زراعت اور کاشت کاری کے حوالے سے فرماتے ہیں:

ہر کس کے زمینے دارد کہ ازاں زمین ہر سال ہزار من غلہ حاصل می تواند کرد اگر بہ تقصیر و اہمال نہ صد من حاصل کند و بسبب او آں صد من از حلق خلق دور افتد بہ قدر آں از وے باز خواست خواہند کرد۔ (۹۵)

کسی کے پاس ایسی زمین ہے جو ہزار من سالانہ غلے کی پیدا وار دے سکتی ہے، لیکن اس کی کاہلی و سستی سے نو سو من (بہ جائے ایک ہزار من کے) پیدا وار ہوتی ہے اور اس کی اس تقصیر کی وجہ سے سو من غلہ مخلوق کے حلق تک نہ پہنچ سکا تو اس سے اس کے بارے میں (روزِ قیامت) باز پرس ہوگی۔

چوں کہ اس باز پرس کا سبب مخلوقِ خدا کا نقصان ہے، اس لئے اس فہرست میں وہ مزدور بھی شامل ہے، جس کی کوتاہی کی بنا پر مطلوبہ اور گنجائش کے مطابق پیداوار نہ ہو سکی بل کہ وہ مزدور زیادہ مجرم ہے، اس لئے کہ اس نے اس طرح خیانت کے جرم کا بھی ارتکاب کیا ہے۔ واللہ اعلم!

مزدوروں کے حقوق اور اشتراکیت

اسلام جہاں مزدوروں پر ان کی ذمے داریوں کے ضمن میں چند فرائض عائد کرتا ہے، وہیں ان کے حقوق کی بھی بھر پور ضمانت فراہم کرتا ہے، اور ہر اس پہلو پر واضح ہدایات جاری کرتا ہے، جس سے مزدوروں کو کسی بھی نوعیت کا نقصان ہو، یا انہیں ضرر پہنچنے کا احتمال ہو، دوسری جانب صورتِ حال یہ ہے کہ مزدوروں کے حقوق کے سب سے بڑے علم بردار ہونے کا دعویٰ کرنے والا اشتراکی نظام مزدوروں کے حقوق کے سلسلے میں عملی طور پر اپنے دامن میں کوئی ایسی مثال نہیں رکھتا، جسے قابلِ تقلید تو کجا، باعثِ اطمینان ہی کہا جا سکے، دوسرے اشتراکی ممالک میں مزدوروں کی حالت اور انہیں ملنے والے حقوق کی بحث سے قطع نظر، ہم مختصراً چین میں مزدوروں کے حالات کا جائزہ لیتے ہیں، چین میں

۹۵۔ عبدالرحمٰن جامی۔ نفحات الانس: نول کشور، لکھنؤ ۱۹۱۵ء: ص ۳۹۵

Marfat.com

حکومت نے سرکاری صنعتوں اور کارخانوں کے مزدوروں کے ضابطہ کار کے حوالے سے پچاس کی دہائی میں جو کتاب شائع کی تھی، اس میں مزدوروں کے حقوق و فرائض متعین کئے گئے ہیں، ذیل میں ان کی چند باتیں پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ مزدوروں کو اجتماعی سودے بازی یا تنظیم کی آزادی کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

۲۔ ایسے مزدوروں سے کام لینا غیر قانونی قرار دیا گیا ہے، جن کے پاس سرکاری رپورٹ نہ ہو اور رپورٹ میں یہ تحریر ہوتا ہے کہ اس نے کہاں ملازمت کی ہے؟ تعلیمی معیار کیا ہے؟ اور پولیس میں اس کا ریکارڈ کیسا ہے؟

۳۔ ہر کام کی اجرت (حکومت کے) طے شدہ معیار کے مطابق ہوگی۔

۴۔ کوئی مزدور افسر اعلیٰ کی منظوری کے بغیر کام نہیں چھوڑ سکتا۔

۵۔ اوقاتِ کار مقرر کرنے کا اختیار صرف فیکٹری کے منتظمین کو حاصل ہے۔

۶۔ ہر مزدور کی فیکٹری میں آتے اور جاتے وقت تلاشی لی جائے گی۔ (۹۶)

یہ ہے اشتراکیت کا مزدور راج، اس کے مقابلے میں آپ نے اسلام کی جانب سے مزدوروں پر عائد ہونے والے فرائض ملاحظہ کئے، انہیں ملنے والی مراعات اور حقوق بھی ملاحظہ کیجئے۔

اسلام میں مزدوروں کے حقوق

اسلامی نظام معیشت مزدوروں کو جن حقوق کی ضمانت دیتا ہے، ان میں سے چند پیش کئے جاتے ہیں:

۱۔ آجر و اجیر میں مساوات

سب جانتے ہیں کہ اسلام طبقاتی اونچ نیچ اور ذات پات کی تفریق کا قائل نہیں ہے، اس کا تو اعلان ہے کہ کسی عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں، وہ مزدوروں اور مالکان میں، آجر و اجیر میں بھی مساوات کا قائل ہے، اس کی نظر میں دونوں بھائی بھائی ہیں،

۹۶۔ تفصیل کے لئے دیکھئے، مجیب اللہ ندوی۔ اسلامی قانونِ محنت و اجرت: ص ۱۰۸، ۱۱۰

Marfat.com

آپ ﷺ نے اسی کی تلقین فرمائی ہے، اور جگہ جگہ اس کی تعلیم دی ہے، ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا:

اخوانکم جعلهم الله تحت ایدیکم، فمن کان اخوه تحت یدیه، فلیطعمه من طعامه ولیکسه مما یلبس، ولا یکلفه مایغلبه، فان کلفه مایغلبه فلیعنه (۹۷)

یہ تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ نے تمہارے ماتحت کیا ہے، سو جس کا بھائی اس کے تحت کام کر رہا ہوا، سے چاہئے کہ اپنے کھانے میں سے اسے بھی کھلائے اور اپنے لباس (کی مانند لباس) میں سے اسے بھی پہنائے اور اسے ایسا کام سپرد نہ کرے جو اسے مغلوب کر ڈالے، اور اگر ایسی ذمے داری اسے سونپے تو چاہئے کہ اس کی مدد کرے۔

دیکھا جائے تو وہ تمام خرابیاں، جن سے مزدور سرمایہ دارانہ نظام میں دو چار ہوتے ہیں، ان سب کی صرف اس مختصر حدیث کے ذریعے بیخ کنی فرمادی گئی ہے۔

اسی روایت سے اور باتوں کے علاوہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آجر کو چاہئے کہ وہ مزدوروں کو اپنا بھائی تصور کرے اور ان سے تعلقات کی نوعیت ایسی ہو جیسی اپنے بھائی کے ساتھ ہوتی ہے، نیز کم از کم کھانے اور پہننے کی حد تک دونوں میں مساوات ضرور نظر آنی چاہئے، یعنی اجرت کم از کم اس حد تک ضروری ہونی چاہئے کہ کھانے پہننے کے معاملے میں مزدور خوش حال نظر آئیں۔

۲۔ مزدوری کی ادائیگی

مزدوروں کے لئے سب سے اہم مسئلہ ان کے معاوضے کی بروقت ادائیگی ہے، اسلام اس کی بھرپور ضمانت دیتا ہے، اور آجر کو اسلام کا حکم ہے کہ مزدور کا پسینہ خشک ہونے

۹۷۔ ابو داؤد: ج ۴، ۳۷۸، رقم ۵۱۵۸

☆ ترمذی: ج ۳، ص ۳۸۰، رقم ۱۹۵۲

☆ احمد۔ المسند: ج ۶، ص ۱۹۸

Marfat.com

سے قبل اس کی اجرت ادا کردی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال النبی صلی الله عليه وسلم اعط الا جيرا جره قبل ان يجف عرقه (۹۸)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کہ مزدور کو اس کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کردو۔

یہی نہیں، بل کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجرت بروقت ادا نہ کرنے والوں کو متنبہ کیا ہے کہ روزِ قیامت خود اللہ تعالیٰ ان متاثرہ مزدوروں کی طرف سے جھگڑا کریں گے، جن کی مزدوری ادا نہیں کی گئی ہوگی۔ حدیث قدسی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قال اللّٰہ تعالیٰ: ثلاثة انا خصمهم يوم القيامة، رجل اعطى بی ثم غدر، ورجل باع حرا فاكل ثمنه، ورجل استاجر اجيرا فاستوفى منه ولم يعطه اجره (۹۹)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تین طرح کے افراد ایسے ہیں، جن سے قیامت کے دن میں جھگڑا کروں گا، ایک وہ شخص ہے، جس نے میرا نام لے کر وعدہ کیا پھر اس کو توڑ ڈالا، دوسرا وہ شخص، جس نے کسی آزاد شخص کو بیچ دیا اور اس کی قیمت کھا گیا اور تیسرا وہ شخص، جس نے اجرت پر کسی شخص کو رکھا اور اس سے پوری مزدوری لی مگر اس کی اجرت پوری نہیں دیتا۔

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

مطل الغنی ظلم (۱۰۰)

مال دار کا حق کی ادائیگی میں تاخیر کرنا ظلم ہے۔

۹۸۔ بیہقی۔ السنن الکبریٰ: ج ۹، ص ۴۲

۹۹۔ بخاری: ج ۲، ص ۵۹، رقم ۲۲۷۰

☆ بیہقی۔ السنن الکبریٰ: محولہ بالا

۱۰۰۔ بخاری: ج ۲، ص ۹۷، رقم ۲۴۰۰

Marfat.com

۳۔ اجرت طے کرنا

اسلام مزدور کو اس کا پورا حق دیتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کسی دباؤ اور جبر کے بغیر اپنے کام کی اجرت طے کرے۔ اور اس کو یہ حق حاصل ہے کہ اگر آجر اس پر اجرت کے سلسلے میں ناروا دباؤ ڈالے یا کم اجرت پر مجبور کرے تو وہ کام چھوڑ دے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آجر کو حکم دیا کہ مزدور سے کام لینے سے قبل اس کی اجرت اسے بتا دی جائے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ومن استاجر اجیرا فلیعلمہ اجرہ (۱۰۱)

جو شخص کسی مزدور کو اجرت پر رکھتا ہے اسے چاہئے کہ اسے اس کی اجرت سے مطلع کر دے۔

اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

ان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن استئجار الاجیر، یعنی حتی یبین لہ اجرہ (۱۰۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدور کو اجرت پر رکھنے سے منع فرمایا ہے، یعنی جب تک اس کی اجرت بیان نہ کر دی جائے۔

ایک اور روایت میں اسی بات کی تاکید ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً اس طرح منقول ہے:

اعطوا الا جیرا جرہ قبل ان یجف عرقہ واعلمہ اجرہ وھو فی عملہ (۱۰۳)

☆ ترمذی: ج ۳، ص ۵۳، رقم ۱۳۱۲

۱۰۱۔ بیہقی۔ السنن الکبریٰ: ج ۹، ص ۳۹

۱۰۲۔ بیہقی: ایضاً

۱۰۳۔ بیہقی: ایضاً ص ۴۱

Marfat.com

مزدور کو اس کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو، اور اسے کام کے دوران ہی اس کی اجرت بتا دو۔

۴۔ اضطراری اجرت کی ممانعت

بعض اوقات انسان اپنی مفلسی، تنگ دستی اور مالی پریشانیوں کے سبب کم اجرت پر بھی زیادہ کام کرنے پر رضا مندی ظاہر کر دیتا ہے، مگر ظاہر ہے کہ اس پر وہ خوش نہیں ہوتا اور نہ اس کے ساتھ یہ انصاف ہے، ایسے موقع پر آجر اس کی بے چارگی سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اسے کم اجرت پر راضی کر لیتا ہے، چوں کہ یہ بھی ایک قسم کا جبر ہے، اس لئے اسلام نے اس کی بھی ممانعت کی ہے، مزدوری کی ادائیگی کے عنوان کے تحت حدیث قدسی بیان ہو چکی ہے کہ جو شخص پوری اجرت نہیں دے گا، اس سے اللہ تعالیٰ خود جھگڑا کریں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> پس اگر مالی نفع ایسے طریقے سے حاصل کیا جائے کہ اس میں عاقدین کے درمیان تعاون اور عملی محنت کو دخل نہ ہو، جیسے جوا، یا زبردستی کی رضا مندی کا دخل ہو، جیسے سود کا لین دین، تو ان صورتوں میں بلا شبہ مفلس اپنے افلاس کی وجہ سے خود پر ایسی ذمے داری عائد کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے، جس کا پورا کرنا اس کی قدرت سے باہر ہوتا ہے اور اس کی وہ رضا مندی حقیقی رضا مندی نہیں ہوتی تو اس قسم کے تمام معاملات رضا مندی کے نہیں کہلا سکتے اور نہ انہیں پاک ذرائع آمدنی کہا جا سکتا ہے، یہ تمام معاملات بالکل باطل ہیں اور حکمت مدن کے اعتبار سے یہ عقود حرام ہیں۔ (۱۰۴)

۵۔ بیگار کی ممانعت

اضطراری اجرت سے بھی بڑھ کر ایک معاملہ بے گار کا ہے، جس میں مزدور کو اپنی محنت کا کچھ بھی اجر نہیں ملتا اور کام بھی زبردستی اور مرضی کے خلاف کرنا پڑتا ہے، اس لئے

۱۰۴۔ شاہ ولی اللہ۔ حجۃ اللہ البالغہ۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور: ج ۲، ابواب ابتغاء الرزق

Marfat.com

اسلام کی نظر میں یہ عمل بھی ناجائز ہے۔

چناں چہ اس حوالے سے حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ کسی سے کام لے کر اس کی واجبی اجرت نہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ کسی آزاد شخص کو خرید کر اس کی قیمت کھا جائے۔ (اور اس کی ممانعت ابھی حدیث قدسی میں بیان ہو چکی) اس لئے کہ جب اس نے بغیر عوض کے اپنی منفعت کو پورا کرلیا تو گویا اس نے اس شخص کی ذات کو فروخت کر کے اسے اپنی روزی بنا لیا، اسی طرح بغیر اجرت کے کام لینا، اس کو غلام سمجھنے کے مترادف ہے۔ (۱۰۵)

۶۔ طاقت سے زیادہ کام نہ لینا

آجروں کو یہ بھی حکم ہے کہ وہ مزدوروں کی صحت کا پورا خیال رکھیں اور ان کی طاقت سے زیادہ کام نہ لیں، اس سلسلے میں ابوذر غفاریؓ کی روایت پہلے بیان ہو چکی ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ مزدوروں پر ایسا بوجھ نہ ڈالو جو انہیں مغلوب کر دے اور اگر ایسا کرو تو ان سے تعاون بھی کرو۔

اور فلسفۂ اجرت کے بیان میں سورۂ قصص کی آیت ۲۷ کے تحت بیان ہو چکا ہے کہ اسلام کی نظر میں فقط وہی آجر صالح کہلانے کا حق دار ٹھہرے گا جو اجیر و مزدور کو غیر ضروری مشقت سے بچانے کا داعیہ بھی رکھتا ہو اور اس کی سعی و کوشش بھی کرے۔

ابن حزم تحریر کرتے ہیں:

وليستعملهما فيما يحسنانه ويطيقانه بلا اضرار بهما (۱۰۶)

کام لینے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ دونوں (مزدور ہوں یا غلام) طرح کے اجیروں سے اس حد تک کام لے کہ وہ اچھی طرح کام انجام دے سکیں اور بہ قدر طاقت کام لیا جائے، ان کی صحت کو نقصان پہنچائے بغیر۔

۱۰۵۔ ابن حجر عسقلانی۔ فتح الباری: ج ۴، ص ۵۲۶

۱۰۶۔ حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔ اسلام کا اقتصادی نظام: ص ۳۳۷

Marfat.com

۷۔ پیداوار میں مزدوروں کا حصہ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آپ ﷺ فرماتے ہیں:

اعطوا العامل من عمله فان عامل اللّٰه لا يخيب (۱۰۷)

مزدور کو اس کے کام میں سے بھی حصہ دو، کیوں کہ اللہ کے عامل (مزدور) کو نامراد نہیں لوٹایا جاسکتا۔

اور ایک روایت میں آپ انے اس سے بھی واضح الفاظ میں فرمایا:

اذا صنع لاحدكم خادمه طعامه، ثم جاء به، قد ولی حره و دخانه، فليقعده معه، فليأكل، فان كان الطعام مشفوها قليلا فليضع فی يده اكلة او اكلتين (۱۰۸)

جب تم میں سے کسی کا خادم اس کا کھانا تیار کرے اور پھر وہ تمہارے پاس لے کر آئے، اس حال میں کہ اس نے تمہارے لئے گرمی اور دھویں کو برداشت کیا تھا تو اسے چاہئے کہ اسے بھی اپنے ساتھ بٹھالے اور اسے بھی کھانا کھلائے، لیکن اگر کھانے پر زیادہ آدمی ہوں تو بھی اسے ایک یا دو لقمے ضرور دے دے۔

اسی مفہوم کی ایک روایت بیہقی میں بھی موجود ہے۔ (۱۰۹)

اس حدیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ مزدور کو اجرت کے علاوہ پیداوار میں سے بھی کچھ حصہ دینا چاہتے ہیں، اگر چہ فقہائے کرام کی اس بارے میں تصریحات نہیں ملتیں، ممکن ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ ان فیکٹریوں میں جہاں کھانے پینے کی چیزیں بنتی ہیں یا روزمرہ کے استعمال کی عام اشیا تیار ہوتی ہیں، وہ ان مزدوروں کو کسی حد تک بلا قیمت صرف لاگت پر یا کم از کم رعایتی نرخوں پر دی جائیں، کیوں کہ یہ اشیا ان ہی کی تیار کردہ

۱۰۷۔ احمد۔ المسند: ج ۳، ص ۲۸

۱۰۸۔ مسلم: ج ۳، ص ۱۰۷، رقم ۱۶۶۳

۱۰۹۔ بیہقی۔ السنن الکبریٰ: ج ۱۱، ص ۵۱۲

Marfat.com

ہیں، اور اگر ایسا نہیں کیا جائے گا، تب یہ خرابی بھی پیدا ہوگی کہ مزدور ان اشیا کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھیں گے، جو نامناسب ہے اور اخلاقی اقدار کے بھی خلاف ہے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم

مولانا مناظر احسن گیلانی نے بھی اسی کی جانب اشارہ کیا ہے۔ (۱۱۰)

۸۔ نقصان کی ذمے داری مزدور پر نہیں

سرمایہ دارانہ نظام کے متعلق ذکر ہو چکا ہے کہ وہ اول تو مزدور کو اجرت ہی کم دیتا ہے اور پھر طرح طرح کے بہانوں سے اس میں بھی کمی کر دیتا ہے، مثلاً وہ ہر قسم کا نقصان بھی اجیر پر ڈالنا چاہتا ہے، اسلام اس کا قائل نہیں، ہادیٔ اعظم ﷺ تو یہ ہدایت فرماتے ہیں:

اعفوا عنه فی کل یوم سبعین مرة (۱۱۱)

مزدور (نوکر) کو ہر روز (کم از کم) ستر بار معاف کیا کرو۔

اس سلسلے میں اسلام کی اس بارے میں واضح ہدایات ہیں، اور فقہائے کرام نے تصریح فرمادی ہے کہ:

> کسی خاص مدت کے لئے جو تنخواہ پر نوکر رکھا جائے، اس پر (چیزوں کا نقصان ہونے پر) تاوان نہیں ہوگا، جب تک اس نے قصداً نقصان نہ کیا ہو۔ (۱۱۲)

اور محلی میں ابن حزم لکھتے ہیں:

> اور اجیر مشترکہ ہو یا خاص یا کاریگر ہو، اس پر مال میں نقصان ہو جانے یا ہلاک ہو جانے سے کوئی تاوان نہیں آتا، تاوقتے کہ اس کا ارادی قصور یا ضائع کر دینا ثابت نہ ہوا ہو، اور ان تمام امور میں جب تک اس کے خلاف گواہ موجود نہ ہوں، اجیر ہی کا قول معتبر ہے قسم کے ساتھ۔ (۱۱۳)

۱۱۰۔ ملاحظہ کیجئے، مناظر احسن گیلانی اسلامی معاشیات: ص ۳۶۵

۱۱۱۔ ترمذی: ج ۳، ص ۳۸۱، رقم ۱۹۵۶

۱۱۲۔ مناظر احسن گیلانی۔ اسلامی معاشیات: ص ۳۶۵

اسلام کا اقتصادی نظام: ص ۳۳۸

Marfat.com

یہ ہے اسلامی نظام معیشت کے تحت مزدوروں کو ملنے والے حقوق اور ان پر عائد ہونے والے فرائض کا خلاصہ۔

خلاصہ کلام

ان صفحات پر پھیلی ہوئی یہ بحث اس امر کی جانب اشارہ کرنے کے لئے کافی ہے کہ اسلام کی جانب سے مزدوروں پر عائد ہونے والے فرائض اور ان کے حقوق، دنیا بھر میں رائج نظام ہائے معیشت کو یہ موقع فراہم کرتے ہیں کہ وہ دنیا میں بسنے والے ہر طبقے کی فلاح اور بہبود کا خیال رکھتے ہوئے ترقی کے مدارج طے کرے، اب یہ ہمارا فرض ہے کہ اسلامی تعلیمات کو سمجھیں اور ہادیٔ اعظم ﷺ کی ہدایات پر غور کریں، ان کی روح تک پہنچیں اور پھر ان پر عمل پیرا ہو کر پوری دنیا کے سامنے بہترین نظام معیشت پیش کریں، تاکہ دنیا بھر کی معیشت جو چاروں طرف سے مایوس ہو کر اندھیروں میں بھٹک رہی ہے اور رہنمائی کی خواہاں ہے اسلام کے سایۂ عاطفت میں پناہ لے سکے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا فرض پہچاننے اور اس کی ادائیگی کی توفیق عطا فرمائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین

Marfat.com

دور جدید میں بین المذاہب یگانگت وہم آہنگی کا تصور

مقالات سیرت، وزارت مذہبی امور، حکومت پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء

Marfat.com

دور جدید میں بین المذاہب یگانگت

و ہم آہنگی کا تصور

تعلیماتِ اسلام اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

عالم اسلام آج بہت سے مسائل سے دو چار ہے۔ بہت سی مشکلات اسے اپنے حصار میں لیے ہوئے ہیں۔ اسے متعدد مصائب کا الگ سامنا ہے۔ صورت حال اس حد تک سنگین ہو چکی ہے کہ امیدیں ٹوٹنے لگی ہیں، اور نا امیدی ڈیرے ڈالتی نظر آ رہی ہے، حال آں کہ یہ تو قدرت کا قانون ہے، اسی لیے اٹل ہے، جس سے مفر ممکن نہیں، عروج کے بعد زوال اور تنزلی کے بعد ترقی ابدی حقیقتیں ہیں۔ ہاں جدوجہد ضروری ہے کہ ہم اسی کے مکلف ہیں۔

دوسری جانب یہ بات بھی بہ جائے خود ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ آج عالم اسلام کو بہترین جغرافیائی محل وقوع حاصل ہے، جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ مشرق و مغرب دونوں کے راستے عالم اسلام سے ہی ہو کر گزرتے ہیں۔ گویا کہا جا سکتا ہے کہ عالم اسلام مشرق و مغرب کے مابین پل بھی بن سکتا ہے اور انہیں ملانے کی فطری و قدرتی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ ضرورت صرف یہ ہے کہ خود عالم اسلام کو اپنی اس اہمیت کا احساس ہو، اور دوسری جانب مغرب بھی عالم اسلام کی اس اہمیت کو سچے جذبے کے ساتھ تسلیم کرے، عالم اسلام

Marfat.com

کی پذیرائی سے مقصد کچھ اور نہ ہو۔ یہی صورت حال آج اسلام اور مغرب کے مابین مکالمے کی ضرورت کو اجاگر کر رہی ہے۔ قرآن حکیم نے اس اہمیت کو سب سے پہلے آج سے کوئی چودہ سو برس قبل محسوس کیا تھا، اور اسی لیے تمام مذہبی قوتوں کو اتحاد کی عالم گیر دعوت دی تھی۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۱)

(اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آ جاؤ، جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا آپس میں ایک دوسرے کو رب نہ بنائے۔

یہ آیت اور قرآن کا پیغام بالکل واضح ہے اور یہ خطاب بہ راہ راست اگرچہ صرف اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کو ہے، مگر اس کے مفہوم میں وہ دیگر تمام مذاہب شامل ہیں، جو ان ہی مذاہب جیسے احکامات رکھتے ہیں۔ (۲) یہود و نصاریٰ دونوں کو خصوصیت کے ساتھ اس بنا پر خطاب فرمایا گیا کہ دونوں ہی توحید کا دعویٰ رکھتے ہیں، سو جب ہم اور تم دونوں ہی اس بنیادی نکتے پر متفق ہیں تو اسی پر قائم رہتے ہوئے آؤ ہم اپنے تعلقات استوار کرتے ہیں، شرط یہی ہے کہ توحید خالص کو مان لو، اور شرک اور اس کی تمام اقسام سے مکمل اجتناب کرلو۔ یہ دعوت اسلام کی پہلی دعوت نہیں، تمام انبیائے ماسبق یہی دعوت توحید خالص ہی دیتے چلے آرہے ہیں، چناں چہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝ (۳)

آپ سے پہلے ہم نے جس رسول کو بھی بھیجا، سب کی طرف ہم نے یہی وحی

۱۔ سورۃ آل عمران: ۶۴

۲۔ ابن کثیر۔ التفسیر: ج ۱، ص ۳۷۱۔ چناں چہ ابن کثیر لکھتے ہیں: ھذا الخطاب یعم اھل الکتاب من الیھود والنصاریٰ ومن جری مجراھم

۳۔ سورۃ الانبیاء: ۲۵

Marfat.com

کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، سو تم میری ہی عبادت کرو۔

اور سورۂ نحل میں فرمایا:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلاً اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (۴)

اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیج کر یہ اعلان کر دیا کہ اللہ کی عبادت کرو اور جھوٹے معبودوں سے بچو۔

اسی بنا پر اسلام ہر اعتبار سے ہم آہنگی اور یگانگت کا داعی ہے، اور پوری انسانیت کو اس نکتۂ واحد پر مجتمع کرنے کا عزم رکھتا ہے، لیکن اگر کوئی اس پر آمادہ نہ ہو تو بھی وہ بلا جواز لڑنے اور فساد برپا کرنے کی تائید نہیں کرتا، بل کہ وہ امن و استحکام کے ساتھ باہمی اعتماد قائم رکھتے ہوئے زندگی بسر کرنے کا مدعی ہے، جس کے لیے وہ معاہدات صلح و امن کی پیش کش کرتا ہے۔ پیغمبر انسانیت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کا اسوۂ حسنہ اس سلسلے میں بھی ہمارے لیے بہترین نمونۂ عمل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح غیر مسلم قوتوں اور دیگر مذاہب کے افراد، قبائل اور حکومتوں سے معاملات کیے، وہ تمام امور اور ان کی تفصیلات آج بھی غیر مسلموں کے ساتھ قومی اور بین الاقوامی سطح پر تعلقات استوار کرنے اور ان تعلقات کی حدود و قیود متعین کرنے میں ہماری مکمل رہ نمائی کرتی ہیں۔

غیر مسلموں سے تعلقات کی نوعیت ہی وہ واحد چیز ہے، جس کی بنیاد پر یہ فیصلہ کرنا ممکن ہوتا ہے کہ باہمی اتحاد و یگانگت کس طرح پروان چڑھ سکتی ہے؟ ان تعلقات کی بہت سی تفصیلات اس مقالے میں ان شاء اللہ بیان ہوں گی، لیکن ان تعلقات کی دو بنیادی شقیں ہیں:

۱۔ غیر مسلموں سے قومی سطح پر تعلقات: جس سے کسی بھی مسلم ریاست میں موجود غیر مسلموں (اقلیتوں) کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات کی تفاصیل تعلق رکھتی ہیں۔

۲۔ غیر مسلموں سے حکومتی سطح پر تعلقات: جس میں اسلام کا قانون بین الممالک اور اسلامی حکومتوں کے غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کے حوالے سے گفت گو ہوتی ہے۔

ہم ان شاء اللہ العزیز ان دونوں پہلوؤں کو اسی ترتیب سے بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔ وبیدہ التوفیق و علیہ التکلان، ولاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ

۴۔ النحل: ۳۶

Marfat.com

اسلام میں بین المذاہب ہم آہنگی اور یگانگت کا تصور

اسلام پوری انسانیت کا مذہب ہے، مسلمان تو انسانیت کے اس حصے کو کہتے ہیں جو اسلام کی دعوت قبول کرلیتا ہے۔ یہ کسی گروہ، نسل، خاندان، قبیلے یا قوم کا نام نہیں، یہ پیغام تو سب کے لیے ہے، اسے کوئی بھی اختیار کرسکتا ہے، اور اس عالم گیر برادری کا حصہ بن سکتا ہے، جس میں شمولیت کے لیے نہ کسی زبان کی قید ہے، نہ علاقے کی، اور نہ رنگ ونسل کی، شرط صرف یہ ہے کہ:

قولوا لا اله الا اللّٰه تفلحوا

لا الہ الا اللہ کہہ دو، کام یاب ہو جاؤ گے۔ (۵)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّ نَذِيۡرًا (۶)

اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے۔

اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پوری انسانیت کے لیے ہے، اور آپ تمام انسانوں کی، بل کہ اللہ کی تمام مخلوق کی خیر خواہی فرماتے ہیں، اور ان کے لیے ہدایات فرماتے ہیں، چند ارشادات پیش کیے بغیر آگے بڑھنا مناسب نہیں:

الخلق عيال اللّٰه فاحبهم الى اللّٰه من انفعهم لعياله (۷)

ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور اس کے نزدیک سب سے پسندیدہ مخلوق وہ

۵۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعثت کے بعد دعوت اسلام کے ابتدائی ایام میں عربوں کے خاص ایام میں لگنے والے بازاروں میں یہ دعوت اسلام ان ہی الفاظ میں دیتے تھے، ملاحظہ ہو: المستدرک: ج۱، ص۶۱، رقم ۳۹

☆ احمد۔ المسند: ج۴، ص۵۴۷، رقم ۱۵۵۹۳

☆ المعجم الکبیر: ج۵، ص۶۱، رقم ۴۵۸۲

۶۔ السبا: ۲۸

۷۔ ابویعلی، احمد بن علی (م ۳۰۷ھ)۔ المسند۔ دار المامون للتراث، ۱۹۸۴ء، دمشق: ج۶، ص۶۵، رقم ۳۳۱۵

Marfat.com

ہے، جو اس کے کنبے کے ساتھ نیکی کرے۔

لاتقاطعوا ولاتدابروا ولا تباغضوا ولا تحاسدوا وكونوا عباد الله اخوانا (۸)

ایک دوسرے سے تعلقات منقطع نہ کرو، ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو، ایک دوسرے سے کینہ نہ رکھو، اور ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، اور خدا کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔

ارحموا من فی الارض یرحکم من فی السماء (۹)

تم لوگ زمین پر رہنے والوں پر رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

من لم یرحم الناس لا یرحمه اللّٰه (۱۰)

جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا، اس پر خدا بھی رحم نہیں کرتا۔

لا یومن احدکم حتی یحب للناس ما یحب لنفسه و حتی یحب المرء و لا یحبه الا للّٰه (۱۱)

تم میں کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے، جو اپنے لیے پسند کرتا ہے، اور جب آدمی کسی کو دوست رکھے تو اللہ کے لیے ہی دوست رکھے۔

غیر مسلموں سے تعلقات کے سلسلے میں اسلام کے اقدامات

اسلام غیر مسلم شہریوں کو اپنی خالص نظریاتی ریاست میں بھی اسی درجے کا شہری تصور کرتا ہے، جس درجے کے وہاں رہنے والے مسلمان شہری ہیں، اور شہریت کے معاملات

۸۔ ترمذی: ج ۳، ص ۳۷۶، رقم ۱۹۴۲

۹۔ ترمذی۔ ج ۳، ص ۳۷۱، رقم ۱۹۳۱

۱۰۔ ترمذی: ایضاً رقم ۹۲۹

☆ حمیدی۔ المسند۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت: رقم ۸۰۲

۱۱۔ احمد۔ المسند: ج ۴، ص ۱۷۹، رقم ۱۳۴۶۳

Marfat.com

میں ان کے مابین کوئی تفریق نہیں کرتا۔ جس کا ثبوت غیر مسلموں کو دیئے جانے والے حقوق ہیں۔ آئندہ سطور میں ہم غیر مسلموں کو اسلامی ریاست میں حاصل حقوق کا ایک خاکہ پیش کرتے ہیں۔

البتہ ابتدا میں ایک وضاحت ضروری ہے، تاریخ میں بعض مقامات پر شاید یہ بات ملے کہ کسی موقع پر کسی مسلم حکم ران نے کسی غیر مسلم کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک روا رکھا، یہ استثنائی صورت حال قطعاً اسلام کے مجموعی رویئے کے خلاف حجت اور دلیل نہیں بن سکتی، ایسے واقعات تو ہر مذہب کے ماننے والوں کے بارے میں نہ صرف مل سکتے ہیں، بل کہ سہولت کے ساتھ دستیاب ہیں، انسانی تاریخ ایسے واقعات سے پُر ہے۔ اصل چیز کسی بھی مذہب کا مجموعی رویہ اور اس کی بنیادی تعلیمات ہیں، جس کی بنیاد پر ہی فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ اس کے ہاں کسی بھی معاملے میں کیا اصول وقوانین موجود ہیں؟

ذیل میں ہم اسلامی ریاست میں بسنے والے غیر مسلموں سے تعلقات کی نوعیت، ان سے ہم آہنگی کے اسلامی تصور اور اسلامی تاریخ میں، خصوصاً عہدِ نبوی اور عہدِ صحابہ میں اس کی مثالوں پر گفت گو کریں گے۔

جان کی حفاظت

ہم آہنگی اور اتحاد بہت بعد کی چیز ہے، انسان کی سب سے پہلی ضرورت، اس کی جان کی حفاظت اور زندگی کی ضمانت ہے۔ اسلام یہ ضمانت سب سے بڑھ کر اور اسی معیار کی دیتا ہے، جس کی خود مسلمانوں کو حاصل ہے، کیوں کہ اسلام کی نظر میں جان کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ قرآن تو یہاں تک کہتا ہے:

> كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًاؕ وَ مَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا (۱۲)

> ہم نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ جو کوئی کسی کو مار ڈالے، بغیر کسی جان کے

۱۲۔ المائدہ: ۳۲

Marfat.com

بدلے کے، یا زمین پر فساد پھیلانے کے بغیر تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا، اور جس نے کسی کو بچا لیا تو گویا اس نے سب کو بچا لیا۔

انسانی جان کی اسی عظمت اور حرمت کے پیش نظر اسلام میں غیر مسلم شہری کی جان کو وہی احترام اور عزت حاصل ہے، جو کسی مسلمان کی جان کو ہو سکتی ہے، دونوں میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من قتل نفسا معاهدا لم یرح رائحة الجنة، وان ریحها یوجد من مسیرة اربعین عاماً (۱۳)

جس نے کسی معاہد (غیر مسلم شہری، جو اسلامی ریاست کا باشندہ ہو) کو قتل کر دیا، وہ شخص جنت کی خوش بو نہیں پائے گا، حال آں کہ اس کی خوش بو چالیس سال کی مسافت سے محسوس ہوگی۔

یہ تو قتل کا معاملہ تھا، اب اگر کوئی غیر مسلم قتل ہو جائے اور اس کے ورثا اس کا بدلہ لینے کی بہ جائے خون بہا لینے پر بہ خوشی آمادہ ہوں، جسے اسلام کی اصطلاح میں دیت کہتے ہیں، تو پھر اس کی دیت بھی مسلمان ہی کے برابر ہوگی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ذمی کی وہی دیت ادا کی، جو مسلمان کی دیت ہوتی ہے۔ (۱۴) اور مسلمانوں کا اس اصول پر بعد میں بھی عمل رہا، اسلامی تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں، مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں قبیلۂ بکر بن وائل کے مسلمان نے حیرہ کے ایک غیر مسلم شہری کو ناحق قتل کر دیا، حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اسے مقتول کے ورثا کے حوالے کر دیا جائے، چاہے وہ قتل کریں، چاہے معاف کریں، چناں چہ اسے ورثا کے حوالے کر دیا گیا، جنہوں نے اسے قتل کر دیا۔ (۱۵)

۱۳۔ بخاری: ج ۴، ص ۳۱۱، رقم ۶۹۱۴

☆ ابن ماجہ: ج ۳، ص ۱۸۹، رقم ۲۶۸۶

۱۴۔ شوکانی۔ نیل الاوطار۔ مکتبہ الدعوۃ اسلامیہ: مصر: ج ۷، ص ۵۵

۱۵۔ بیہقی۔ السنن الکبری: ج ۸، ص ۱۳۲

Marfat.com

مال کی حفاظت

جان کے بعد دوسرا درجہ مال کا ہے، جو انسان کی دنیاوی ضرورتوں کی کفالت کرتا ہے، کسی بھی قوم سے اتحاد و یگانگت ان کی مال کی ضمانت دیئے بغیر پروان نہیں چڑھ سکتی۔ اسلام نے اس حوالے سے بھی اہم اقدامات کیے ہیں، اور غیر مسلم اسلامی ریاست میں اس حوالے سے بھی برابر کا درجہ رکھتے ہیں۔ جنگ خیبر کے موقع پر جب یہود سے معاہدہ ہو چکا تو انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ مسلمان ہمارے پھلوں اور غلوں پر ٹوٹ پڑے ہیں، حال آں کہ یہ چیزیں محفوظ مقام پر رکھی ہوئی تھیں، آپ نے فوراً ہدایت فرمائی:

الا لا یحل اموال المعاهدین الا بحقها (۱۶)

آگاہ ہو جاؤ کہ معاہدین (غیر مسلم) کے اموال قطعاً حلال نہیں ہیں، سوائے اس کے کہ اسے لینے کا حق (ریاست کی طرف سے) ہو۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

انما قبلوا اعقدة الذمة لتکون اموالهم کاموالنا و دمالهم کد مائنا (۱۷)

انہوں نے ہم سے معاہدہ اسی لیے تو کیا ہے تاکہ ان کے اموال ہمارے اموال کی طرح اور ان کے خون ہمارے خون کی طرح ہو جائیں۔

عزت کی حفاظت

جس طرح اسلامی ریاست کسی مسلمان کی عزت کی ضامن ہے، اسی طرح غیر مسلم شہری کی عزت کی حفاظت بھی اس کا فرض ہے۔

فقہائے حنفیہ نے وضاحت سے یہ مسئلہ بیان کیا ہے:

و یجب کف الاخری عنه و تحرم غیبنه کالمسلم (۱۸)

۱۶۔ ابو داؤد: ج ۳، ص ۳۶۸، رقم ۳۸۰۶

☆ المعجم الکبیر: ج ۴، ص ۱۱۰

۱۷۔ البرہان شرح مواہب الرحمٰن: ج ۲، ص ۲۰۲

۱۸۔ نیل الاوطار: ج ۷، ص ۸

Marfat.com

اور غیر مسلم شہری کو تکلیف ونقصان پہنچانے سے باز رہنا ضروری ہے، اور اس کی غیبت کرنا اس طرح حرام ہے، جیسے کسی مسلمان کی غیبت کرنا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص غیر مسلم شہری کو برا بھلا کہے گا، تب بھی ایسا کرنے والے پر سزا لاگو ہو گی، فقہا نے لکھا ہے:

ان المسلم اذا سب الذمی یعزر به (۱۹)

اگر مسلمان کسی غیر مسلم کو گالی دے گا تو اسے سزا دی جائے گی۔

حتی کہ اگر کسی نے کسی غیر مسلم کو طنزاً کافر بھی کہا اور اس سے غیر مسلم کو تکلیف پہنچی تو بھی مسلمان گناہ گار ہوگا۔ (۲۰)

مذہبی آزادی

جب ہم اسلام اور غیر اسلام کی تفریق کرتے ہیں، تو یہ خالصتاً عقائد اور مذہب کی بنیاد پر ہوتی ہے، اور غیر مسلموں سے اتحاد کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ ہم انہیں مکمل مذہبی تحفظ فراہم کریں، تاکہ وہ مذہبی ریاست میں اپنے آپ کو غیر محفوظ تصور نہ کریں۔ اس بنا پر اسلام مذہب کے اختیار کرنے کے معاملے کو شخصی مسئلہ قرار دیتا ہے، وہ اس معاملے میں کسی جبر کا قائل نہیں، اخروی اعتبار سے کامیابی صرف اس کا مقدر ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے احکامات پوری طرح بہ جا لائے، مگر دنیا میں اسلام نے اپنی دعوت پوری طرح کھول کر سب کے سامنے پیش کردی ہے، اب ہر ایک کو اختیار ہے، قرآن کہتا ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (۲۱)

دین میں کوئی جبر نہیں، راہِ ہدایت گمراہی سے ممتاز ہوچکی ہے۔

اس بنا پر اسلام غیر مسلم رعایا کو پوری مذہبی آزادی دیتا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نجران کی عیسائی آبادی سے معاہدہ فرمایا تو اس میں یہ شقیں بھی شامل تھیں:

۱۹۔ السیوطی۔ الاشباہ والنظائر۔ دارالکتب العلمیہ: ص ۵۰۹

۲۰۔ ایضاً: ص ۲۵۷

۲۱۔ البقرہ: ۳۴

ان کی جان محفوظ رہے گی۔ ان کی زمین، جائیداد اور مال وغیرہ ان ہی کے قبضے میں رہے گا۔ ان کے مذہبی عہدے کسی تبدیلی کے بغیر برقرار رہیں گے، صلیبوں اور مورتیوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ (۲۲)

اسی طرح عہد فاروقی میں جب بیت المقدس فتح ہوا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہاں رہنے والوں سے تحریری معاہدہ کیا تو اس میں غیر مسلموں کے حوالے سے بہت سی رعایتوں کا ذکر تھا۔ اس معاہدے میں یہ بھی مذکور تھا:

یہ امان ان کی جان، مال، عبادت گاہوں، صلیب، بیمار وتن درست اور تمام اہل مذہب کے لیے ہے، ان کی عبادت گاہوں میں نہ تو سکونت اختیار کی جائے گی، نہ وہ گرائی جائیں گی، نہ ان کو اور ان کے احاطوں کو کوئی نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں سے کوئی کمی کی جائے گی، نہ مذہب کے معاملے میں ان پر جبر کیا جائے گا، نہ ان میں سے کسی کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا۔ (۲۳)

اور صاحب بدائع الصنائع لکھتے ہیں:

ولا یمنعون من اظهار شيء مما ذكرنا من بيع الخمر و الخنزير و ضرب الناقوس في قريته او موضع ليس من امصار المسلمين و لو كانوا فيه عدد كثير من اهل الاسلام (۲۴)

ان کی آبادی میں ان مذکورہ چیزوں کے اظہار سے ان کو روکا نہیں جائے گا، جیسے خمر وخنزیر اور ناقوس بجانا، اور ایسے ہی اس شہر میں بھی منع نہیں کیا جائے گا، جو مسلمانوں کے شہر نہیں ہیں، اگر چہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اس آبادی میں رہتی ہو۔

۲۲۔ اس معاہدے کا مکمل متن آگے بیان ہو رہا ہے، ملاحظہ کیجئے: حوالہ نمبر ۷۵

۲۳۔ اس معاہدے کا مکمل متن آگے بیان ہو رہا ہے، ملاحظہ کیجئے: حوالہ نمبر ۷۶

۲۴۔ بدائع الصنائع: ج ۷، ص ۱۱۳

Marfat.com

ریاستی امور میں غیر مسلموں کا حصہ

اس کے باوجود کہ اسلامی ریاست ایک نظریاتی ریاست ہوتی ہے، اس کے امور کو خاص اسلامی نقطۂ نظر سے چلانا ضروری ہوتا ہے، مگر اسلام اس قدر گنجائش ضرور پیش کرتا ہے کہ بعض امور میں غیر مسلموں کو ریاستی امور کا ذمے دار بنایا جا سکے، چناں چہ ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں، جب ریاستی معاملات میں مسلمان حکم رانوں نے غیر مسلموں کو بہ راہ راست شریک کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں جو نئے علاقے اسلامی ریاست کا حصہ بنے، وہاں کے انتظامی امور جن غیر مسلوں کے سپرد تھے، بعد میں بھی کم و بیش وہی رہے، اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں حمص میں زکوۃ اور دیگر واجبات کی وصولی کے لیے ایک عیسائی شخص کو ذمے دار مقرر کیا گیا تھا۔ (۲۵)

اس نوعیت کی دوسری مثالیں بھی موجود ہیں۔

شخصی معاملات

اسلام شخصی معاملات (Personal Law) میں بھی اپنی ریاست کے غیر مسلم شہریوں کو مکمل شخصی آزادی دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ آزادی مسلمانوں اور غیر مسلموں کے باہمی روابط میں اضافے کا باعث بنتی ہے، اور اس سے ان کے مابین ہم آہنگی اور یگانگت پروان چڑھتی ہے۔ اسلام کا مزاج یہ ہے کہ غیر مسلموں کے شخصی معاملات میں ان کے اپنے قانون کو مدنظر رکھا جائے گا، اور اس حوالے سے اسلامی قوانین کو زیرِ غور نہیں لایا جائے گا۔ چناں چہ اگر ان کے ہاں بغیر گواہ کے نکاح جائز ہو، یا محرمات کے ساتھ نکاح ان کے مذہب میں درست سمجھا جاتا ہو تو انہیں اس کی اجازت دی جائے گی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ایک بار حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے پوچھا تھا کہ کیا بات ہے کہ خلفائے راشدین نے ذمیوں کو محرمات کے ساتھ نکاح اور شراب اور خنزیر کے معاملے میں آزاد چھوڑ دیا ہے؟ تو حضرت حسن بصری نے جواب میں فرمایا:

۲۵۔ تاریخ یعقوبی: ج ۲، ص ۲۶۵

Marfat.com

انما بذلوا الجزیۃ لیترکوا ما یعتقدون و انما انت متبع و لا مبتدع (۲۶)

انہوں نے جزیہ دینا اسی لیے قبول کیا ہے، تاکہ انہیں ان کے عقیدے کے مطابق زندگی بسر کرنے کی اجازت دی جائے اور تمہارا کام تو سلف کے طریقے کی پیروی کرنا ہے، نہ کہ کوئی نیا طریقہ ایجاد کرنا۔

وانصاف

اسلام عدل و انصاف کا مذہب ہے، اور اس کی نظر میں عدل و انصاف یہ نہیں ہے کہ صرف مسلمانوں کا خیال رکھا جائے، بل کہ انصاف کا جو بھی تقاضا ہو، اسے ہر صورت میں نبھانا اسلام کا مزاج بھی ہے اور مسلمانوں کو اس کی تاکید بھی۔ چناں چہ وہ یہ کہتا ہے کہ دشمن کے معاملے میں فیصلہ کرتے ہوئے بھی انصاف سے کام لینا ازبس ضروری ہے۔ قرآن کہتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ (۲۷)

اے ایمان والو! اللہ کے لیے انصاف سے گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ترک نہ کرو (اور) عدل کیا کرو، یہی پرہیزگاری سے قریب تر ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

اس آیت کریمہ سے ان غیر مسلموں کے بارے میں اسلام کا حکم واضح ہوتا ہے، جو اسلامی ریاست میں ہر طرح کے قوانین کی پاس داری کرتے ہوئے رہتے اور بستے ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان حکمران کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے:

ان السلطان ظل اللہ فی الارض یاوی الیہ کل مظلوم من عبادہ فاذا عدل کان لہ الاجر وعلی الرعیۃ الشکر، و اذا جار کان علیہ الاصر

۲۶۔ سرخسی: ج ۵، ص ۳۸

۲۷۔ المائدہ: ۸

Marfat.com

وعلی الرعیۃ الصبر (۲۸)

سلطان روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کا سایہ ہے، جس کی طرف خدا کے مظلوم بندے پناہ لیتے ہیں، جب وہ انصاف کرتا ہے تو وہ مستحق اجر ہوتا ہے اور رعایا پر شکر گزاری واجب ہوتی ہے، اور جب ظلم و جور کرتا ہے تو وہ گناہ گار ہوتا ہے اور اس وقت رعایا کو صبر سے کام لینا چاہئے۔

اسلامی ریاست میں عدل و انصاف کی فراہمی کے حوالے سے اسلامی روایات کو سراہتے ہوئے گستاؤلیبان کہتا ہے:

خلفائے راشدین کے زمانے میں ہر شخص برابر سمجھا جاتا تھا، اور ایک ہی قانون سب کے لیے تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ بہ نفس نفیس خود عدالت کے سامنے مدعی بن کر آئے، اور ایک شخص پر دعویٰ کیا، جس نے آپ کی زرہ چرائی تھی۔ جس وقت غسان کا نصرانی بادشاہ مسلمان ہو گیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملنے آیا تو ایک اعرابی نے نادانستہ اسے دھکا دیا، اس پر بادشاہ نے خفا ہو کر اسے مارا، اعرابی کی نالش پر حضرت عمر نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ بھی بادشاہ کو مارے، اس پر بادشاہ نے کہا: اے امیر المومنین! کہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک شخص بادشاہ کو ہاتھ لگائے؟ خلیفہ نے جواب دیا کہ اسلام کا قانون یہی ہے، اسلام میں نہ درجے کی عزت ہے، نہ ذات کی، ہمارے پیغمبر خدا کی نظر میں سب برابر ہیں اور ان کے خلفا میں بھی یہی روایات قائم رہیں گی۔ (۲۹)

دفاعی امور میں غیر مسلموں کی شرکت

دفاعی امور میں بھی غیر مسلم بہ راہ راست شریک ہو سکتے ہیں، اور ان کی صلاحیتوں پر اعتماد کرتے ہوئے، ان سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ چناں چہ امام ابو بکر جصاص لکھتے ہیں:

۲۸۔ شعب الایمان: ج ۶، ص ۱۶، رقم ۷۳۶۹

۲۹۔ گستاؤلیبان۔ تمدن عرب۔ لاہور: ص ۱۳۵

Marfat.com

غیر مسلموں سے جنگ کے موقع پر مدد لی جاسکتی ہے۔(۳۰)

اسی طرح جنگ کی صورت میں جو وصولی مالِ غنیمت کی شکل میں حاصل ہوگی، اس میں بھی غیر مسلموں کا حصہ ہوگا، اوران کی شرکت جس نوعیت کی ہوگی، اس کے بہ قدر ان کو حصہ دیا جائے گا۔(۳۱)

غیر مسلموں سے تعلقات کی نوعیت اور اس کی مختلف صورتیں

معاشرتی اعتبار سے غیر مسلموں کو وہ تمام سہولتیں حاصل ہیں، جو کسی اسلامی ریاست کے مسلمان شہری کو حاصل ہوتی ہیں، اس کی بہت سی مثالیں اور بہت سے نظائر ہمیں عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں اور پھر عہد صحابہ میں ملتے ہیں، ذیل میں ہم انہیں علیحدہ علیحدہ عنوانات کی روشنی میں بیان کرتے ہیں۔

خاندانی تعلقات

خاندان وہ پہلی اکائی ہے، جو انسانی معاشرے کی بنیاد بنتی ہے، اور انسانی معاشرہ ہی وہ جوہر ہے، جس نے بڑھتے ہوئے آج پوری دنیا کو گلوبل ویلیج کی صورت دے دی ہے۔ اسلام خاندان کی اس حیثیت کو تسلیم کرتا ہے، اور اسے بھرپور اہمیت دیتا ہے، بل کہ بہ طور مذہب بھی اور بہ اعتبار نظام بھی وہی تنہا خاندان کو اس کی صحیح حیثیت دینے کا علم بردار ہے۔ خاندان کی یہ اہمیت فقط مسلمانوں کے لیے نہیں، اسلام کی اپنے ماننے والوں کو ہدایت یہ ہے کہ ان کے غیر مسلم اقربا بھی ان کی خیر خواہی سے کسی طور پر بھی محروم نہیں رہنے چاہئیں۔ اسلام کی یہ جامع ہدایات غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کی رواداری، ان سے ہم آہنگی اور مسلم معاشرے میں انسان دوستی پر مبنی یگانگت کے فروغ کے لیے نہایت اہم اور بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔ چند مثالیں دیکھیے:

والدین سے حسن سلوک: والدین کسی بھی خاندان کی بنیاد ہوتے ہیں، اس لیے

۳۰۔ جصاص۔ احکام القرآن۔ ۱۳۴۷ء، مصر: ج ۲، ص ۵۴۴

۳۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ھدایہ: ج ۴، ص ۳۲۷

☆ ابن العابدین۔ رد المختار علی الدر المختار: ج ۳، ص ۲۵

Marfat.com

خاندان کی سطح پر اسلام نے سب سے زیادہ جن کا خیال رکھنے کی تلقین کی ہے، وہ والدین ہی ہیں۔ پھر اسلام کی ہدایات یہ ہیں کہ والدین خواہ غیر مسلم بھی ہوں، ان سے عزت و احترام کا معاملہ ہی کیا جائے گا، اور ہر اعتبار سے ان کی خیر خواہی کی جائے گی، قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ ہم نے انسان کو وصیت کی ہے کہ وہ والدین کا حق پہچانے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ والدین کا بھی شکر گزار رہے، آگے فرمایا:

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِىْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا (۳۲)

اور اگر وہ تجھے مجبور کریں کہ تو میرے ساتھ شرک کر، جس کا تجھے علم نہیں ہے تو تو ان کی بات نہ ماننا، اور ان کے ساتھ برتاؤ کرنا۔

یہ آیت وضاحت سے بتاتی ہے کہ غیر مسلم والدین کے ساتھ انسانی روابط کی حدود کیا ہیں؟ وہ اگر کسی غیر شرعی بات کا حکم دیں، کسی نافرمانی پر ابھاریں یا کسی اچھائی سے منع کریں تو بے شک ادب و احترام کے ساتھ ان سے اختلاف کیا جائے، مگر پھر بھی ان سے روابط میں تلخی نہ آنے پائے، اور ان کے ساتھ رویہ ہر اعتبار سے خیر خواہی والا ہی برقرار رہنا چاہیے۔ چناں چہ امام جصاص کہتے ہیں کہ کفر و شرک ان سے کسی قسم کی بدسلوکی کا جواز نہیں بن سکتا۔ (۳۳)

چناں چہ فقہا نے وضاحت سے لکھا ہے کہ غیر مسلم والدین کا نان نفقہ اور ان کی ضرورتوں کی تکمیل انسان پر واجب ہے، علامہ مرغینانی لکھتے ہیں:

لیس من المعروف ان یعیش فی نعم اللّٰہ تعالیٰ و یترکھما جوعا (۳۴)

یہ کوئی نیکی کا کام نہیں کہ انسان خود تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتا رہے اور والدین کو بھوکا چھوڑ دے۔

حضرت اسما بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی والدہ ان سے ملنے آئیں، انہوں نے حضور

۳۲۔ لقمان: ۱۵

۳۳۔ احکام القرآن: ج ۳، ص ۴۳۳

۳۴۔ ہدایۃ: ج ۲، ص ۴۲۵

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ کیا میں ان کی مدد کر سکتی ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نعم، صلی امك (۳۵)

ہاں، اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔

اسی طرح غیر مسلم والدین سے تحائف کا تبادلہ بھی ہو سکتا ہے، اور ان کے ہدایا بھی قبول کیے جا سکتے ہیں، حضرت اسما کے اس واقعے میں یہ تفصیل بھی مذکور ہے کہ وہ چند چیزیں بہ طور تحفہ لائی تھیں، حضرت اسما رضی اللہ عنہا کے پوچھنے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تحفے کو قبول کرنے کا بھی حکم فرمایا۔ (۳۶)

رشتے داروں سے تعلقات: والدین کے بعد دوسرے رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی کا مرحلہ آتا ہے، اسلام نے اس حوالے سے جہاں مسلمان رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں جامع ہدایات دی ہیں، وہیں غیر مسلم رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی کی بھی تلقین کی ہے، اور ان سے تعلقات نبھانے کا بھی حکم دیا ہے۔ اسلامی قوانین کی رو سے غیر مسلم، مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح فرمان مبارک ہے:

لا یرث المسلم الکافر، ولا الکافر المسلم (۳۷)

نہ تو مسلمان کافر کا وارث ہوگا، نہ کافر مسلمان کا۔

لیکن وراثت کے علاوہ مسلمان اپنے غیر مسلم رشتے داروں کی مدد و اعانت کر سکتا ہے اور اپنے مال میں سے ان کے لیے وصیت بھی کی جا سکتی ہے۔ ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے اپنے ایک یہودی عزیز کے لیے وصیت فرمانا ثابت ہے۔ چناں چہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

باعت صفیة زوج النبی صلی اللہ علیه وسلم داراً لها من معاویة

۳۵۔ بخاری: ج ۲، ص ۱۶۰، رقم ۲۶۲۰

۳۶۔ نیل الاوطار: ج ۶، ص ۱۰۶

۳۷۔ بخاری: ج ۴، ص ۲۷۲، رقم ۶۷۶۴

Marfat.com

بمأة الف، فقالت لذی قرابة لها من الیهود اسلم، فلك ان اسلمت ورثتنی، فابی، فاوصت له، قال بعضهم بثلاثین الفاً (۳۸)

ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اپنا مکان حضرت معاویہ کو ایک لاکھ میں فروخت کیا، انہوں نے اپنے ایک یہودی عزیز سے کہا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو میرے وارث بن جاؤ گے، اس نے انکار کر دیا، پھر انہوں نے اس کے لیے وصیت کی، جو بعض حضرات کے قول کے مطابق تیس ہزار کی تھی۔

اس بنا پر امام شعبی کا قول ہے کہ مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ نصرانی کے لیے وصیت کر سکتا ہے۔ (۳۹)

رشتے داروں سے حسن سلوک کا ایک طریقہ اس کے قرض دار ہونے کی صورت میں اس کا قرض معاف کرنا بھی ہے، اس کی مثال بھی ہمیں ملتی ہے، چناں چہ عبداللہ بن ودان نے ایک بار حضرت مجاہد سے سوال کیا کہ کیا میں اپنے مشرک رشتے دار کا قرض معاف کر دوں، جو میرا مقروض ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو، اور اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔ (۴۰)

غیر مسلم والدین کی طرح اپنے دیگر غیر مسلم اعزا و اقارب کے ساتھ ہدایا کا تبادلہ بھی ثابت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک بار ریشم کا قیمتی جوڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدیے میں ملا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ نے تو مردوں کو ریشم کے استعمال سے منع فرمایا ہے، پھر اس کا میں کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یہ اس لیے نہیں دیا کہ تم اسے پہنو، بل کہ اسے کسی استعمال میں لاؤ، اور اس سے فائدہ اٹھاؤ، یہ سن کر انہوں نے اپنے ایک مشرک بھائی کو وہ جوڑا ہدیہ کر

۳۸۔ عبدالرزاق۔ المصنف: ج ۶، ص ۳۳، رقم ۹۹۱۳

۳۹۔ ایضاً: رقم ۹۹۱۵

۴۰۔ ابو عبید، قاسم بن سلام (م ۲۲۴ھ)۔ کتاب الاموال۔ دار الفکر، ۱۹۹۸ء۔ قاہرہ: ص ۵۴۳

Marfat.com

دیا۔ (۴۱)

عام معاشرتی روابط

اسلام میں، جیسا کہ سب واقف ہیں، تمام معاشرتی روابط پر بھی بڑا زور دیا گیا ہے، اور معاشرے کے تمام طبقات کے مابین اچھے تعلقات کی تاکید کی گئی ہے، مگر یہ تعلقات بھی خالصتاً انسانی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں، اس میں مسلمان اور غیر مسلم کی تخصیص نہیں ہے، اسلام اپنے عقائد اور نظریات کے بارے میں ادنیٰ مداہنت کا رویہ اختیار کیے بغیر ان سب تعلقات کو نبھانے اور معاشرے میں ہم آہنگی اور مکمل اتحاد کی دعوت دیتا ہے۔ ان معاشرتی روابط کی بہت سی صورتیں ہیں، چند صورتیں پیش کی جاتی ہیں:

غیر مسلم پڑوسیوں سے تعلقات: پڑوس اگر اچھا ہو تو انسان کی بہت سی پریشانیاں از خود ختم ہو جاتی ہیں، اس لیے پڑوس سے خیر خواہی پر مبنی تعلقات از حد ضروری ہیں۔ اسلام نے اس حوالے سے جو ہدایات دی ہیں، وہ اسی تناظر میں دی گئی ہیں، اور ان میں مسلم اور غیر مسلم یکساں ہیں، چناں چہ علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

قال العلماء: الاحادیث فی اکرام الجار جاء ت مطلقة غیر مقیدة حتیٰ الکافر (۴۲)

علما نے کہا ہے کہ پڑوسی کے اکرام و احترام میں جو احادیث آئی ہیں، وہ مطلق ہیں، اس میں کوئی قید نہیں ہے، کافر کی بھی قید نہیں ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ہاں بکری ذبح ہوئی تو آپ نے گھر والوں سے ایک سے دوبار دریافت کیا کہ ہمارے یہودی پڑوسی کو اس میں سے کچھ بھیجا ہے؟ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جبرئیل مجھے پڑوس کے سلسلے میں اس قدر تاکید کرتے تھے کہ مجھے خیال ہوتا تھا کہ کہیں وہ اسے وارث نہ بنا دیں۔ (۴۳)

۴۱۔ مسلم: ج ۳، ص ۲۰۶۰، رقم ۲۰۶۸

۴۲۔ قرطبی۔ الجامع لاحکام القرآن: ج ۵، ص ۱۸۴

۴۳۔ ابوداؤد: ج ۴، ص ۳۷۶، رقم ۵۱۵۱

Marfat.com

غیر مسلموں کی مالی مدد: غیر مسلم اگر تنگ دست اور محتاج ہو تو اس کی بھی مالی مدد صدقات و خیرات کی شکل میں کرنی چاہیے، چناں چہ قرآن حکیم کی آیت لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ (۴۴) کے ذیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد فرمایا کہ کسی بھی دین کا ماننے والا تم سے سوال کرے تو اس پر خرچ کرو۔ (۴۵)

چناں چہ حنفیہ کے ہاں یہی مسئلہ ہے، صاحب ہدایہ وضاحت سے فرماتے ہیں:

ولا يجوز ان يدفع الزكوٰة الىٰ ذمى و يدفع اليه ما سوى ذٰلك من الصدقة (۴۶)

کسی ذمی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے، اس کے علاوہ دوسرے صدقات اسے دیئے جاسکتے ہیں۔

غیر مسلم کا ذبیحہ: غیر مسلموں میں سے اہل کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں سے روابط میں یہ مزید سہولت بھی حاصل ہے کہ خود قرآن حکیم کے حکم کے مطابق ان کا ذبیحہ حلال ہے، اور اسے استعمال میں لانا جائز ہے، قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ط وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ص وَ طَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ (۴۷)

آج تمہارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں، اور ان لوگوں کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے جو اہل کتاب ہیں، اور تمہارا کھانا ان کے لیے بھی حلال ہے۔

اس آیت مبارکہ میں طعام کا لفظ استعمال ہوا ہے، مفسر اعظم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تصریح کے مطابق اس سے ذبیحہ ہی مراد ہے، امام بخاری لکھتے ہیں:

۴۴۔ سورۃ البقرہ:۲:۲۷۲

۴۵۔ ابن کثیر۔ التفسیر: ج ۱، ص ۳۲۴

۴۶۔ ہدایہ: ج ۱، ص ۱۸۵

۴۷۔ سورۃ المائدہ:۵

Marfat.com

قال ابن عباس: طعامهم ذبائحهم (۴۸)

اسی طرح اس آیت کے آخری حصے سے یہ بھی متبادر ہوتا ہے کہ مسلمان بھی انہیں اپنے طعام میں شریک کر سکتے ہیں، اور ان کے ساتھ کھانا کھا سکتے ہیں۔ واللہ اعلم

غیر مسلم کو سلام کرنا اور دعا دینا: اسلامی معاشرت میں ایک دوسرے کو سلام کرنا، اس سے خندہ پیشانی سے ملنا اور بات کرنا، اس سے خیر خواہی کا معاملہ کرنا اور اسے دعائیں دینا بنیادی امر سمجھا جاتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان امور کی نہایت سخت تاکید فرمائی ہے، اس حوالے سے بھی مسلمان اور غیر مسلم کی تفریق نہیں ہے، چناں چہ حضرت امامہ ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ سلام مسلمانوں کے لیے برکت کی دعا اور ذمیوں کے لیے امن و امان کا اظہار ہے۔ (۴۹)

اور حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اذا كانت لك حاجة عند يهودي او نصراني فابداه بالسلام (۵۰)

جب تمہیں کسی یہودی یا نصرانی سے کوئی حاجت درپیش ہو تو اس سے ملاقات کا آغاز سلام سے کرو۔

اسی طرح اگر غیر مسلم سلام کرے تو اس کا جواب بھی دیا جائے گا، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

ردوا السلام على من كان يهوديا او نصرانيا او مجوسيا (۵۱)

ہر شخص کے سلام کا جواب دیا کرو، خواہ وہ یہودی ہو، نصرانی ہو یا مجوسی ہو۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک یہودی کو دعا دینا بھی ثابت ہے، جس سے غیر مسلموں کو دعا دینے کا بھی اثبات ہوتا ہے۔ چناں چہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے پینے کی کوئی چیز طلب کی،

۴۸۔ بخاری: ج ۳، ص ۹۷۴، رقم ۵۵۰۸

۴۹۔ قرطبی۔ الجامع لاحکام القرآن: ج ۱۱، ص ۱۱۲

۵۰۔ قرطبی: ایضاً

۵۱۔ بخاری۔ الادب المفرد: ج ۲، ص ۵۳۳

Marfat.com

اس نے وہ پیش کی تو آپ نے اسے دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حسین وجمیل رکھے۔ چناں چہ مرتے وقت تک اس کے بال سیاہ رہے۔ (۵۲)

سماجی تعلقات میں ایک اہم چیز مریضوں کی عیادت ہے۔ بیمار پڑ جانے والے بھائی کی عیادت اور تیمارداری کرنا، اس کی راحت کا سامان کرنا اور اس کے لیے کلمات خیر کہنا بھی بہت بڑی بھلائی شمار ہوتا ہے، جس کی اسلام نے بڑی تاکید کی ہے، اس بارے میں بھی اسلامی تعلیمات کے مطابق مسلمان اور غیر مسلم دونوں برابر ہیں۔ چناں چہ احادیث سے اس بات کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کی عیادت فرمائی ہے، اور عبدالرزاق کی روایت میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک یہودی لڑکا پڑوسی تھا، وہ ایک بار بیمار پڑ گیا، آپ ﷺ کو علم ہوا تو صحابہ کے ہم راہ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے، اور اس سے فرمایا کہ اس بات کی گواہی دے دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، یہ سن کر اس لڑکے نے اپنے باپ کی طرف دیکھا، وہ چپ رہا، اس پر لڑکا بھی چپ ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اپنی بات دہرائی، پھر تیسری بار فرمایا تو اس کے باپ نے اسے کہا کہ تمہیں جو کہا جا رہا ہے، وہ جملے دہرادو (یعنی اسلام قبول کرلو) چناں چہ اس نے وہ جملے کہہ دیئے، اس پر اس کا انتقال ہو گیا، اس کے انتقال کے بعد یہودیوں نے اس کی تدفین کرنی چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم اس کے زیادہ حق دار ہیں، چناں چہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی اس کے غسل اور بعد میں کفن ودفن کا انتظام فرمایا اور اس کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔ (۵۳)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب کی بھی ان کے مرض وفات میں عیادت فرمائی تھی۔ (۵۴)

اس کے ساتھ ساتھ غیر مسلم کے جنازے کے ساتھ چلنا بھی ثابت ہے، عبدالرزاق ہی کی روایت ہے، عطا بن ابی رباح کہتے ہیں کہ اگر مسلمان اور کافر کے مابین قریبی

۵۲۔ عبدالرزاق۔ المصنف: ج ۱۰، ص ۳۹۲

۵۳۔ عبدلرزاق۔ المصنف: ج ۶، ص ۳۵، رقم ۹۹۱۹

۵۴۔ ایضاً: رقم ۹۹۲۴

Marfat.com

قرابت داری ہے تو اسے چاہئے کہ جنازے میں شرکت کرے۔ (۵۵) اور جنازے کے احترام میں کھڑے ہونا تو خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، چناں چہ بخاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ تشریف فرما تھے، آپ ﷺ کے سامنے سے جنازہ گزرا تو آپ کھڑے ہو گئے، عرض کیا گیا کہ یہ یہودی کا جنازہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا وہ نفس (جان) نہیں؟ (۵۶)

اسی طرح غیر مسلم سے اس کے اعزا کے انتقال پر تعزیت بھی کی جا سکتی ہے، ابن جریج اور سفیان ثوری سے منقول ہے کہ مسلم تعزیت کرتے ہوئے غیر مسلم سے یوں کہے:

لِلّٰہ السلطان و العظمة، عش یا ابن آدم ما عشت، لا بد من الموت (۵۷)

اللہ ہی کے لیے تمام قوت اور عظمت ہے، اے بنی آدم! جب تک زندگی ہے، مزے کرو، آخر موت نے تو آنا ہی ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ اگر کسی یہودی یا نصرانی کے کسی عزیز کا انتقال ہو جائے تو اس سے کیسے تعزیت کی جائے؟ امام صاحب نے فرمایا کہ یوں کہو:

ان اللّٰہ کتب الموت علی خلقه، فنسأل اللّٰہ ان یجعله خیر غائب ینتظر، وانا لِلّٰہ وانا الیه راجعون، علیك بالصبر فیما نزل بك، لا ینقص اللّٰہ لك عددا (۵۸)

اللہ نے موت کو اپنی ہر مخلوق کے لیے مقدر کر دیا ہے، ہماری دعا ہے کہ موت جو ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے، جب آئے تو خیر کے ساتھ آئے، انا لِلّٰہ وانا الیه راجعون، جو مصیبت آئی ہے اس پر صبر کرو، اللہ تعالیٰ تمہاری تعداد کم نہ کرے۔

۵۵۔ عبدالرزاق۔ المصنف: ج ۶، ص ۳۵، رقم ۹۹۲۵

۵۶۔ بخاری: ج ۱، ص ۳۱۹، رقم ۱۳۱۲

۵۷۔ عبدالرزاق: ج ۶، ص ۴۲، رقم ۹۹۴۷

۵۸۔ ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم (م ۱۸۲ھ)۔ کتاب الخراج۔ دار المعرفہ: بیروت، ص ۲۱۶

Marfat.com

کاروباری تعلقات

اسلام غیر مسلموں کو مکمل معاشی آزادی بھی دیتا ہے، چناں چہ اسلام انہیں اس امر کی اجازت دیتا ہے کہ وہ صنعت و حرفت، تجارت و زراعت اور دوسرے تمام شعبوں اور میدانوں میں اپنی پیشہ ورانہ سرگرمیاں مکمل آزادی اور اپنی پسند و دلچسپی کے ساتھ جاری رکھیں، ان پر ایسی کوئی پابندی عائد نہیں کی جاسکتی، جو ریاست کے مسلم شہریوں پر نہ ہو، یا غیر مسلموں کے حوالے سے امتیازی سمجھی جائے، حتی کہ وہ چیزیں جو ان کے ہاں جائز سمجھی جاتی ہیں، مگر مسلم معاشرے میں ان کا داخلہ منع ہے، غیر مسلموں کو ان کے بارے میں بھی مکمل آزادی حاصل ہے، چناں چہ غیر مسلموں کو اپنے درمیان شراب اور خنزیر کی خرید و فروخت کی بھی مکمل آزادی حاصل ہے، حتی کہ اگر مسلمان کسی غیر مسلم کی ملکیت میں موجود خنزیر یا شراب کو نقصان پہنچاتا ہے، اور وہ ضائع ہوجاتی ہے تو مسلمان اس کا تاوان ادا کرنے کا ذمے دار ہوگا، فقہا کی وضاحت ملاحظہ ہو:

و یضمن المسلم قیمة خمره و خنزیره اذا اتلفهٗ (۵۹)

مسلمان شراب اور خنزیر کی قیمت کا ضامن ہوگا، اگر اسے تلف کرے گا۔

دوسری جانب اسلام یہ گنجائش بھی دیتا ہے کہ اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں سے کاروباری لین دین بھی ہوسکتا ہے، ان سے خرید و فروخت کی جاسکتی ہے، ان سے ادھار لیا جاسکتا ہے، اور ان تمام امور میں خیر خواہی کا جذبہ بیدار رہنا چاہئے، اور عدل و انصاف سے کام لینا چاہئے۔

چناں چہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہود سے ادھار لینا بھی ثابت ہے، زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ جب اسلام نہیں لائے تھے اور لین دین کا کاروبار کرتے تھے، اس دور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کچھ قرض لیا، معیاد پوری ہونے میں ابھی وقت باقی تھا کہ انہوں نے آکر تقاضا کیا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کھینچ کر آپ کو سخت سست کہا اور کہنے لگے کہ عبدالمطلب کے خاندان والو! تم ہمیشہ یوں ہی حیلے بہانے کیا

۵۹۔ درالمختار: ج ۳، ص ۲۷۳

Marfat.com

کرتے ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سب سن کر غصے سے بے تاب ہو گئے اور ان سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ اے دشمن خدا! تو رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔ مگر آپ نے ایک یہودی کی اس کھلی گستاخی اور اشتعال انگیزی کو مکمل تحمل اور نہایت اطمینان سے برداشت کیا اور اسے کچھ کہنے کی بہ جائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مجھے تو تم سے یہ امید تھی کہ تم اسے سمجھاتے کہ نرمی سے تقاضا کرے اور مجھ سے کہتے کہ میں اس کا قرض ادا کر دوں اور پھر ان سے فرمایا کہ اس کا قرض ادا کر کے اسے بیس صاع کھجور زیادہ ادا کر دو۔ (۶۰)

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے کچھ خریدا، اور اپنی زرہ بہ طور رہن اس کے پاس رکھی۔ (۶۱)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی مزید وضاحت ملتی ہے، فرماتے ہیں:

> اشتری رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من یھودی طعاما الیٰ اجل، ورھنہ درعا من حدید (۶۲)
>
> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے ایک سال کے لیے طعام خریدا تھا اور اس کے پاس اپنی لوہے کی زرہ رہن رکھی تھی۔

اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا، تب بھی آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی، جس سے آپ نے تیس صاع جو اپنے اہل خانہ کے لیے خرید فرمائے تھے۔ (۶۳)

یہ وہ تمام نظائر تھے، جن کی روشنی میں اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے ساتھ

۶۰۔ سید فضل الرحمن۔ ہادی اعظم ﷺ: ج ۱، ص ۶۳۰

۶۱۔ مسلم: ج ۳، ص ۶۱، رقم ۱۶۰۳

☆ ابن ماجہ: ج ۳، ص ۱۰۱، رقم ۲۴۳۶

۶۲۔ مسلم: ج ۳، ص ۶۲، رقم ۱۶۰۳ (......)

۶۳۔ ابن ماجہ: ج ۳، ص ۱۰۲، رقم ۲۴۳۹

Marfat.com

تعلقات کی نوعیت کو متعین کیا جا سکتا ہے، اور ان پر غور کرنے سے یہ حقیقت ہمارے سامنے روشن ہو سکتی ہے کہ اسلامی معاشرہ قانوناً بھی اور اخلاقاً بھی اپنے ہاں بسنے والے کسی بھی غیر مسلم کو کس نظر سے دیکھتا ہے؟ اس کا کس طرح خیال رکھتا ہے؟ اس کو کیا کیا حقوق عطا کرتا ہے؟ اور اسے کس کس اعتبار سے مکمل آزادی عطا کرتا ہے؟ جس کا بعض صورتوں میں وہ اپنی ہم مذہب ریاست میں بھی تصور نہیں کر سکتا۔

غیر مسلموں سے بین الاقوامی تعلقات

دوسرا نکتہ جو بین المذاہب ہم آہنگی اور یگانگت کے اسلامی تصور کو واضح کرتا ہے، وہ ہے اسلامی ریاست اور مسلمانوں کا دوسری غیر اسلامی ریاستوں اور وہاں بسنے والے غیر مسلموں سے تعلق۔ اس میں دوسری غیر مسلم مذہبی ریاستیں بھی شامل ہیں، اور وہ ریاستیں بھی شامل ہیں، جو سیکولر ہونے کی دعوے دار ہیں۔

مسلمانوں کے غیر مسلموں سے تعلقات کی بہت سے نوعیتیں ہیں، جن پر تفصیل سے گفت گو کا یہ موقع نہیں ہے، لیکن اس کے چند پہلوؤں کو یہاں اجاگر کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

بین الاقوامی معاہدے

غیر مسلم ریاستوں سے اسلامی حکومت معاہدے کر سکتی ہے، اور یہ معاہدے صلح، امن، دفاع و سلامتی اور ایک دوسرے سے تعاون پر مبنی ہو سکتے ہیں، پھر ان معاہدوں میں جو بھی شرائط طے ہو جائیں تو ان کی پاس داری لازمی اور ناگزیر ہے۔ ہر قسم کے عہد اور معاہدے کی پاس داری کے لیے قرآن کریم میں یہ حکم موجود ہے:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝ (۶۴)

اور عہد کو پورا کرو، بلاشبہ عہد کے بارے میں سوال ہوگا۔

اور عہد توڑنے پر وعید دی گئی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۶۴۔ بنی اسرائیل: ۳۴

Marfat.com

لکل غادر لواء یوم القیامۃ یریٰ یوم القیامۃ، یعرف بہ (۶۵)

ہر دھوکے باز کے لیے قیامت کے روز ایک جھنڈا ہوگا، جس سے وہ پہچانا جائے گا۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تو یہ قانون قدرت بھی بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

ماختر قوم بالعھد الا سلّط اللّٰہ علیھم العدو (۶۶)

جب کوئی قوم عہد شکنی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ لازماً دشمن کو اس پر مسلط کر دیتا ہے۔

اسلام کے نقطہ نظر سے عہد کی پاس داری کے سلسلے میں مسلمان اور غیر مسلم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ چناں چہ میمون بن مہران فرماتے ہیں:

من عاھد تہ اوف بعھدہ مسلما کان او کافرا، فانما العھد للّٰہ تعالی (۶۷)

جب بھی تم کوئی معاہدہ کرو تو اسے ضرور پورا کرو، خواہ تم نے مسلمان سے معاہدہ کیا ہو یا کافر سے، اس لیے کہ یہ معاہدہ تو تم نے درحقیقت خدا سے کیا ہے۔

اسلام میں معاہدوں کو حاصل ہونے والے اسی اعزاز و احترام کا نتیجہ تھا کہ جب صلح حدیبیہ کے موقع پر جب کہ ابھی معاہدے پر دستخط بھی نہیں ہوئے تھے، ابو جندل بن سہیل بن عمرو بیڑیاں پہنے ہوئے گرتے پڑتے مسلمانوں کے پاس پہنچے تو سہیل نے جو مشرکین مکہ کی جانب سے معاہدے میں شریک تھا، یہ اعتراض کیا کہ معاہدے کی شق کے مطابق آپ اس کو واپس بھیجنے کے پابند ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی تو تحریر مکمل نہیں ہوئی، سہیل نے کہا کہ اے محمد (ﷺ) یہ پہلی بات ہے۔ جس پر میں نے آپ سے صلح کی ہے کہ آپ اس کو (ابوجندل) مجھے واپس کر دیں۔ آپ نے فرمایا: بے شک ہم نے ابھی تحریر مکمل نہیں کی ہے۔ سہیل نے کہا خدا کی قسم! پھر ہم کبھی بھی آپ سے کسی بات پر

۶۵۔ بخاری: ج ۲، ص ۳۲۷، رقم ۳۱۸۶

۶۶۔ الموطاء: ج ۲، ص ۴۴۸، رقم ۹۶۷

۶۷۔ امام فخر الدین رازی۔ تفسیر کبیر۔ بیروت دارالفکر: ج ۱۰، ص ۱۰۹

Marfat.com

مصالحت نہیں کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کو میری ضمانت میں دے دو، اس نے کہا میں اس کو آپ کی ضمانت میں نہیں دے سکتا۔ آپ نے پھر فرمایا: ہاں تم اس کو میری ضمانت میں دے دو۔ سہیل نے کہا: میں ایسا نہیں کروں گا۔ ابو جندل نے کہا: اے مسلمانو! کیا مجھے مشرکوں کی طرف لوٹا دیا جائے گا، جب کہ میں مسلمان ہو کر آیا ہوں کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں نے کیا کیا تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو جندل صبر کرو، اللہ تعالیٰ جلد تم لوگوں کے لیے سامان پیدا کرے گا۔ (۶۸)

اس طرح صلح کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس پہنچے تو ابو بصیر عتبہ بن اسد مسلمان ہو کر اور مکے سے فرار ہو کر مدینے پہنچے، قریش نے فوراً معاہدے کا حوالے دے کر دو آدمی بھیجے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بصیر کو واپس کر دیا، مگر انہوں نے ذوالحلیفہ پر اہل مکہ کے ایک ہرکارے کو قتل کر دیا، دوسرا بھاگ کر مدینے پہنچا، ابو بصیر بھی وہاں پہنچے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پھر واپس کرنے کی بات کی تو وہ از خود وہاں سے نکل کر سمندر کے کنارے پہنچ گئے، رفتہ رفتہ وہاں کئی افراد مکے سے آ کر جمع ہو گئے، اور وہاں انہوں نے گھات لگا کر اہل مکہ کے قافلوں پر حملہ کرنا شروع کر دیا، جس پر قریش نے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ابو بصیر کو منع کریں، چناں چہ آپ نے انہیں منع کر دیا اور مدینے آنے کی اجازت دے دی اور قرآن حکیم میں یہ آیات نازل ہوئیں:

وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْم بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَیْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ○ هُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْیَ مَعْكُوْفًا اَنْ یَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ (۶۹)

اور وہی تو ہے جس نے تمہیں مکہ شہر میں ان پر فتح یاب کرنے کے بعد ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیئے اور جو کچھ تم کرتے رہتے ہو،

۶۸۔ بخاری: ج ۲، ص ۱۹۷، رقم ۲۷۳۱

۶۹۔ الفتح: ۲۴۔۲۵

Marfat.com

☆ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے۔ اور یہ کافر وہی تو ہیں جنہوں نے انکار کیا اور تمہیں مسجد الحرام سے روک دیا اور قربانی کے جانوروں کو بھی ان کی جگہ پر پہنچنے سے روک دیا۔ (۷۰)

ان واقعات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ غیر مسلمون سے کیے گئے معاہدوں کے بارے میں بھی اسلام کس قدر حساس ہے، اس کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگر فریق ثانی معاہدے کی خلاف ورزی کرے یا آپ اس پر اطمینان نہ رکھتے ہوں اور معاہدہ ختم کرنے کی نوبت آ جائے تو علانیہ اس کا خاتمہ کیا جائے۔

قرآن حکیم میں فرمایا:

اَلَّذِیْنَ عٰھَدْتَّ مِنْھُمْ ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَھْدَھُمْ فِیْ کُلِّ مَرَّةٍ وَّھُمْ لَا یَتَّقُوْنَO فَاِمَّا تَثْقَفَنَّھُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِھِمْ مَّنْ خَلْفَھُمْ لَعَلَّھُمْ یَذَّکَّرُوْنَO وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً فَانْبِذْ اِلَیْھِمْ عَلٰی سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ (۷۱)

جن لوگوں سے آپ نے معاہدہ کیا تھا پھر ہر بار وہ اپنے عہد کو توڑ ڈال دیتے ہیں اور وہ ڈرتے نہیں۔ پھر اگر کبھی آپ ان کو لڑائی میں پالیں تو ان کو ایسی سزا دیں کہ جو لوگ ان کے پیچھے ہیں، وہ ان کو دیکھ کر بھاگ جائیں، تا کہ ان کو عبرت ہو۔ اور اگر آپ کو کسی قوم کی دغا بازی کا اندیشہ ہو تو ان کا عہد ان کی طرف پھینک دیجیے، تا کہ وہ اور آپ برابر ہو جائیں، بے شک اللہ تعالیٰ دغا بازوں کو پسند نہیں کرتا۔

اس آیت مبارکہ کی تشریح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک میں ملتی ہے، فرمایا:

جس کسی نے کسی قوم سے معاہدہ کیا تو وہ اسے نہ توڑے، حتیٰ کہ عہد کی مدت

۷۰۔ بخاری: ج ۲، ص ۱۹۷، رقم ۲۷۳۱

☆ مسند احمد: ج ۵، ص ۴۳۴

۷۱۔ الانفال: ۵۶ تا ۵۸

Marfat.com

گزر جائے، یا اسے علانیہ ختم کر دو۔ (۷۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک کی وضاحت کرتے ہوئے ملا علی قاری علامہ طیبی کا قول نقل کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

ای یعلمھم انه یرید ان یغزوھم و ان الصلح قد ارتفع، فیکون الفریقان فی علم ذلك سواء (۷۳)

یعنی انہیں بتا دیا جائے کہ ہم اب ان سے جنگ کا ارادہ رکھتے ہیں، اور صلح ختم ہو چکی ہے، اور اب دونوں فریق اس معاملے میں برابر یعنی اس معاہدے سے آزاد ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ حضرت امیر معاویہ کے عہد میں جب ایک بار اس قسم کا واقعہ پیش آیا تو محض ایک صحابی رسول کی طرف سے توجہ دلانے پر انہوں نے اپنا طریقۂ کار تبدیل کر دیا، اور آگے بڑھی ہوئی فوجیں پیچھے ہٹالیں۔ واقعہ یہ تھا کہ حضرت معاویہ نے اپنے عہد حکومت میں ایک متعین مدت کے لیے رومیوں (عیسائیوں) سے صلح کا معاہدہ کیا تھا، ابھی وہ مدت ختم نہیں ہونے پائی تھی کہ انہوں نے رومی سرحد پر اپنی فوج اس ارادے سے جمع کرنی شروع کر دی۔ تاکہ جوں ہی معاہدے کی مدت ختم ہو، وہ ان پر حملہ کر دیں۔ عین اسی حالت میں جب کہ فوجیں سرحد پر جمع ہو رہی تھیں مشہور صحابی حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کو علم ہوا، وہ فوراً وہاں پہنچ گئے اور کہا: اللہ اکبر! اللہ اکبر معاہدے کی بدعہدی کی جارہی ہے اور اس کارروائی کے خلاف سخت احتجاج کیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس احتجاج کی وجہ پوچھی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنایا کہ جس نے کوئی معاہدہ کیا ہے وہ اس کو نہ توڑے اور نہ اس پر حملہ کرے، الا یہ کہ مدت ختم ہو جائے او رپھر ان کو معاہدہ ختم کرنے کی اطلاع دے۔ چناں چہ حضرت معاویہ نے اپنی جنگی کارروائی روک دی اور واپس لوٹ آئے۔ (۷۴)

۷۲۔ مشکوٰۃ: باب الامان، فصل دوم

۷۳۔ ملا علی قاریؒ (م ۱۰۱۴ھ)۔ المرقاۃ المفاتیح۔ ملتان، مکتبہ امدادیہ: ج ۸، ص ۲۲

۷۴۔ مشکوٰۃ: باب الامان، فصل دوم

Marfat.com

مختلف معاہدے

غیر مسلم حکم رانوں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف نوعیتوں کے معاہدے کیے ہیں، جن سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اسلامی ریاست غیر مسلموں سے اس سلسلے میں اپنی ضرورت، ترجیحات، مقاصد اور مصالح کو مدنظر رکھتے ہوئے معاہدے کرسکتی ہے۔ چناں چہ کتب سیرت و تاریخ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کیے جانے والے بہت سی نوعیتوں کے معاہدے موجود ہیں۔

ذیل میں ان کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں، تاکہ ان معاہدوں کی مختلف صورتیں سامنے آسکیں:

معاہدات امن وصلح: یہ معاہدے دو ممالک یا زائد آپس میں صلح وامن کے لیے کرتے ہیں، یہ معاہدے دو یا زائد حکومتوں کے سربراہ اور ان کے معاونین باہم مشاورت سے ترتیب دیتے ہیں، اور اپنے اپنے حالات کی رعایت رکھتے ہوئے معاہدے کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قریش مکہ سے معاہدۂ صلح حدیبیہ اسی نوعیت کا معاہدہ تھا، جس میں یہ طے کیا گیا تھا کہ

۱۔ دس سال تک دونوں فریقوں میں جنگ بند رہے گی، اس دوران کوئی ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار نہ اٹھائے گا اور نہ کوئی کسی سے خیانت کرے گا۔

۲۔ عرب قبائل کو اختیار ہوگا کہ وہ جس فریق کے ساتھ چاہیں، معاہدے میں شریک ہوجائیں۔

۳۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھیوں میں سے جو شخص قریش کے پاس مکے چلا جائے گا، اس کو واپس نہیں کیا جائے گا۔

۴۔ قریش کا جو شخص اپنے ولی یا آقا کی اجازت کے بغیر بھاگ کر مدینے جائے گا، اس کو واپس کیا جائے گا، اگرچہ وہ مسلمان ہوکر جائے۔

۵۔ مسلمان اس سال عمرہ کیے بغیر واپس چلے جائیں گے، آئندہ سال آئیں اور کوئی ہتھیار اپنے ساتھ نہ لائیں سوائے تلوار کے اور وہ بھی نیام یا غلاف میں ہو۔ صرف تین دن

Marfat.com

مکے میں قیام کریں اور عمرہ کر کے واپس چلے جائیں گے۔ (۷۵)

معاہدۂ جوار: معاہدے کی دوسری نوعیت یہ ہوتی ہے کہ دو یا زائد فریق جو آپس میں پڑوسی ہوتے ہیں، حکومتی سطح پر یہ طے کرتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کا خیال رکھیں گے، اور باہمی مفادات میں مشترکہ اقدامات کریں گے، میثاق مدینہ سے اس بارے میں ہمیں رہ نمائی ملتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہدے مدینہ منورہ میں دیگر جو قبائل شریک تھے، ان میں یہی بات دہرائی گئی تھی کہ وہ تمام قبائل جو مدینے کی اسلامی ریاست سے معاہدہ کریں گے، اپنے معاملات میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کے مکمل پابند ہوں گے، چند شقیں دیکھیے:

۱۔ یہ ایک تحریری معاہدہ ہے محمد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول کا مسلمانوں قریش (مہاجرین) اور اہل یثرب (انصار وغیرہ) کے درمیان اور جو ان کے تابع ہیں، ان کے درمیان اور جو لوگ بھی ان کے تابع ہیں اور ان کے ساتھ جہاد کریں۔

۲۔ تمام (دنیا کے) لوگوں کے مقابلے میں ان کی علیحدہ وحدت (امت) ہوگی۔

۳۔ قریش یعنی مکے سے آنے والے اپنے محلے کے ذمے دار ہوں گے اور اپنا خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور آپ سے یہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑایا کریں گے، تاکہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

۴۔ اور متقی ایمان والوں کے ہاتھ ہر اس شخص کے خلاف اٹھیں گے، جو ان میں سرکشی کرے یا جبراً کوئی چیز حاصل کرنا چاہے یا گناہ یا ظلم کا ارتکاب کرے یا کوئی شخص ایمان والوں میں فساد پھیلانا چاہے تو ایسے شخص کے خلاف بھی ان کے ہاتھ اٹھیں گے، خواہ

۷۵۔ اس معاہدے کی تفصیلات یہی ہیں، مآخذ میں تھوڑا تقدم وتاخر ہے۔ یہ روایت واقدی کے مطابق ہے، ملاحظہ کیجیے، واقدی، محمد بن عمر (م ۲۰۷ھ)۔ کتاب المغازی۔ بیروت، عالم الکتب ۱۹۸۴ء: ج ۲، ص ۶۱۱

☆ ابن ہشام: ج ۴، ص ۲۸

☆ ابن کثیر۔ السیرۃ النبویہ: ج ۳، ص ۳۲۲۔

☆ الطبقات: ج ۲، ص ۴۷

Marfat.com

وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

۵۔ اور یہ کہ یہودیوں میں سے جو ہماری اتباع کرے گا تو اسے مدد اور مساوات حاصل ہوگی، نہ ان پر ظلم کیا جائے گا اور نہ ان کے خلاف کسی کو مدد دی جائے گی۔

۶۔ اور یہ کہ جب کبھی تم میں کسی چیز کے بارے میں اختلاف ہو تو اس کے بارے میں خدا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے رجوع کیا جائے۔

۷۔ اور یہود اس وقت تک مومنین کے ساتھ اخراجات برداشت کرتے رہیں گے، جب تک وہ مل کر جنگ کرتے رہیں۔

۸۔ اور اگر کوئی یثرب یعنی مدینہ منورہ پر حملہ کرے گا تو مسلمان اور یہودی مل کر ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

۹۔ (الف) اور اگر ان کو کسی صلح میں مدعو کیا جائے تو وہ بھی صلح کریں گے اور اس میں شریک رہیں گے اور اگر وہ کسی ایسے ہی امر کے لیے بلائیں تو مومنین کا فریضہ ہوگا کہ ان کے ساتھ ایسا ہی کریں بہ جز اس کے کہ کوئی دینی جنگ کرے۔ (ب) ہر گروہ کے حصے میں اس رخ کی (مدافعت) آئے گی، جو اس کے بالمقابل ہو۔ (۷۶)

معاہدۂ امان: کوئی حکومت اگر کسی دوسری متحارب قوت سے چند شرائط پر معاہدہ کرے، اور اس میں اسے مشروط طور پر امن سے زندگی گزارنے کا حق دیا جائے تو یہ معاہدۂ امان کہلاتا ہے۔ عہد نبوی میں اس کی مثال معاہدۂ نجران ہے، جو نجران کے عیسائیوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین طے پایا تھا، یہ معاہدہ خصوصیت کے ساتھ اسلامی رواداری اور وسعت قلبی کا آئینہ دار ہے، اسی وجہ سے اسے ہر دور میں انسانیت کے اعلیٰ ترین اخلاقی تصور کی بنیاد کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

اس معاہدے کا متعلقہ حصہ ملاحظہ ہو:

و لنجران و حاشيتها جوار لله وذمة محمد النبي رسول الله على

۷۶۔ اس کا مکمل متن ملاحظہ کیجیے: کتاب الاموال: ص ۲۰۲، رقم ۵۱۷

☆ ابن ہشام: ج ۲، ص ۲۴۱

☆ ڈاکٹر حمید اللہ۔ الوثائق السیاسیہ۔ بیروت، دار النفائس ۱۹۸۵ء: ص ۵۷

Marfat.com

اموالهم و انفسهم و ارضهم و مالهم و غائبهم و شاهدهم و عيشيرتهم و بيعهم و كل ما تحت ايديهم من قليل او كثير، لا يغير اسقف من اسقفيه و لا راهب من رهبانيته ولا كاهن من كهانته وليس عليه دنية ولا دم جاهلية و الا يخسرون و لا يعسرون ولا يطأ ارضهم جيش، ومن سأل منهم حقا فبينهم النصف غير ظالمين و لا مظلومين، ومن أكل ربا من ذى قيل فذمتى منه بريئة، ولا يؤخذ رجل منهم بظلم آخر وعلى ما فى هذا الكتاب جوار الله و ذمة محمد النبى رسول الله أبداً حتى يأتى الله بامره، مانصحوا و اصلحوا ما عليهم غير متفلتين بظلم (۷۷)

نجران اور ان کے ماتحت اور ہم نوا لوگوں کے لیے اللہ کی پناہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمے داری ہے، ان کے مال، جان، زمین اور مذہب کی، اس میں وہ تمام لوگ جو موجود ہیں اور ان کے خاندان اور گرجے اور جو کچھ کم و بیش ان کے پاس ہے، وہ سب اس ذمے داری میں داخل ہیں، کوئی پادری اپنے عہدے اور کوئی راہب اپنی رہبانیت سے روکا نہیں جائے گا، اور نہ کوئی کاہن اپنی کہانت سے روکا جائے گا۔ ان کے لیے کوئی دیت یا جاہلیت کے خون کا بدلہ نہیں ہے اور نہ ان کو نقصان میں ڈالا جائے گا اور نہ سختی میں، اور ان کی سرزمین کو فوج کے ذریعہ پامال نہیں کیا جائے گا۔ اور ان میں سے کوئی اپنے حق کا سوال کرے گا اس سے انصاف برتا جائے گا، نہ وہ ظالم ہو سکیں گے اور نہ مظلوم، اور جو ان میں سے سود کھاتے ہوں گے اس کے لیے ہماری کوئی ذمے داری نہیں ہے، اور کوئی آدمی کسی دوسرے کے جرم میں پکڑا نہیں جائے گا، ان کے لیے وہ تمام حقوق ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اس

۷۷۔ کتاب الخراج: ص۷۲

☆ الوثائق السیاسیہ: ص۱۷۵

☆ زاد المعاد: ج۳، ص۶۳۴

Marfat.com

وقت تک ذمے داری ہے جب تک وہ صلاح وخیر خواہی سے رہیں اور وہ اپنی ذمے داری ادا کرتے رہیں اور خود ظلم وزیادتی کی صورت اختیار نہ کریں۔

اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا معاہدہ بیت المقدس بھی اس نوعیت کا ایک عظیم معاہدہ ہے، جس نے نہ صرف غیر مسلموں سے مسلمانوں کے رواداری پر مبنی تعلقات کا خوش گوار آغاز کیا، بل کہ اس نے آگے چل کر غیر مسلموں کے قلوب واذہان کو اسلام کی جانب مائل کرنے میں بھی اہم کردار ادا کیا، معاہدہ ملاحظہ کیجئے:

هذا ما اعطى عبدالله عمر امير المومنين اهل ايليا من الامان اعطاهم امانا لانفسهم و اموالهم و لكنسائسهم و صلبانهم سقيمها و برئيها و سائر لمنها انه لا نسكن كنائسهم و لا تهدم ولا ينتقص منها ولا من حيرها ولا من صليبهم ولا من شيئ من اموالهم و لا يكرهون على دينهم ولا يضار احد منهم ولا يسكن بايليا معهم من اليهود وعلى اهل ايليا ان يعطوا الجزية كما يعطى اهل المدائن و عليهم ان يخرجوا منها الروم واللصوت فمن خرج منهم فانه آمن على نفسه و ماله حتى يبلغوا ما منهم و من قام منهم فهو آمن و عليه مثل ما على اهل ايليا من الجزية ومن احب من اهل ايليا ان يسير بنفسه و ماله مع الروم يخلى بيعهم و صلبهم فانهم آمنون على انفسهم و على بيعهم و صلبهم حتى يبلغوا ما منهم، وعلى ما فى هذا الكتاب عهد الله ذمة رسوله ذمة الخلفاء و ذمة المومنين اذا اعطوا الذى عليهم من الجزية (۷۸)

یہ وہ امان ہے، جو خدا کے بندے امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے ایلیا کے لوگوں کو دی، یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام اہل مذہب کے لیے ہے، ان کے گرجوں میں نہ سکونت اختیار کی جائے گی، نہ وہ گرائے جائیں گے، اور نہ ان کو اور ان کے احاطوں کو نقصان پہنچایا جائے گا، ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی نہ کی جائے گی، نہ

۷۸۔ طبری۔ التاریخ: ج۵، ص ۲۴۰۵

Marfat.com

مذہب کے معاملے میں ان پر جبر کیا جائے گا، نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا، ایلیا میں ان کے ساتھ کوئی یہودی نہ رہے گا، ایلیا والوں پر فرض ہے کہ وہ دوسرے شہر والوں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں کو اپنے یہاں سے نکال دیں، یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا اس کی جان و مال محفوظ رہے گی، جب تک وہ اپنی جائے پناہ تک نہ پہنچ جائے، اور جو ایلیا میں ہی رہنا چاہے، اس کو بھی امن ہے، اس کو جزیہ دینا ہوگا، اور ایلیا والوں میں سے جو شخص اپنی جان مال لے کر یونانیوں کے ساتھ جانا چاہے تو وہ، ان کے گرجے اور صلیب بھی مامون ہیں، یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں، جو کچھ اس میں تحریر ہے اس پر خدا، اس کے رسول، خلفائے اور عام مسلمانوں کی ذمے داری ہے، بہ شرطے کہ یہ لوگ مقررہ جزیہ ادا کرتے رہیں۔

ان معاہدات سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلم حکومتوں سے بھی اسلامی حکومت برابری کی سطح پر امن و صلح کی بنیاد پر تعلقات استوار کرتی ہے، اور اس کا مقصد اصل امن و امان ہے، جس کے لیے وہ ہر ایک سے تعاون کرنے کو تیار ہے، بہ شرطے کہ اسلام کو اس سے نقصان پہنچنے کا خدشہ نہ ہو، اور مسلمان اس صورت میں اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔

تجارت

غیر مسلم ریاستوں سے تجارتی تعلقات بھی استورا کیے جا سکتے ہیں، چناں چہ صلح حدیبیہ سے پہلے کا واقعہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی عمدہ ترین کھجور عجوہ ابو سفیان کے پاس بھیجی اور معاوضے کے طور پر چمڑا طلب کیا۔ (۷۹)

بہ قول ڈاکٹر حمید اللہ یہ چمڑا طائف کا تھا، اور شامی راستے بند ہونے کے وجہ سے وہاں پڑا ہوا خراب ہو رہا ہوگا۔ (۸۰)

۷۹۔ کتاب الاموال: ص ۲۵۷، رقم ۶۳۱

۸۰۔ ڈاکٹر حمید اللہ۔ عہد نبوی میں نظام حکم رانی۔ کراچی، اردو اکیڈمی، سندھ ۱۹۸۷ء: ص ۲۵۸

Marfat.com

مالی مدد

غیر اسلامی ریاست کی ضرورت کے وقت مالی مدد بھی کی جا سکتی ہے، اور انسانی بنیادوں پر مشکل وقت میں ان کا ہاتھ بھی بٹایا جا سکتا ہے، چناں چہ فتح مکہ سے پہلے ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں سخت قحط پڑا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کے پاس پانچ سو اشرفیوں کی خطیر رقم بھیجی کہ مکے کے غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کرے، اس پر ابوسفیان نے کہا کہ محمد چاہتا ہے کہ اب مکے کے غربا اور نوجوانوں کو ورغلا کر بھٹکائے اور ہمارے خلاف کھڑا کر دے۔ (۸۱)

جب یمامہ کے رئیس ثمامہ بن آثال رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے کے بعد مکے کو غلے کی سپلائی بند کر دی اور مکہ مکرمہ میں قحط پڑا، تو اہل مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد کے طالب ہوئے، آپ نے ثمامہؓ کو پیغام بھیجا کہ پابندی اٹھالو، چناں چہ غلے کی فراہمی پھر شروع ہوگئی۔ (۸۲) یہ بھی یقیناً مالی مدد کی ایک اہم شکل تھی۔

ہدایا کا تبادلہ

غیر مسلم حکم رانوں اور معززین سے ہدایا کا تبادلہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے ثابت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایا دیئے بھی ہیں، اور قبول بھی فرمائے ہیں، چناں چہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> اهدیٰ کسریٰ لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فقبل منه و اهدیٰ له قیصر فقبل منه و اهدت له الملوك فقبل منهم (۸۳)
>
> کسریٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ دیا، آپ نے قبول کیا، اسی طرح قیصر نے ہدیہ دیا، آپ نے قبول کیا اور (دوسرے) بادشاہوں نے آپ کو ہدیے دیئے، آپ نے قبول فرمائے۔

۸۱۔ سرخسی۔ المبسوط: ج۱۰، ص۹۱

۸۲۔ ابن ہشام: ج۴، ص۲۴۵

۸۳۔ مسند احمد: ج۲، ص۱۰۷، رقم ۷۴۷

Marfat.com

چناں چہ ایلیا کے بادشاہ نے ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہ طور تحفہ ایک سفید خچر پیش کیا اور ایک چادر آپ کو پہنائی، آپ نے اس کا قبضہ اس کے علاقے پر برقرار رکھا۔ (۸۴)

اسی طرح روایت میں آتا ہے کہ اکیدر دومہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ریشمی کرتا بہ طور ہدیہ بھیجا تھا، جسے لوگ تعجب سے دیکھنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، بلاشبہ جنت میں سعد بن معاذ کے رومال بھی اس سے عمدہ ہوں گے۔ (۸۵) اور بزار نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حمیر کے بادشاہ ذی یزن نے آپ کی خدمت میں مَن (شہد کی ایک خاص قسم) کا ایک گھڑا بھیجا تھا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا۔ (۸۶)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف ممالک کے حکم رانوں کو تحفے بھی عطا فرمائے۔ مثال کے طور پر حمیر کے بادشاہ ذی یزن کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تینتیس اونٹوں کے عوض ایک جوڑا خرید کر تحفہ میں بھیجا۔ (۸۷)

سفیروں کا احترام

اسلام میں سفیروں کو مکمل احترام حاصل ہے اور انہیں کسی قسم کی تکلیف دینا اسلام کا مزاج نہیں، وہ انسان کے بنیادی حقوق کبھی سلب نہیں کرتا۔ اور سفرا کو مکمل عزت دینے کا قائل ہے، قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

۸۴۔ بخاری: ج ۱، ص ۳۶۴، رقم ۱۴۸۱۔ ج ۲، ص ۱۵۹

☆ مسلم: ج ۴، ص ۲۱، رقم ۱۱۔ (۱۳۹۲)

۸۵۔ بخاری: ج ۲، ص ۱۵۹، رقم ۲۶۱۵

☆ مسلم: ج ۴، ص ۱۲۰، رقم ۲۴۶۸

۸۶۔ سبل الہدیٰ والرشاد: ج ۹، ص ۲۸

۸۷۔ ابوداؤد: ج ۴، ص ۷، رقم ۴۰۳۴

Marfat.com

وَ اِنۡ اَحَدٌ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ اسۡتَجَارَكَ فَاَجِرۡهُ حَتّٰى يَسۡمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبۡلِغۡهُ مَاۡمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَعۡلَمُوۡنَ٥ (۸۸)

اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپ سے پناہ طلب کرے تو آپ اس کو پناہ دے دیجیے، تاکہ وہ اللہ کا کلام سن لے، پھر آپ اس کو اس کے امن کی جگہ پہنچا دیجیے، یہ اس لیے ہے کہ وہ علم نہیں رکھتے۔

اس آیت کی تفسیر میں ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اگر دارالحرب (دشمن ملک) کا کوئی فرد سفارت کی غرض یا تجارت یا صلح و مصالحت کی غرض سے دار الاسلام میں سربراہ حکومت سے یا اس کے ذمے دار سے اجازت لے کر آئے تو وہ جب تک وطن واپس نہیں آ جاتا، آزادی کے ساتھ پورے ملک میں جہاں چاہے آ جا سکتا ہے اور اپنا کاروبار کر سکتا ہے۔(۸۹)

غیر مسلموں سے دوستی یا تعلقات؟ اسلام کا نقطۂ نظر

اوپر بیان کی گئی تفصیلات اس حوالے سے ہمارے لیے کامل و مکمل رہ نمائی فراہم کرتی ہیں کہ اسلام غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کے سلسلے میں مکمل ہدایات عطا کرتا ہے اور اس کا پیغام یہ ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ کسی قسم کا تعصب یا امتیاز نہیں برتا جائے گا، لیکن یہاں ایک سوال بے حد اہم ہے، وہ ہے غیر مسلموں کے ساتھ دوستی اور قلبی تعلق رکھنے کا۔ قرآن حکیم میں واضح طور پر اس امر کی مخالفت آتی ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ دوستی کا معاملہ کیا جائے۔

چناں چہ اس سلسلے میں جو لفظ استعمال ہوا ہے، وہ ولی کا ہے، ولی کے بہت سے معنیٰ ہیں، اس کے ایک معنیٰ ناصر یعنی مدد کرنے والے کے ہیں، ایک معنی اس کے متولی، یعنی امور عالم کا اہتمام اور مخلوق کی ضرورتوں کے پورا کرنے والے کے ہیں (۹۰) اللہ تعالیٰ

۸۸۔ التوبہ:٦

۸۹۔ ابن کثیر، التفسیر

Marfat.com

کے اسما میں ایک نام الوالی ہے، جس کے معنیٰ ہیں تمام اشیا کا مالک اور ان میں ہر طرح کے تصرف کا مکمل اختیار رکھنے والا (۹۱) اسی طرح ولایت، امارت کے معنی میں بھی استعمال ہوتی ہے (۹۲) ولی سرپرست کو بھی کہتے ہیں، جیسے یتیم کا سرپرست وغیرہ اور نکاح وغیرہ کے امور میں اپنی سرپرستی میں پرورش پانے والے بچوں پر اختیار رکھنا، وغیرہ۔ (۹۳)

پھر ولی دوست کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے، چناں چہ روایت میں جو آتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے لیے فرمایا من کنت هوراه فعلی مولاہ O اس میں بھی دوستی ہی مراد ہے (۹۴) لغات وغیرہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولیٰ اور اولیا جو مولیٰ کی جمع ہے، یہ الفاظ رب، مالک، سردار، محسن، مدد کرنے والے، تابع دار، پڑوسی، قریبی عزیز، حلیف، وغیرہ بہت سے معنیٰ میں استعمال ہوتے ہیں۔ (۹۵)

قرآن حکیم میں یہ لفظ متعدد مقامات پر استعمال ہوا ہے، جہاں واضح طور پر غیر مسلموں خصوصاً یہود و نصاریٰ سے دوستی کی ممانعت کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر سورۂ آل عمران میں فرمایا گیا:

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ج وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ط وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ط وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ O (۹۶)

۹۰۔ ابن اثیر۔ النہایۃ: ج ۵، ص ۲۲۷

۹۱۔ لسان العرب: ج ۱۰، ص ۴۰۶

۹۲۔ ایضاً

۹۳۔ لسان العرب: ج ۱۰، ص ۴۰۷

۹۴۔ ابن اثیر: ایضاً ص ۲۲۸

۹۵۔ ملاحظہ کیجیے، ابن اثیر: ایضاً، ص ۲۲۷ تا ۲۳۰

☆ ابن منظور: ص ۴۰۶، ۴۱۰

☆ المفردات: ص ۵۳۳، ۵۳۵

۹۶۔ آل عمران: ۲۸

Marfat.com

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو کوئی ایسا کرتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ سے کوئی واسطہ نہیں، ہاں اگر تم ان سے کوئی بچاؤ کرنا چاہتے ہو (تو کوئی مضائقہ نہیں) اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اور سورۂ توبہ میں ارشاد ہوا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (۹۷)

اے ایمان والو! تم اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ، اگر وہ ایمان کے مقابلے میں کفر کو عزیز رکھیں اور تم میں سے کوئی ان کو دوست رکھے، سو ایسے ہی لوگ بڑے نافرمان ہیں۔

جب کہ مائدہ میں حکم ہوا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ؗ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (۹۸)

اے ایمان والو! تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو پیدا کر دے گا، جن کو وہ دوست رکھتا ہو گا اور وہ اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہوں گے، وہ مومنوں کے ساتھ نرم ہوں گے اور کافروں کے ساتھ سخت، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں گے اور وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال نہ کریں گے، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، وہ جس کو چاہے عطا فرما دے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا (اور) علم والا ہے۔

ان آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام غیر مسلموں سے اچھے تعلقات کا

۹۷۔ توبہ:۲۳

۹۸۔ المائدہ:۵۴

Marfat.com

تو خواہاں ہے، اور اس کے لیے جزئیات تک پر محیط جامع ترین ہدایات اپنے پیروکاروں کو دیتا ہے، مگر ان سے دوستی اور قلبی تعلق کو وہ قطعاً پسند نہیں کرتا، یہ اس کے مزاج کے ہی خلاف ہے، کیوں کہ اسلام کی آمد اور نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثتِ مبارکہ کے بعد اب اسلام سے ہٹ کر کسی مزید دین کی کوئی ضرورت، کوئی گنجائش باقی نہیں رہی، اخروی کامیابی صرف اور صرف اسی پیغامِ ہدایت میں پنہاں ہے، جو محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوری انسانیت کے سامنے واضح فرمادیا اسی لیے قرآن واضح الفاظ میں کہتا ہے

وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْناً فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ج وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ○ (۹۹)

اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو چاہے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔

اس مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یقیناً ہر نیک تحریک کے بانی کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی تحریک کے قیام و بقا اور حفاظت کی خاطر اس تحریک کے پیرووں کو، اس کے ان مخالفوں کے ساتھ میل جول، رازداری اور رفاقت سے روک دے، جو زور یا سازش سے اس کے مٹانے اور برباد کردینے کے درپے ہوں، خصوصاً ایسے وقت میں جب اس تحریک کو تیغ و خنجر ولشکر سے مٹادینے کی کوششیں ہو رہی ہوں۔ اور طرفین میں لڑائی کی سی حالت قائم ہو۔ یا غلط شبہے اور افواہیں پھیلاکر اس کے پیرووں کو برگشتہ کرنا چاہتے ہوں۔ (۱۰۰)

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا یہ مؤقف بالکل بہ جا، معروضی حالات کے بالکل موافق اور عقل و نقل، ہر ایک سے ثابت شدہ اور مسلمہ اصولوں کے عین مطابق ہے، قرآن غیر مسلموں کی ولایت اور دوستی کے مقابلے میں اللہ کی دوستی کی تلقین کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔

قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِیًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ یُطْعِمُ

۹۹۔ آل عمران: ۸۵

۱۰۰۔ سیرت النبی: ج ۶، ص ۸۴

Marfat.com

وَلَا یُطْعَمُ قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ O (۱۰۱)

(اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیجیے کہ کیا میں اللہ کے سوا جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے، کسی اور کو اپنا مددگار بنالوں، حال آں کہ وہی سب کو کھلاتا ہے اور اس کو کوئی نہیں کھلاتا۔ آپ کہہ دیجیے کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے میں فرماں برداری کروں اور یہ بھی کہ مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہوں۔

اسی طرح وہ مومنوں کو باہم ایک دوسرے کے دوست اور مددگار بننے اور آپس میں مودت و ولایت قائم کرنے کی تلقین کرتا ہے، اس کے الفاظ ہیں:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ (۱۰۲)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا اور وہ لوگ (انصار) جنہوں نے (مہاجروں کو) رہنے کی جگہ دی اور ان کی مدد کی وہی ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔

نیز فرمایا:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ (۱۰۳)

اور مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور رفیق ہیں۔

یہ ایسی بات ہے جس کا ثبوت بائبل سے بھی ملتا ہے، عہد نامۂ جدید میں ہے:

میں نے خط میں تم کو یہ لکھا تھا کہ تم حرام کاروں اور لالچیوں یا ظالموں یا بت پرستوں سے نہ ملو۔ کیوں کہ اس صورت میں تم کو اس جہان سے نکلنا ضرور ہوتا۔ مگر میں نے اب تمہیں یہ لکھا ہے کہ اگر کوئی بھائی کہلا کر حرام کار یا لالچی

۱۰۱۔ انعام: ۱۴

۱۰۲۔ انفال: ۷۲

۱۰۳۔ توبہ: ۷۱

Marfat.com

یا بُت پرست یا طعنہ زن یا شرابی یا ظالم ہو تو تم اس سے میل نہ رکھو، بل کہ ایسے کے ساتھ کھانا تک نہ کھانا۔ کیوں کہ باہر والوں پر فتویٰ دینے سے مجھے کیا واسطہ۔ کیا تم ان کا جو اندر ہیں انصاف نہیں کرتے؟ خدا ہی باہر والوں پر فتویٰ دے گا۔ پس اُس برے شخص کو اپنے درمیان سے نکال دو۔ (۱۰۴)

اور دوسری جگہ پہ حکم ہے:

تم غیر مومنین کے ساتھ ناہموار جوئے میں نہ جُتو۔ کیوں کہ صداقت اور غیر صداقت میں کیا شراکت ہے؟ یا روشنی کا تاریکی سے کیا میل؟ مسیح کو بلیعال کے ساتھ کون سی موافقت ہے؟ یا مومن کا غیر مومن سے کیا واسطہ؟ اور خدا کی ہیکل کو بتوں سے کون سی مناسبت ہے؟ کیوں کہ ہم تو زندہ خدا کی ہیکل ہیں۔ (۱۰۵)

قرآن حکیم میں ایک مقام پر لفظ مودت بھی استعمال ہوا ہے، اور اس سے بھی منع کیا گیا ہے۔

سورۂ ممتحنہ میں ارشاد ہے:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْكَفَرُوْا بِمَا جَآئَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ج يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ (۱۰۶)

اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، کہ اُن کے پاس دوستی کے پیغام بھیجتے ہو حال آں کہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے وہ اُس کے منکر ہیں۔ وہ رسول کو اور تمہیں اس بنا پر نکالتے ہیں کہ تم اپنے رب، اللہ پر ایمان لائے۔

اس سے بھی یہی مراد ہے کہ اسلام غیر مسلموں سے دوستی، قرابت داری اور قلبی

۱۰۴۔ قرنتیون: ۱۔ باب ۵: ۹، ۱۳

۱۰۵۔ قرنتیون: ۲۔ باب ۶: ۱۴، ۱۶

۱۰۶۔ الممتحنہ: ۱

Marfat.com

رشتوں کو پسند نہیں کرتا اور سماجی تعلقات اور معاشرتی روابط سے منع نہیں کرتا، جب کہ سیاسی سطح پر غیر مسلم ریاستوں سے مسلمانوں کے مصالح کو پیش نظر رکھ کر ان سے تعاون اور تعلقات استوار کرنے کی بھی اجازت دیتا ہے۔

اسی تمام بحث کا خلاصہ علامہ خازن نے یوں بیان کیا ہے۔

فان قلت قد اجمعت الامة علی انه تجوز مخالطتهم و معاملتهم و معاشرتهم فما هٰذه المودة المحظورة قلت المودة المحظورة هی مناصحتهم و ارادة الخیرلهم دینا و دنیانا مع کفرهم فاما ماسوی ذٰلك فلاحظر فیه (۱۰۷)

اگر تم یہ سوال کرو کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ کفار کے ساتھ میل جول رکھنا، معاملات کرنا اور معاشرتی تعلقات رکھنا جائز ہے تو یہ وہ کون سی مودّت ہے، جس سے منع کیا گیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ ان کے کفر کے باوجود ان کے ساتھ دین و دنیا کے پہلو سے اخلاص اور خیر خواہی کا رویہ اختیار کیا جائے۔ اس کے علاوہ دوسرے تمام معاملات میں ان سے موالات ممنوع نہیں ہے۔

اسلام کے غیر مسلموں سے تعلقات اور رواداری غیر مسلموں کی نظر میں

دی گوبینیو کی رائے

اگر ہم مذہبی اصول سے سیاسی ضروریات کو الگ کر دیں، جنہوں نے مذہب کے نام پر زبان اور ہاتھ سے کام لیا ہے تو کوئی مذہب اسلام کی مثل روا دار اور صلح کل نہیں ملے گا۔ جس نے دوسروں کو اس قدر مذہبی آزادی دی ہو، بل کہ ان کے دین و ایمان سے مطلق کوئی سروکار نہ رکھا ہو، سوائے ایسی صورتوں کے کہ مسلمان سلطنتوں نے ملکی مصلحت کے خیال سے مذہبی اتحاد

۱۰۷۔ خازن، علاؤ الدین علی بن محمد البغدادی۔ لباب التاویل فی معانی التنزیل۔ مصر، التقدم العلمیہ، ۱۳۴۹ھ: ج ۱، ص ۴۶

Marfat.com

کے لیے ہر طریقہ اختیار کیا ہو۔ رواداری مسلمانوں کی طبیعت کا ایک محکم خاصہ اور مکمل آزادی ان کے مذہب کا دستور العمل رہا ہے۔ لٰہذا ہمیں اپنی پوری توجہ جور و تعدی کے واقعات تک محدود نہیں رکھنی چاہیے جو کہیں کہیں پیش آئے۔ (۱۰۸)

آر۔ وی۔ سی۔ بوڈلے کی رائے

حضرت محمد ﷺ کو صرف خون بہانے اور قتل و غارت کے لیے جنگ کرنا ہرگز پسند نہ تھا، حقیقت یہ تھی کہ ہر کافر قیدی کے سامنے دو باتیں رکھی جاتی تھیں، وہ یا تو زرِ فدیہ ادا کرے اور آزاد ہو کر گھر کو چلا جائے یا پھر اسلام قبول کرے۔ قرآن کہتا ہے: جب حرمت کے مہینے ختم ہو جائیں تو مشرکوں کو قتل کرو، جہاں بھی ان کو پاؤ، لیکن اگر وہ توبہ کر لیں اور زکوٰۃ ادا کر دیں تو ان کو چھوڑ دو۔ اگر قیدی اسلام اختیار کر لیتا تو اسے فوراً دوسرے مسلمانوں کی طرح روحانی اور مادی رعایتیں دی جاتیں تھیں، یہ طریقہ کار اختیار کرنا یقینی طور پر حضرت محمد ﷺ کے اپنے مفاد میں تھا، لیکن ایک یا دو موقعوں کے سوا آپ نے ہارے ہوئے دشمن سے بے دردی کا سلوک نہیں کیا۔ آپ ﷺ اگر انتقام لینے کو اپنی تعلیم کا جز بنا لیتے تو بھی یہ اس زمانے کے دستور کے عین مطابق ہوتا، اور اس وقت کے عیسائی مذہب کے بہت بعد کے اخلاقی اصولوں سے بھی مطابقت رکھتا۔ (۱۰۹)

خلاصہ کلام

اوپر مذکور ہونے والی بحث سے ہمیں جو ہدایات اور رہنمائی حاصل ہوتی ہے، اس کا خلاصہ چند نکات کی صورت میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

۱۔ اسلام امن اور سلامتی کا داعی ہے۔ اس لیے وہ پوری کائنات میں امن و استحکام

۱۰۸۔ ٹی ڈبلیو آرنلڈ۔ دعوت اسلام۔ محکمہ اوقاف لاہور ۱۹۷۲ء: ص ۷

۱۰۹۔ آر۔ وی۔ سی۔ بوڈلے۔ محمد رسول اللہ: ص ۲۶۳

Marfat.com

قائم کرنے کا خواہاں ہے۔ وہ تو جہاد کی دعوت دیتے ہوئے بھی یہی کہتا ہے کہ وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (۱۱۰) یہی وجہ ہے کہ وہ فتنے کے خاتمے اور امن استحکام کے قیام کے لیے سخت سے سخت اقدامات تجویز کرتا ہے۔

۲۔ اسلام کسی خاص گروہ کا مذہب نہیں، اس کی نظر میں سب برابر ہیں اور ہر شخص اسلام کی تعلیمات تسلیم کر کے اس کی عالم گیر برادری کا رکن بن سکتا ہے۔

۳۔ اسلام عملی زندگی میں سماجی اور معاشرتی تعلقات کو اہمیت دیتا ہے۔

۴۔ خالص مذہبی اور اعتقادی معاملات کے علاوہ تمام تعلقات اور روابط میں اسلام غیر مسلموں کے ساتھ کسی قسم کے امتیازی اقدامات کو پسند نہیں کرتا۔

۵۔ اسلامی ریاست میں بسنے والے غیر مسلموں کو نہ صرف ہر طرح کی مکمل آزادی حاصل ہے، بل کہ ان کے ساتھ مسلمانوں کے معاشرتی تعلقات بھی غیر امتیازی بنیاد پر استوار ہوتے ہیں۔

۶۔ اسلامی ریاست، غیر مسلم ریاستوں کے ساتھ بھی برابری کی بنیاد پر اچھے تعلقات کی علم بردار ہوتی ہے۔

۷۔ غیر مسلم خواہ یہودی وعیسائی ہو یا دیگران سے سیاسی سطح پر ہر طرح کے تعلقات استوار کیے جا سکتے ہیں، بہ شرطے کہ ان تعلقات سے مسلمانوں کو کسی صورت میں کسی بھی نوعیت کا نقصان نہ ہو، یعنی مسلم حکومت مسلمانوں کا مفاد بہ ہر صورت پیش نظر رکھے، جیسا کہ ہر حکومت کا مطمح نظر یہی ہوتا ہے۔

۸۔ غیر مسلموں سے تعلقات کے اثبات کے ساتھ ساتھ ان سے دوستی اور قلبی تعلقات کی ممانعت ہے، جو قرآن کی نصوص قطعیہ سے ثابت ہے، دونوں کی حدود میں فرق کرنا اور اس فرق کو مد نظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔

۹۔ اسرائیل سے تعلقات کا معاملہ بے حد اہم ہے، لیکن اوپر مذکور تفصیل سے اس کی حیثیت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اگر چہ شرعاً دیگر ریاستوں کی طرح وہ بھی ایک ریاست ہے، مگر چوں کہ پوری امت مسلمہ خصوصاً اس کے حوالے سے ایک خاص نقطہ نظر رکھتی ہے،

۱۱۰۔ البقرہ: ۱۹۳

Marfat.com

جس کے پیچھے نصف صدی پر مبنی اسرائیل کے اقدامات اور خود اس کی تاسیس کا طریقہ کار ہے، اس لیے اس بارے میں کوئی بھی اقدام، جو امت مسلمہ کی اکثریت کی رائے کے خلاف ہو، قطعاً غیر شرعی تصور ہوگا۔ نیز پرانے دوستوں کو کھو کر نئے دوستوں کی تلاش کا رویہ نفسیاتی اعتبار سے بھی، اخلاقاً بھی اور مذہبی اعتبار سے بھی، سود مند ثابت نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ صحیح رہ نمائی فرمائے اور گمراہی سے محفوظ رکھے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

Marfat.com